جدید جاہلیت

محمد قطبؒ

ترجمہ

ساجد الرحمٰن صدیقی

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدّمہ

کچھ لوگ اِس نام پر تعجب کریں گے اور بہت سے لوگ اس پر ناگواری کا اظہار کریں گے۔

بیسویں صدی! تہذیب وتمدّن ...علم واکتشاف... نظم ونسق... تسخیر کائنات... ایٹم اور راکٹ... کیا یہ سب جاہلیت ہے؟!

آج انسان نے وہ بلندی اور عظمت حاصل کرلی ہے۔ جو اُسے انسانی تاریخ میں کبھی حاصل نہ ہوئی۔ آج انسان کو تسخیر کائنات کی وہ قوت اور اس پر بالادستی کی وہ طاقت حاصل ہوگئی ہے، جس کے بارے میں کرّۂ ارضی پر بسنے والا کوئی شخص صدیوں پہلے کی تو درکنار صرف دس بیس سال پہلے تک بھی تصوّر نہ کرسکتا تھا!

پھر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آج اس بیسویں صدی میں بھی انسان جاہلیت کی زندگی گزار رہا ہے۔

بظاہر کتنی بلند دکھائی دیتی ہیں وہ اقدار جن کے سائے تلے آج انسان زندگی گزار رہا ہے۔ آزادی... بھرپور آزادی... بھائی چارہ... مساوات... جمہوریت اور معاشرتی انصاف!

خدا کی قسم تم ہی بتاؤ۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح کے جس تابناک دور میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ دورِ جاہلیت ہے؟!

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت اسلام سے پہلے کے جزیرۂ نمائے عرب میں ایک خاص دَور کا نام ہے۔ اس فکر کے حامل پاک باطن لوگ بھی ہیں اور بدباطن لوگ بھی۔

پاک باطن لوگ اس حالت کی سچائی میں کوئی حجت نہیں کرتے جس سے اللہ تعالیٰ نے

بعثت نبویؐ سے پہلے کے عرب معاشرے کو سقف قرار دیا ہے اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اسلام کی رو سے وہ فی الواقع جاہلیت تھی۔

رہے بد باطن لوگ، تو یہ ان غیر اسلامی میلانات میں گھرے ہوئے ہیں، جن میں سے ایک کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]''

یہ لوگ، جاہلیت عربیہ کا بچاؤ اور اس کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن نے عرب معاشرہ میں جس جاہلیت کی نشان دہی کی ہے وہ سرے سے جاہلیت ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ اس وقت کا عرب معاشرہ ایسے کمالات، حقیقی اقدار، علوم اور تہذیب وتمدّن کا حامل تھا جسے اس نے رومیوں اور ایرانیوں سے میل جول کے دوران حاصل کیا تھا۔ جب کہ مستشرقین یورپ کا اپنی جدید تحقیقات میں اس امر سے متعلق مؤقف یہی ہے۔

بہ ہر حال یہ آزاد خیال انارکسٹ اپنے خاص نقطۂ نظر کے تحت سرے سے یہ تصوّر ہی نہیں کر سکتے کہ آج اِس بیسویں صدی میں جاہلیت کا دور دورہ ہے۔ بالخصوص جب کہ ان کی تحقیق کا معیار وہ ہو جو ہمارے سامنے آیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کے متعیّن کردہ منشا و مراد سے بے خبر ہیں۔

پاک باطن لوگ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت، شرک، بت پرستی، انتقام اور ان بری عادتوں کا نام ہے، جو اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں موجود تھیں۔ گویا یہ مظاہر جاہلیت کو بعینہٖ جاہلیت سمجھ بیٹھے۔ اسی لیے وہ اس کی ایک خاص شکل، ایک مخصوص زمانے اور جزیرہ نمائے عرب کے اس علاقے میں متعین کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ختم ہوگئی۔ اب کبھی بھی اور کہیں بھی جاہلیت رونما نہیں ہوسکتی۔

بد باطن لوگ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت علم وتمدن، مادی ترقیات، فکری، اجتماعی، سیاسی اور انسانی اقدار کے بالمقابل ہے۔ چناں چہ وہ اپنی ساری قوتیں یہ ثابت کرنے میں لگا دیتے ہیں کہ

---

(۱) جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت کے لیے قتال کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جو عصبیت پر مر گیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم، نسائی، ابوداؤد)

عرب جاہلیت زدہ نہیں تھے۔ (انہی میلانات سے مجبور ہو کر جن کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے) کیوں کہ ان کے خیال میں عرب علم و فن سے اچھے خاصے واقف اور کافی حد تک تہذیب آشنا تھے۔ وہ سخی اور بہادر تھے۔ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتے تھے اور شرافت کے حصول میں جان تک کی بازی لگا دیتے تھے۔ اسی قسم کی ان میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس لیے قرآن کا عربوں کے اس دَور کو جاہلیت کا نام دینا کسی تاریخی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ بیسویں صدی میں جاہلیت کے دَور دورہ کی باتیں کی جائیں۔ جب کہ اس صدی میں انسان مادّی ترقیات کی ان بلندیوں تک پہنچ چکا ہے۔ جن ترقیات کا اس دَور سے قبل تصور بھی مشکل تھا۔

ہماری نظر میں پاک باطن اور بد باطن دونوں ہی طبقے جاہلیت کے حقیقی معنی اور قرآن کی مراد و منشا سے قطعی ناواقف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت معاشرے کی کسی مخصوص شکل اور تاریخ کے کسی خاص دور کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت ایک جوہر ہے۔ البتہ اس کے مظاہر معاشرے کی حالت اور زمانے کی رفتار کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ سب صورتوں میں قدر مشترک یہی ہوتی ہے کہ سب ہی جاہلیت کے نوع بہ نوع پیکر ہیں۔ اگر چہ ہر پیکر اپنی ظاہری شکل میں دوسرے سے مختلف ہے۔

جاہلیت علم و فن، تہذیب و تمدّن، مادی ترقی، فکری، اجتماعی اور انسانی اقدار کے بالمقابل بھی نہیں ہے۔ خواہ گفتگو کا موضوع جاہلیت عربیہ ہو یا بیسویں صدی کی جدید ترین جاہلیت کا ذکر کیا جائے۔

قرآن کریم کے منشا و مراد کے مطابق جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے، جس میں پھنس کر لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝ (المائدہ:۵۰)

”(اگر یہ خدا کے قانون سے مُنہ موڑتے ہیں) تو کیا یہ لوگ پھر جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں اور جو قوم یقین (وایمان) رکھتی ہے اُس کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے؟“

قرآن کے بیان کردہ مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے جاہلیت کا مقابلہ علم وفن، تہذیب وتمدّن یا معاشی برتری سے نہیں ہوسکتا بلکہ دراصل جاہلیت اللہ کی ہدایت اور اللہ کے حکم کے بالمقابل ہے جہاں اللہ کی ہدایت کو ٹھکرایا اور اُس کے حکم سے روگردانی کی وہیں جاہلیت آموجود ہوئی۔

قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ عربوں کا زمانہ اس لیے دورِ جاہلیت تھا کہ وہ فلکیات، طبعیات، کیمیا اور طب سے واقف نہیں تھے یا اُنہیں سیاسی انتظام نہیں آتا تھا یا وہ مادّی پیداوار کرنے سے قاصر تھے یا ان میں سے کوئی خوبی ہی نہیں تھی یا ان کے پاس مطلقاً کسی قسم کی اقدار ہی نہ تھیں۔

اگر قرآن کا یہی کچھ مطلب ہوتا تو وہ اسی قسم کا کوئی متبادل نظام انھیں دے دیتا۔ انھیں علمی جہالت کے بدلے میں علمی، فلکی، طبیعیاتی، کیمیائی اور طبّی معلومات فراہم کردیتا۔ سیاسی جہالت کے بدلے انہیں نئے سیاسی افکار عطا کردیتا۔ اگر ان کے معاشرے میں مادی پیداوار کی کمی تھی تو وہ ان کو ایسے طریقے بتادیتا، جن سے پیداوار میں اضافہ ہوسکتا۔ اور پہلے کی نسبت بہتر پیداوار ہوتی اور اگر ان کے معاشرے میں اچھی عادتوں اور بہتر اقدار کی کمی تھی۔ تو وہ ان کو کچھ ایسی خوبیاں اور کچھ ایسی اقدار بخش دیتا، جو کسی ٹھوس اخلاقی نظام میں پیوستہ ہونے کے بجائے معاشرے میں یونہی بے ربط سی بکھری ہوتیں۔

لیکن قرآن نے نہ تو عرب معاشرے میں اس طرح کی کسی کمی، کی نشان دہی کی اور نہ اس کمی کو دور کرنے کے لیے کوئی متبادل نظام دیا۔(۱)

قرآن نے تو انھیں جاہلیت سے اس بنا پر متصف قرار دیا کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرکے اپنی خواہشات کے بندے بن گئے تھے —— چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اِسی جاہلیت کے بدلے اسلام عطا کیا۔

قرآن نے انسانیت کو پرکھنے کے لیے اسلام کو کسوٹی بنادیا اور بتادیا کہ جو کچھ اسلام کے خلاف ہے وہ جاہلیت ہے خواہ جاہلیت عرب ہو یا تاریخ کی کوئی اور جاہلیت...

قرآن نے جابجا گزشتہ اقوام اور ان کی تہذیب وتمدّن کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ بھی ظاہر

---

(۱) ہر چند کہ اسلامی انقلاب کے بعد یہ سب تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ لیکن یہ وہ تبدیلی نہ تھی، جس کے لیے اللہ نے لوگوں سے مطالبہ کیا ہو کہ وہ جاہلیت کو چھوڑ کر اس نئی تبدیلی کو اپنالیں۔

ہے کہ یہ اقوام عربوں سے کہیں زیادہ متمدن تھیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ اقوام جاہلیت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ کیوں کہ انھوں نے اپنی زندگی کی تعمیر اللہ کی ہدایت کے مطابق نہیں کی تھی:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَاۤ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ؕ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا یَسْتَهْزِءُوْنَ۠ (الروم:۹،۱۰)

''کیا انھوں نے زمین میں سیاحت کر کے گزشتہ اقوام کے انجام کو نہیں دیکھا۔ وہ تو ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور انھوں نے زمینیں خوب جوتیں اور جس قدر اُنھوں نے زمین کو آباد کیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اِنھوں نے آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اللہ تو ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ آخر کار جن لوگوں نے بُرائیاں کی تھیں، اُن کا انجام بہت بُرا ہوا اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔''

غور فرمائیے۔ قرآن جاہلی عربوں کی توجہ گزشتہ جاہلی اقوام کی طرف مبذول کرا رہا ہے، تا کہ وہ ان کے انجام پر غور کریں اور اُس سے ڈریں اور اللہ کی آیات کو نہ جھٹلائیں۔ بلکہ ان پر ایمان لائیں اور ہدایت حاصل کریں۔ اگر چہ یہاں پر قرآن نے جاہلیت کا لفظ صاف طور پر استعمال نہیں کیا ہے۔ لیکن پھر بھی معنی وہ ہی ہیں۔ قرآن جاہلی عربوں سے کہتا ہے کہ یہ اقوام بھی جاہلیت میں تمہاری ہم پلہ تھیں۔ باوجودیکہ وہ زیادہ طاقت ور تھیں۔ انھوں نے تم سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا۔ ان کے پاس تہذیب وتمدن بھی تھا۔ لہٰذا تمہارے لیے خیر اسی میں ہے کہ تم اِس جاہلیت سے باہر آجاؤ، جس جاہلیت میں تم اور وہ بگڑی ہوئی قدیم قومیں برابر کی شریک ہیں۔ اب تم اللہ کی ہدایت قبول کرلو اور مسلمان ہو جاؤ۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کی نظر میں جاہلیت اس نفسیاتی کش مکش کا نام ہے جس میں پھنس کر لوگ اللہ کی ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اور وہ انتظامی ڈھانچہ ہے جو اللہ کے

نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔ اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کرنا اور اُس کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دینا، انسانی معاشرے کا ایسا بگاڑ ہے جس کے نتائج اتنے بھیانک ہوتے ہیں کہ ساری انسانی زندگی ایک اذیت ناک کرب اور بے چینی کا شکار ہو جاتی ہے اور بیمار انسانیت کی بدبختی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔

اس قرآنی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ جاہلیت صرف جاہلیت عرب کا نام نہیں اور نہ جاہلیت کسی خاص تاریخی دَور کا نام ہے بلکہ وہ ایک ایسی حالت ہے جو کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ میں ہو سکتی ہے، تہذیب و تمدّن کے ارتقا، مادّی امور کی ترقی، فکری، سیاسی اور معاشرتی علوم میں ترقی کے باوجود ہو سکتی ہے اگر یہ سب ہدایت الٰہی سے بے نیاز ہو کر ہوں اور اپنی خواہشات کی اتّباع میں اور اللہ کی نازل کردہ تعلیمات سے روگرداں ہو کر ہوں۔ اسے دو لفظوں میں یوں سمجھیے کہ ''جاہلیت'' اور ''ہوائے نفس'' ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ لہٰذا جو لوگ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اللہ کی نازل کردہ ہدایت سے روگرداں ہیں، وہ جاہلیت میں مبتلا قرار پاتے ہیں، کیوں کہ وہ ہدایت الٰہی سے اِعراض کیے ہوئے ہیں، خواہ وہ اپنے مبلغ علم کے لحاظ سے، اپنے تمدّن کے لحاظ سے، اپنی مادّی ترقی کے لحاظ سے، اپنی سیاسی اور اقتصادی تنظیم کے لحاظ سے کتنے ہی بلند مرتبہ نظر آتے ہیں، اور وہ اپنی اس جاہلیت کے سبب ان نتائج سے دو چار ہو کر رہیں گے جو جاہلیت کے لیے لازمی ہیں، یعنی اضطراب و کرب اور حرمان و خسران۔

غرض وہ صرف عرب ہی نہ تھے جو اسلام سے پیشتر جاہلیت میں زندگی گزار رہے تھے۔ بلکہ ان کی طرح ہر وہ قوم جاہلیت کا شکار قرار پائے گی جس نے ہدایت الٰہی سے انحراف کیا اور ہوائے نفس کی پیروی کی۔

جو خوش عقیدہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جاہلیت صرف وہ ہی ہے جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا ایک دور تھا، ہم چاہتے ہیں کہ ان کو جاہلیت کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرادیں۔ تاکہ ان کو یہ بھی اندازہ ہو جائے کہ وہ اس بیسویں صدی میں کس قسم کی زندگی گزار رہے ہیں!

آزاد خیال طبقے سے ہم کہیں گے کہ وہ کسی قسم کے تعصّب کا شکار ہو کر اسلام سے پہلے

کے عربوں کی مدافعت نہ کریں۔ اس مدافعت کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں ثابت کر سکتے کہ جاہلی عرب، علمی ترقیات، سیاسی اور اجتماعی نظام اور فکری اقدار میں موجودہ بیسویں صدی سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ جب کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت چودہ صدی پیشتر عربوں کی جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے۔ بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت ہر اُس جاہلیت سے زیادہ بھیانک ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو!!

عربی جاہلیت تو ایک سیدھی سادی جاہلیت تھی۔ سیدھے سادے محسوس مگر کھوکھلے بتوں کی پوجا کرلی اور بس! کچھ عجیب سے تصوّرات تھے۔ بیشک یہ تصوّرات راہ راست سے ہٹے ہوئے تھے۔ لیکن راہ راست سے انحراف میں بھی یک گونہ سادگی تھی گہرائی نہ تھی۔ دیگر قبائل پر قریش کی گرفت سخت تھی۔ قریش اپنی مصلحتوں اور اپنی سرداری کے بچاؤ کے لیے مکروفریب سے کام لیتے اور اپنی ان مصلحتوں اور سیادت کی خاطر حق وانصاف کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اگرچہ یہ ساری خرابیاں ہر جاہلیت میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن عربوں میں یہ خرابیاں ظاہری اور کھلّم کھلاّ تھی۔ ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ جاہلیت کا فساد ان کے صرف خارجی مظاہر پر اثر انداز ہوا تھا اور ابھی تک اس فساد نے ان کی فطرت کو مسخ نہیں کیا تھا۔ جوں ہی حق وصداقت نے اس ظاہری گلے ہوئے چھلکے کو اُتار پھینکا فوراً فطرت حق کے سامنے سرنگوں ہوگئی اور ساری تاریکیاں چھٹ گئیں۔

اس کے برخلاف جاہلیت جدیدہ زیادہ دل دل والی، زیادہ خبیث اور زیادہ سخت گیر ہے۔

کیوں کہ یہ علمی جاہلیت ہے!

یہ بحث ونظریات کی جاہلیت ہے!

یہ جمے ہوئے گہرے انتظام کی جاہلیت ہے!

یہ آنکھوں کو خیرہ کرنے والی مادّی ترقّیات کی جاہلیت ہے۔

یہ جاہلیت ہے اس دھوکہ اور فریب کی، جس کو انسان کی ہلاکت کے لیے باقاعدہ علمی بنیادوں پر مرتب کیا گیا ہے!

یہ ایسی جاہلیت ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی!

اس کتاب کا مقصد بیسویں صدی کی اس ظاہری شان وشوکت کا پردہ چاک کرنا ہے، جس کے پس پردہ گندگی کے متعفّن کیڑے کلبلا رہے ہیں۔

ہم اِس کتاب میں جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کے چھوڑے ہوئے آثار کی نشان دہی کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ جاہلیت انسانی تصورات پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ ماضی میں جاہلیت نے انسانی زندگی پر کیا اثرات چھوڑے ہیں اور مستقبل میں یہ کن نتائج کا پیش خیمہ بننے والی ہے؟ ہم نے اس کتاب میں موجودہ دَور کے سارے مشاہدات بیان کرکے جاہلیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ صحیح تصوّرات اور صحیح راستے کی نشان دہی کی جائے اور اس جاہلیت کا پردہ چاک کیا جائے جس نے ترقی اور تہذیب کے نام پر لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تاکہ لوگوں کو وہ مہیب غار نظر آجائے جس میں وہ گرنے والے ہیں۔ حالاں کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ صحیح راستہ پر چل رہے ہیں!!

ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ ہم انسانیت کو ایک خوشگوار مستقبل کی بشارت دے دیں جس مستقبل پر ہمارا ایمان ہے — جس وقت لوگ تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں آجائیں گے!

مجھے معلوم ہے کہ یہ کام نہ ایک کتاب کرسکتی ہے اور نہ ایک ہزار کتابیں! البتہ مجھے دو باتوں کا یقین ضرور ہے۔ پہلی بات یہ کہ کلمات رائیگاں نہیں جائیں گے۔ اگرچہ کچھ دنوں کانوں کو ناگوار معلوم ہوتے رہیں گے۔ دوسری بات جس پر مجھے یقین ہے۔ یہ ہے کہ درحقیقت تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کا زمانہ آچکا۔ تاریکیوں میں روشنی کی ایک کرن پھوٹتے ہوئے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور اسی کرن کی روشنی میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں۔

بے شک اللہ جسے چاہے توفیق دے!!

تمہید

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جاہلیت تاریخ کی گرد و غبار میں چھپا ہوا کوئی دَور نہیں ہے، نہ ہی جاہلیت علم وفن اور تہذیب وتمدن کے بالمقابل ہے۔ بلکہ درحقیقت جاہلیت اللہ کی ہدایت سے بھٹک جانے اور اُس کے حکم کو ٹھکرا دینے کا نام ہے۔ جس مرحلے پر بھی اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی جائے گی اُسے جاہلیت ہی کہا جائے گا۔

جاہلیت کے یہ معنیٰ سمجھ لینے کے بعد ہمارے ذہن اس بات پر کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

ہم نے ''کسی قدر تیار ہو سکتے ہیں'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیوں کہ بہت سے لوگ جنھیں جاہلیت جدیدہ کا سیلاب تنکوں کی طرح بہا لے گیا ہے۔ شانے اُچکا کر طنزیہ انداز میں کہیں گے:

> ''اگر ہماری یہ ترقی یافتہ زندگی جاہلیت ہے تو ہم اس جاہلیت پر بڑے خوش ہیں۔ ہم تو اسے دل و جان سے چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ اپنی اس ترقی یافتہ جاہلیت کو چھوڑ کر تمہاری اس اللہ کی ہدایت کو اپنا لیں جس میں قصے کہانیاں ہیں، جس میں پس ماندگی اور انحطاط ہے۔ بلکہ ہم نے اس اللہ کی ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ ہم تہذیب وتمدن حاصل کریں اور تاریکیوں کے بجائے روشنی میں آ جائیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جاہلیت ہمیں اس اللہ کی ہدایت سے زیادہ محبوب ہے، جس کی طرف تم ہمیں بُلا رہے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

فَاسۡتَحَبُّوا الۡعَمٰی عَلَی الۡهُدٰی (حٰمٓ السجدہ:۱۷)

''انھوں نے ہدایت چھوڑ کر بے راہ روی کو اختیار کیا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا:

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ
(البقرہ:۱۱۸)

''ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ان سب (اگلے پچھلے گمراہوں کی) ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔''

دراصل تمام جاہل انسانوں کے ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔خواہ وہ تاریخ کے کسی دَور میں پائے جائیں۔ کیوں کہ تمام جاہل یکساں خطوط پر سوچتے ہیں اور ہمیشہ ملتی جُلتی سی باتیں کرتے ہیں۔

اب ہمارے قلب ودماغ بیسویں صدی کی جاہلیت کے بارے میں کسی قدر گفتگو کے لیے تیار ہو گئے۔ کیوں کہ اب یہ موضوع عجیب اور ناگوار نہیں محسوس ہو رہا ہے۔ جتنا پہلے پہل ہو رہا تھا لیکن پھر بھی کافی کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس موضوع کے لیے کافی تصانیف کی ضرورت ہے۔

جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کو تسلیم نہیں کرتی، وہ ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتی ہے، وہ سمجھتی ہے کہ وہ مجمع محاسن ہے اور اللہ کی ہدایت سراسر گھاٹے اور نقصان کا سودا ہے۔

جاہلیت کو یہ کبھی پتہ نہیں چلتا کہ اس کے اپنے نظام میں کیا خرابیاں ہیں؟ کس قسم کا بگاڑ ہے؟ کون سی بدبختی ہے؟ اور کس قسم کی بے چینی ہے؟ یہ اندازہ اس کو جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لے اور تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ جائے اور جب اس کا سارا نظام اللہ کی فکری بنیادوں پر قائم ہو جائے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں یہ بتائیں کہ لوگ اللہ کی ہدایت سے دور ہو کر کس گمراہی اور بگاڑ، کس بدبختی اور بے چینی میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔

جاہلیت کے اس بگاڑ کو سمجھنا لوگوں کے لیے آسان نہیں ہے۔کیوں کہ جاہلیت ان کے قلب و امراض پر اپنے اثرات اتنے گہرے مرتسم کر دیتی ہے کہ خیالات کو پالا مار جاتا ہے اور معاشرے کی ہر روش مُرجھا کے رہ جاتی ہے۔

یہ لوگ کبھی کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے تصوّرات اور طریقۂ کار اللہ کے حکم کے مطابق ہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو کچھ بگاڑ ہے وہ یقینی ہے اور اس کو کسی صورت ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس میں کوئی ردّوبدل ہوسکتا ہے۔

غرض ہر نقطۂ خیال کے مطابق مسائل کی شرح وتفسیر اور ہر اس فکر سے دامن بچایا جائے گا جس میں اللہ کا نام آتا ہو۔ کبھی کہتے ہیں دنیا کی فلاں طاقت باغی ہے۔ اس سے جنگ کی جائے اور کبھی کہتے ہیں کہ فلاں نظام میں تبدیلی لائی جائے مگر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس طاقت یا اس نظام کو اللہ کے پیمانہ پر ناپا جائے۔ کیوں کہ اللہ کا نام درج فہرست ہی نہیں ہے۔

یہ رویّہ صرف جاہلیت جدیدہ ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ کی ہر جاہلیت کا لوگوں کے ساتھ کچھ اسی قسم کا برتاؤ رہا ہے:

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ط

(الاعراف:۲۸)

”جب وہ کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو بھی اس طرح کرتے پایا ہے بلکہ اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔“

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا

(الانعام:۱۴۸)

”عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا کرتے۔“

جاہلی معاشروں کی ظاہری ہیئتیں اور شکلیں زمانہ کے لحاظ سے مختلف تو ضرور ہوتی ہیں لیکن ان تمام جاہلی معاشروں کی فکر آپس میں ملتی جُلتی ہوتی ہے اور اُن کا تاریخی کردار ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔

جاہلیت کے کسی مسئلے میں بھی لوگ اصل خرابی اور بگاڑ کا آسانی سے اندازہ نہیں کرسکتے۔ اگر انھیں اس بگاڑ کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو بھی جائے تو یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ درحقیقت یہ سارا بگاڑ اللہ کی ہدایت سے دوری کی بنا پر رونما ہوا ہے۔ اور اگر یہ بات بھی کسی نہ کسی

طرح حلق سے نیچے اُتر جائے۔ تو یہ یقین نہیں آتا کہ کیا یہ اللہ کی ہدایت فی الواقع ان کی بے چینی، بدبختی اور عذاب کو دور کر کے اُنھیں اطمینان وسکون عطا کر سکتی ہے؟ اور کیا یہ حقیقتاً اللہ کی ہدایت جاہلیت کے بگاڑ کو دُور کر کے اس کی پیدا کردہ مشکلات کا حل نکال سکتی ہے۔

لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دینا کہ اللہ کی ہدایت ان کی تمام مشکلات کا حل ہے۔ بڑا مشکل کام ہے۔ کیوں کہ جاہلیت نے نہ صرف لوگوں کو اللہ کی ہدایت سے دور کر دیا۔ بلکہ اُن کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت کا بیج بو دیا ہے اور انسانی زندگی کی متعدد اور گوناگوں تعبیریں کر کے لوگوں کو ان باطل تعبیرات میں اس قدر اُلجھا دیا کہ ان کا کسی وقت اللہ کی ہدایت کی طرف متوجہ ہونا ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہو گیا ہے۔

یہ سمجھ کر لوگ اللہ کی ہدایت کی طرف مشکل ہی سے متوجہ ہوں گے۔ ہم انھیں سرے سے دعوت ہی نہ دیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم حق کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے لوگوں کو ضرور اللہ کی ہدایت کی طرف بُلائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی وقت لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول کر لیں۔ نہ صرف قبول کر لیں بلکہ اللہ کے حکم کو عملاً اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لیے جہاد بھی کریں۔!

لوگ پہلے پہل اس بات کی تصدیق نہیں کریں گے کہ آج پوری دنیا میں جو بے چینی پائی جاتی ہے اُس کی وجہ اللہ سے دور ہونا ہے۔ کیوں کہ جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ اس عالمگیر بے چینی کی وجہ سرمایہ ہے یا طبقاتی کش مکش ہے یا انفرادی ملکیت ہے یا معاشی ابتری ہے۔ جاہلیت یہ تو کہہ ہی نہیں سکتی کہ انسانوں کی زندگی کا اللہ سے یا اللہ کی سنّت سے بھی کوئی واسطہ یا تعلق ہو سکتا ہے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ تو زندگی کے نشیب وفراز کی ہر اُس تعبیر اور ہر اُس معنی کا مذاق اُڑاتی ہے، جس کا تعلق اللہ سے ہو یا اللہ کی سنّت سے ہو۔ کیوں کہ جاہلیت کی انتہائی تمنّا اور آخری آرزو تو یہی ہے کہ انسانی فکر وعمل کا رشتہ اللہ سے منقطع کر دے۔

جاہلیت جدیدہ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اللہ اور اللہ کی سنّت کا رشتہ قرون وسطٰی سے ملا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ علم وسائنس کے تقاضوں کے ماتحت انسانیت، کو اپنا رشتہ اللہ سے منقطع کر دینا ضروری ہے۔

خیال فرمائیے! جب لوگ اس قسم کی متعفّن جاہلیت میں زندگی گزار رہے ہوں تو وہ یہ

فکر کیسے اپنا سکتے ہیں کہ انسانیت کی بے چینی اور سوسائٹی کے ہمہ گیر بگاڑ کی وجہ صرف اور صرف اللہ کی ہدایت سے روگردانی اور اس کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دینا ہے۔

اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے اس کتاب میں مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئیں گے:

اوّل: جاہلیت کی ابتدا، اس کی نشو ونما اور اس کا تاریخی کردار۔

دوم: جاہلیت جدیدہ اور اُس کی علامات۔

سوم: جاہلیت جدیدہ نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر جو اثرات مرتسم کیے ہیں ان کا جائزہ۔ اس سلسلے میں ان تمام اثرات کا ذکر کیا جائے گا جو سیاسیات، معاشیات، اخلاقیات اور نفسیات میں رونما ہوئے اور اس طرح پوری انسانی زندگی جاہلیت کی لپیٹ میں آ گئی۔

چہارم: مستقبل میں اگر کسی وقت انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے تو نظامِ زندگی کن خطوط پر استوار ہوگا اور زندگی پر موجودہ جاہلیت کے پڑنے والے اثرات کو کس طرح ختم کیا جائے گا۔ اللہ کی ہدایت کس طرح زندگی کے سارے پہلوؤں پر محیط ہوگی۔

ہم اس بارے میں بڑے پُر امید ہیں کہ ایک وقت آنے والا ہے۔ جب پوری انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے گی۔

تاریخ کا ایک صفحہ

جاہلیت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی ایمان کی!
دونوں کی تاریخیں آدم اور ان کی اولاد سے شروع ہوتی ہیں!
دونوں ہی کا مرکز طبیعت انسانی ہے کہ انسان گمراہی اختیار کر لے یا ہدایت؟ جاہلیت کی طرف جائے یا اسلام کی طرف آئے؟

وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَاO وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاO (الشمس:۷-۱۰)

''اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے درست کیا پھر اسے الہام کی اچھائی اور بُرائی۔ کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام ہو گیا وہ جس نے اسے گندہ کیا۔''

وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ O (البلد:۱۰)

''ہم نے انسان کو دونوں ہی راستے بتلا دیئے۔''

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًاO (الدہر:۳)

''ہم نے انسان کو راستہ دکھلا دیا۔ یا تو وہ شکر گزار بن جائے یا کافر ہو جائے۔''

جو کچھ بھی انسان زمین پر کرتا ہے۔ وہ اسی الٰہی قانون کے مطابق ہوتا ہے کہ اللہ نے انسانی سرشت میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ چاہے تو ہدایت کو اپنا لے اور چاہے تو گمراہ ہو جائے۔ انسان نے اپنی تاریخ میں کبھی بھی اس الٰہی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے اور نہ کبھی کر سکتا ہے۔

انسان کی تاریخ کبھی بھی دو حالتوں سے خالی نہیں رہی —— ہدایت اور گمراہی —— جاہلیت اور اسلام ——

انسانیت ہمیشہ سے ہی تغیر پذیر رہی ہے۔ تغیر اس معنی میں بھی ہوا کہ انسان ہمیشہ خوب سے خوب تر کی طرف رواں دواں رہا ہے اور تغیّر پذیری کی یہ صورت بھی وجود میں آئی کہ انسان اللہ کی ہدایت سے روگرداں اور اُس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہٹتا چلا گیا۔(۱) تغیر کی یہ دونوں صورتیں ہمیشہ معاشرے کی علمی اور مادّی ترقیات کے مناسب اور سوسائٹی کی اجتماعی اور اقتصادی زندگی سے متوازن اور پیوستہ رہی ہیں۔ لیکن ان تغیّرات کے باوجود انسانیت کے سامنے ہمیشہ دو ہی راستے رہے ہیں —— ہدایت اور گمراہی —— اسلام اور جاہلیت!

بہر کیف بتانا یہ مقصود ہے کہ جاہلیت زمان و مکان کی بندشوں میں جکڑی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی وقت اور کسی بھی جگہ رونما ہوسکتی ہے اور جاہلیت کے وجود کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ جس معاشرے کی بنیادیں جاہلیت پر استوار ہوں۔ اس معاشرے میں سرے سے علم وفن اور تہذیب وتمدّن کا وجود ہی نہ ہو۔

یہ سمجھ لیجیے کہ ہدایت پوری کی پوری ایک جوہر ہے اور جاہلیت پوری کی پوری ایک جوہر ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہدایت اور جاہلیت دونوں ہی انسانوں کے تغیّر کے ساتھ تغیّر پذیر ہوتی رہتی ہیں اور معاشرتی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی طرف گامزن رہتی ہیں۔

ہدایت نام ہے اللہ کی معرفت اور اس کی اتباع کا۔

جاہلیت نام ہے اللہ کو نہ پہچاننے اور اُس کی ہدایت سے دور ہونے کا۔

اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات اور علم وفن، نیز انسانی عقل اور گرد و پیش کے لحاظ سے ہدایت اور جاہلیت دونوں ہی کی صورتیں نوع بہ نوع ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ صورتیں انسانی زندگی کے نظم ونسق اور اس کے مختلف گوشوں سے مرتبط بھی ہوتی ہیں۔

اقتصادیات ہو یا اجتماعیات، سیاسیات ہو یا علم وفن۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات میں ان دو کیفیتوں سے کبھی خالی نہیں ہوتے ہدایت اور گمراہی —— جاہلیت اور اسلام!

---

(۱) التطور والثبات فی الحیاة البشریة ''انسانی زندگی میں جمود وارتقاء''

اب یہ بات وضاحت سے سامنے آگئی کہ جاہلیت کا انسان کی کسی خاص معاشرتی کیفیت اور تاریخ کی کسی مخصوص صورت حال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت تغیّر کی ہر شکل اور ارتقاء کے ہر دور میں پائی جاسکتی ہے۔

اس کتاب میں تمام تاریخ کی ورق گردانی تو ناممکن ہے۔ البتہ ہم چند مثالیں بیان کریں گے۔جس سے وہ حقیقت بھی واضح ہوجائے گی جسے جاہلیت جدیدہ نے جان بوجھ کر اس لیے نظر انداز کردیا ہے تاکہ انسان کی عملی زندگی کا رشتہ اللہ سے منقطع ہوجائے۔

اللہ کا جو بھی دین اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ ضابطۂ حیات بن کر آیا ہے۔ دین نے عقیدہ اور وجدان کے بارے میں بھی گفتگو کی اور عمل کی صراط مستقیم بھی بتائی۔ دین ہمیشہ اجتماعیات، اقتصادیات اور سیاسیات، غرض زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے اپنا سارا زور دین و دُنیا کی دوئی اور تفریق پر خرچ کردیا تاکہ دین عملی دُنیا میں بے اثر ہوکر رہ جائے۔

تمام ادیان میں صرف ایک عقیدے کا پرچار کیا گیا کہ اللہ ایک ہے اور اللہ ہی معبود ہے ــــ عبادت کے مختلف طریقے تو متعین کیے جاتے رہے۔لیکن بنیادی عقیدے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

مگر اللہ کی شریعت اور اللہ کا قانون، انسانیت کی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر رہا۔ یہاں تک کہ اللہ کا قانون اپنی آخری صورت میں مکمل ہوگیا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدۃ:۳)

’’آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا ہے۔تمہارے اوپر اپنی پوری نعمتیں اُتاردی ہیں، اور تمہارے لیے اسلام کو بہ طور دین کے پسند کرلیا ہے۔‘‘

تاریخ کے تمام اَدوار میں ہدایت اور جاہلیت شانہ بہ شانہ چلتے رہے ہیں۔ جب بھی کبھی اللہ نے کوئی رسول بھیجا۔ اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوئی تو ہمیشہ یہی ہوا کہ کچھ لوگوں نے ہدایت کو قبول کرلیا اور جاہلی نظام کو چھوڑ کر اللہ کی ہدایت کا مقرر کردہ نظام اپنی زندگیوں میں نافذ کرلیا اور کچھ لوگوں نے اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی اور بدستور جاہلی نظامِ زندگی سے چمٹے رہے...

اس طرح ہدایت اور جاہلیت دونوں ہی اپنے مخصوص حالات سے بندھے ہوئے اور اپنے خاص ماحول کے مطابق رہے ہیں۔

وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاھُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَالۡمِیۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَھُمۡ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِھَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۚ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِہٖ وَ تَبۡغُوۡنَھَا عِوَجًا ۚ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ کُنۡتُمۡ قَلِیۡلًا فَکَثَّرَکُمۡ ۪ وَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۶﴾

(الاعراف:۸۵،۸۶)

’’اور مدین والوں کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے، تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہ نمائی آ گئی ہے لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو، اور (زندگی کے ہر راستے پر) رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دُنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔‘‘

یہ حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم کے لیے پیغام ہے جس میں عقیدہ بھی ہے اور شریعت بھی۔ عقیدہ بغیر کسی تبدیلی کے اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور شریعت کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ چناں چہ اقتصادی اصول بتاتے ہوئے فرمایا۔ ’’وزن اور پیمانے پورے کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو۔ اجتماعی اور سیاسی اصول بتاتے ہوئے فرمایا۔ ’’اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے اور (زندگی کے

ہر راستے پر) رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان والوں کو اللہ کے راستے سے روکنے لگو۔''

یہ تمام اصول اس اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی نظام سے ہم آہنگ تھے جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے۔

بعینہٖ اسی نظام اور اسی ماحول میں کچھ اللہ کے بندوں نے اپنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کو اللہ کی شریعت کے مطابق تشکیل کر لیا تھا۔ چناں چہ وہ مومن کہلائے اور اس معنی میں سلطان کہلائے جو لفظ کے حقیقی معنی ہیں۔

اور حضرت شعیب (علیہ السلام) ہی کی قوم کے کچھ افراد نے اللہ کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیلِ نو کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بدستور جاہلیت ہی میں رہے۔

گویا اسلام اور جاہلیت دونوں کا نظامِ زندگی معاشرے اور ماحول کے اس معیار کے مطابق تھا۔ جس میں وہ لوگ زندگی گزار رہے تھے۔

حضرت شعیبؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ تشریف لائے۔ حضرت موسیٰؑ کو ہدایت اور نور والی کتاب تورات عطا کی گئی۔ اس میں بھی وہی کبھی نہ تبدیل ہونے والا عقیدہ تھا کہ ''اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔'' اور ساتھ ہی اس وقت کے انسان کے ارتقاء کے مطابق شریعت بھی تھی۔ کہ کس طرح سوسائٹی اور حکومت کو منظّم کیا جائے۔ اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی اصول کیا ہونے چاہئیں؟ لین دین، نکاح و طلاق، اور جُرم و سزا کے کیا قانون ہیں؟

اسی مخصوص ماحول اور اسی خاص سوسائٹی میں کچھ بندے اپنی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کو اللہ کے قانون کے مطابق بنا کر مومن اور مسلمان ہو گئے۔ اور خود موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے دوسرے گروہ نے اپنی زندگی کی تشکیل اللہ کے قانون کے مطابق نہیں کی۔ اس لیے بدستور وہ جاہلیت کا شکار رہے۔

اسلام اور جاہلیت دونوں ہی کے نظامِ زندگی اس خاص ماحول کے مطابق تھے۔ جس میں اس وقت لوگ زندگی گزار رہے تھے۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے۔ انھیں انجیل عطا کی گئی۔ انجیل نے تورات کی تصدیق بھی کی اور ساتھ ہی تورات کے کچھ احکام بھی منسوخ کر دیئے۔ گویا انجیل تورات ہی

کے عقیدے اور قانون کی تکمیل تھی۔ اس مرحلہ پر بھی کچھ افراد ایمان لائے اور مومن و مسلمان کہلائے اور کچھ لوگوں نے انکار کیا اور وہ جاہلیت میں پڑے رہے۔

پھر دین کی تکمیل اور انسانیت پر اللہ کی نعمتیں نچھاور کرنے کے لیے اسلام آیا۔ گزشتہ تمام ادیان کی طرح اسلام میں بھی عقیدہ اور شریعت دونوں ہیں۔ عقیدہ اپنی جگہ پر قائم ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ تمہارا اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، لیکن شریعت اپنی اس آخری شکل میں آئی جس کا اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے مستقبل کے لیے ارادہ فرمایا تھا۔ اللہ نے اس شریعت کو انسانیت کی تکمیل کے لیے متعین فرمایا ہے اور اس کی تشکیل اس طرح کی ہے کہ زندگی کا ہر گوشہ اس میں آجائے اور انسانیت کے نمو وارتقاء کے ساتھ ساتھ شریعت اللہ بھی تا قیامِ قیامت جاری ہے۔

میں نے کسی دوسرے مقام پر انسانی زندگی میں جمود اور ارتقاء کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اسلام نے ان دونوں صورتوں میں کیا روش اختیار کی ہے اور یہ کہ انسانی زندگی کے لیے اپنے ہمہ گیر ارتقاء کے باوجود اسلام کے مفہوم اور اس کے قانون سے باہر نہیں ہوتی [1]

(یہاں دوسری کتابوں کے اقتباسات دینا مناسب نہیں ہے، لیکن جب یہ موضوع اس کتاب میں آئے گا تو ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔)

اسلام پر بھی کچھ لوگ ایمان لائے اور مومن و مسلمان کہلائے اور کچھ لوگوں نے انکار کیا۔ چناں چہ وہ اُس وقت سے آج تک جاہلیت پر برقرار ہیں۔

اسلام کی آمد سے لے کر اب تک کی چودہ صدیوں میں حیاتِ انسانی میں گوناگوں تبدیلیاں اور انقلاب رُونما ہوئے۔ لیکن لوگ ہمیشہ ہی دو گروہوں میں بٹے رہے۔ مسلمان اور جاہل... دونوں ایک ہی ماحول میں زندگی گزارتے رہے اور اس ماحول کے مقتضیات کو پورا کرتے رہے۔

جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اس کی ہدایت کو اپنا لیا۔ اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے قانون کی طرف رجوع کیا۔ وہ مسلمان ہوئے اور جنھوں نے نہ اللہ کو پوری طرح پہچانا۔ نہ اس کی ہدایت کو اپنایا اور نہ اس کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کیا وہ جاہل رہے۔

(جو مسلمان تقلیدی یا رسمی طور پر اپنے کو مسلمان کہتے رہتے ہیں وہ بھی جاہل ہیں)

---

(۱) انسانی زندگی میں جمود وارتقا میں ''اسلام اور انسانی زندگی'' کا باب مطالعہ فرمائیے۔

تاریخ کی ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانی زندگی کے صرف دو ہی ڈھانچے ہیں ہدایت اور گمراہی —— اسلام اور جاہلیت! سوسائٹی کی شکلیں خواہ کتنی ہی بدلتی رہیں۔ لیکن وہ ہدایت اور گمراہی اور اسلام اور جاہلیت سے خالی نہیں ہوسکتیں۔ کیوں کہ ظاہری شکل ہدایت اور جاہلیت کی نشان دہی نہیں کرتی۔ بلکہ طریقۂ کار سے تعیّن ہوتا ہے کہ سوسائٹی کا نقشہ ہدایت کے فریم میں نصب کیا گیا ہے یا جاہلیت کے؟ اس لیے نہ تو ہدایت انسانی زندگی کی کسی خاص کیفیت کا نام ہے اور نہ جاہلیت۔ دونوں ہی ابتدا سے لے کر انتہا تک انسانی زندگی کی ہر شکل میں موجود رہے ہیں۔

تاریخ کی مندرجہ مثالیں بحث کا اصل موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک طرح سے تاریخی ادوار کی وضاحت تھی۔ ہمارا اصل موضوع تو جاہلیت جدیدہ کی تاریخ بیان کرنا ہے۔ جاہلیت جدیدہ کب رونما ہوئی؟ کن حالات سے گزر کر بیسویں صدی میں اپنے شباب کو پہنچی؟ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے سہارے جاہلیت جدیدہ نے پوری موجودہ نسلِ انسانی میں صورِ اسرافیل پھونک دیا؟

آج ساری دُنیا پر یورپ کی حکمرانی ہے۔ اگر یورپ بذاتِ خود حکمراں نہیں ہے تو اس کی تہذیب اور اس کے تصوّرات وافکار ساری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ (اور امریکہ بھی دراصل یورپ کے توسّع کا ایک پرتو ہے۔)

یورپ کی تاریخ ایسی جاہلیت کی تاریخ ہے۔ جس کی کڑیاں باہم ملی ہوئی ہیں اور کہیں پر بھی سلسلہ ٹوٹتا ہوا معلوم نہیں ہوتا۔

پہلے یونانی اور رومی جاہلیت تھی۔

پھر قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت نے جگہ لے لی!

اور بالآخر جاہلیت جدیدہ آگئی۔ جو دراصل یونانی اور رومی جاہلیتوں کی طرف واپسی ہے۔ البتہ اس جاہلیت میں تھوڑا سا اضافہ ڈارونیت (Darwinism) نے کیا۔ جسے یہودیوں کی ہلاکت خیز ذہانت نے اپنے مقصد میں لگایا۔

اس کتاب کا اصل موضوع جاہلیت جدیدہ کو بیان کرنا ہے۔ اس لیے ہم عصورِ قدیمہ اور قرونِ عظمٰی کی تاریخ کا مختصر سا تذکرہ کریں گے تاکہ جاہلیت جدیدہ پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ ظاہر ہے

کہ وہ یک لخت تو رونما نہیں ہوگئی ہے۔ بلکہ یورپ کی تاریخ میں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔
اس بات کا یورپ کو بھی اعتراف ہے کہ جدید یورپی تمدّن کی اصل بنیادیں یونانی اور رومی جاہلیتیں ہیں۔ اگر چہ وہ اسے جاہلیت نہیں بلکہ تہذیب وتمدّن کہتے ہیں۔!
یورپ کو بہ خوبی اعتراف ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی تہذیب وتمدّن کا بڑا اثر ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب کا یہ مواد اپنے اندر اسلامی رنگ نہیں بلکہ یونانی اور رومی رنگ لیے ہوئے جب یورپ پہنچا تو اس پر مسیحیت کا ایک باریک سا غلاف چڑھ گیا۔ جو آہستہ آہستہ بوسیدہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں بالکل تارتار ہوگیا۔
اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت کا تذکرہ کرنے سے پہلے یونانی اور رومی جاہلیتوں کی کچھ خصوصیات ذکر کر دی جائیں۔
یونانی جاہلیت اپنے جلو میں فکروفن، فلسفہ، سیاسی نظریات اور علمی افکار کا ایک بہت بڑا ذخیرہ لے کر آئی۔
علمائے مغرب نے نشاۃِ ثانیہ کے دَور میں یونانی جاہلیت کا گہرا مطالعہ کر کے ایک وسیع لٹریچر فراہم کیا اور یورپ نے اپنے دورِ جدید میں تمام تر تہذیبی سرمایہ اس جاہلی لٹریچر سے حاصل کیا ہے۔
ہم لوگوں کے فکری سرمایے کی قیمت گرانا نہیں چاہتے اور نہ ہی ہمارا ارادہ ہے کہ یونانیوں کے فکری نقائص کا کوئی گوشوارہ بنا کر پیش کریں۔ بلکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یونانیوں نے انسانی زندگی کے بہت سے گوشوں کو نمایاں کر کے قابل قدر خدمات انجام دی تھیں۔ ان کی بدقسمتی یہ تھی کہ ان کے معاشرے میں کوئی ایسا معلّم موجود نہیں تھا جو اُنھیں اللہ کی ہدایت سے روگردانی کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی نشان دہی کر سکتا۔
ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یونانی معاشرے میں کہاں کہاں بگاڑ موجود تھا۔ کیوں کہ بگاڑ ہی جاہلیت کی اصل نشانی ہے۔ پھر چوں کہ جاہلیت جدیدہ نے یونانی جاہلیت سے کافی کچھ استفادہ کیا ہے۔ اس لیے یونانی بگاڑ کی وضاحت سے ہمیں جاہلیت جدیدہ کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔
ہم یونانیوں کو مطعون نہیں کر سکتے جو بغیر اللہ کی ہدایت کے زندگی کے معاملات میں

خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش اور جدو جہد میں لگے رہے۔لیکن ہم ان لوگوں کو ملامت کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔جنھوں نے جاہلیت جدیدہ میں اس سارے بگاڑ کو دوبارہ اپنا لیا۔

بے شک یونانی تہذیب کے بہت سے عناصر فائدہ مند بھی تھے۔ جیسا کہ مصری تہذیب، قدیم عربی تہذیب، ایرانی تہذیب اور چینی تہذیب... سب ہی تہذیبیں تھوڑی بہت خوبیوں کی حامل ہیں۔!

لیکن پھر بھی دو باتیں توجہ کی مستحق ہیں۔

اوّل: یورپ نے یوروپین تعصب کی بنا پر یونانی تہذیب کو عظیم تر ثابت کرنے میں اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یونانی تہذیب انسانیت کی ترقی کی وہ اوجِ کمال تھی ،جس کے پیمانہ پر وحی الٰہی کو بھی پرکھا جا سکتا ہے۔اور اس کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ تکذیب ہی کی جائے گی۔ کیوں کہ یونانی تہذیب سے بڑھ کر دُنیا میں کسی سچائی کا وجود نہیں ہے۔

دوم: ہم جو یونانی تہذیب کے بعض گوشوں کو اہمیت دیتے ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسے ہم مصری، ایرانی، ہندوستانی یا چینی تہذیبوں کے بعض گوشوں کو اہمیت دیتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان چیزوں کو مطلقاً کوئی قیمت دی جا رہی ہے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی قیمت کا حساب اسی زمانے کے لحاظ سے ہوگا اور یہ بھی مطلب نہیں کہ ہم ان تہذیبوں کے بگاڑ کو دوبارہ اپنا لیں۔جس بگاڑ کا شکار ہو جانے میں ان قوموں کے پاس تو کوئی عذر بھی ہو سکتا تھا لیکن ہمارے پاس —— جب کہ ہم جاہلیت سے روشنی کی طرف آ چکے ہیں —— کوئی عذر نہیں ہے۔

اس بنیاد پر ہم یونانی جاہلیت کے کچھ بگاڑ پیش کرتے ہیں۔اس جاہلیت نے اللہ یا دیوتاؤں اور انسانوں کے درمیان جنگ وجدل کا تخیل پیش کیا اور اس تخیل کو ذہن میں اچھی طرح پختہ کر دیا۔

تعدّدِ الٰہ جاہلیت کی ایک ایسی ہمہ گیر خصوصیت ہے کہ یہ ہر جاہلیت میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور پائی جاتی ہے —— الٰہ کبھی مادّی اور محسوس ہوتے ہیں اور کبھی معنوی اور غیر محسوس۔ کسی جاہلی معاشرے میں تعدّدِ الٰہ کا تخیل واضح طور پر پایا جاتا ہے اور کسی سوسائٹی میں یہ تخیّل پس پردہ اثر انداز ہوتا ہے۔ بہر کیف ایک جاہلی معاشرے میں تعدّدِ الٰہ کا تخیل ضرور موجود ہوتا ہے۔ البتہ یونانی جاہلیت اس میں الٰہ اور انسان کی کش مکش کے تخیّل کا اور اضافہ کرتی ہے۔

اس سلسلے میں زیادہ بہتر مثال پرومیتھیس کی پیش کی جاسکتی ہے جس نے مقدّس آگ چرائی تھی۔

پرومیتھیس یونانی صنمیات کا ایک کردار ہے جس سے زیوس دیوتا انسان کی تخلیق میں مدد لیا کرتا تھا۔ پرومیتھیس کو انسان پر رحم آیا اور اس نے انسان کو مقدس آگ چرا کر لا دی۔ اس پر زیوس دیوتا نے اسے سزا دی اور اسے زنجیروں میں باندھ کر تو قاز کے پہاڑوں پر ڈال دیا جہاں ایک گدھ سارا دن اس کا جگر کھاتا رہتا تھا اور رات کو اسے نیا جگر دے دیا جاتا۔ تا کہ آئندہ روز پھر گدھ کھاتا رہے اور اس طرح اسے سزا ملتی رہے اور زیوس دیوتا نے انسانوں سے مقدس آگ کا بدلہ لینے کے لیے ان کے پاس پانڈورا کو بھیجا جو زمین پر پہلا مؤنث کردار تھا۔ پانڈورا کے پاس ایک صندوق تھا۔ جس میں انسان کی ہلاکت کے لیے تمام بُرائیاں بھری ہوئی تھیں۔ جب پرومیتھیس کے بھائی ایپی میتھیس نے پانڈورا سے شادی کر لی تو اس نے صندوق کا ڈھکنا کھول دیا۔ ڈھکنا کھلنا تھا کہ ساری دنیا برائیوں اور آفتوں سے بھر گئی۔!

یہ ہے انسان اور اللہ کے رشتے کی نوعیت۔ انسان نے مقدّس آگ کو اس لیے چرایا کہ کائنات کے راز معلوم کر کے خود دیوتا بن بیٹھے اور دیوتاؤں نے اسے وحشیانہ سزائیں اس لیے دیں تا کہ ساری طاقت کا سرچشمہ انھیں کے پاس رہے۔(۱)

مغربی جاہلیت جدیدہ نے یونانی صنمیات کے بارے میں بہت کچھ موشگافیاں کی ہیں۔ خصوصاً اس کہانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جنگ انسان نے اپنے وجود کو ثابت کرنے اور زندگی میں اپنے کردار کو مثبت بنانے کے لیے لڑی تھی اور اللہ کی نافرمانی دراصل اپنے وجود، اپنے کردار اور اپنی ذات کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔

اس وقت ہمیں جاہلیت جدیدہ کی گرفت مقصود نہیں ہے، بلکہ ہمیں یونانی جاہلیت کے چند گوشے سامنے لا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یونانی جاہلیت کس طرح مغربی فکر پر اثر انداز ہوئی ہے۔

اگرچہ تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں تعدد الٰہ کا تخیل کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ ہی موجود رہا ہے۔ لیکن یونانی جاہلیت اس میں دیوتاؤں اور انسانوں کی کش مکش کا اضافہ کر کے ایک بھیانک بگاڑ کا شکار ہوگئی۔ یونانی جاہلیت نے انسان کے حق میں یہ لعنت مقدّر کر دی ہے کہ وہ اپنی ذات

---

(۱) منہج الفن الاسلامی۔

کے اثبات کے لیے عقیدے کو بھینٹ چڑھا کر اللہ سے جنگ کرے اور اس طرح انسان کو ضمیر کی اس کش مکش سے کبھی بھی نجات نہ مل سکے کہ اس کی فطرت اپنے وجود کو بھی ثابت کرنا چاہتی ہے اور اللہ پر ایمان بھی لانا چاہتی ہے۔

یونانی جاہلیت کا دوسرا بڑا بگاڑ یہ ہے کہ اس نے روح کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے عقل کو حد درجہ اہمیت دے دی۔ ان کے یہاں زندگی کے ہر مسئلہ میں عقل کا فیصلہ آخری سمجھا گیا۔ مغربی جاہلیت جدیدہ کہتی ہے کہ یونانیوں نے اس بات کی کوشش کی انسان کی بلندی اور اس کی ایجابیت کو ثابت کیا جائے۔ تا کہ اس طرح زندگی میں انسانیت کی قیمت گراں ہو سکے۔

بلا شبہ عقل انسانی ایک عظیم ترین طاقت ہے۔ جو اس کائنات میں انسان کے وجود، اس کی فاعلیت اور مؤثّریت ثابت کرنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ لیکن صرف انسانی عقل پر ایمان لانا ایک ایسا بگاڑ ہے جو بالآخر انسان کی قیمت گھٹا کر اسے صرف ''حیوان عاقل'' بنا دیتا ہے جیسا کہ یونانی فلسفہ بھی یہی کہتا ہے۔ حالاں کہ انسان حیوان سے بالکل ایک علیٰحدہ وجود ہے۔ انسان صرف اپنی عقل کی وجہ سے ہی بلند نہیں ہے۔ بلکہ اپنے تمام وجود میں بلند ہے۔ انسان ایک ایسی جداگانہ صورت و شخصیت کے لحاظ سے بلند ہے جو انسان کے علاوہ کہیں بھی نہیں پائی جاتی[۱]

عقل کو روح کے مقابلہ میں زیادہ مقدّس قرار دینے سے یونانی جاہلیت کے تمام بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔ جس بات نے عقل سے لگّا نہ کھایا۔ اس کو انھوں نے درج فہرست ہی نہ رکھا۔ ہر وجود کے ناپنے کا پیمانہ عقل ہی تھا۔ حتّٰی کہ اللہ کا بھی اسی قدر وجود قابلِ تسلیم تھا۔ جہاں تک عقل کی رسائی ہو سکے۔ اللہ کے وجود کو بھی عقل کے فریم میں نصب کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں[۲] رہ گیا اللہ کے وجود کا روحانی عرفان تو اس کا وجود یونانی جاہلیت میں بہت ہی کمزور سا تھا۔ (جیسا کہ جاہلیت جدیدہ میں ہے۔)

---

(۱) ''نفس انسانی کا مطالعہ'' دراسات فی النفس الانسانیۃ۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ وہ نگاہوں کا ادراک کر لیتا ہے۔'' اور ''بے شک وہ لطیف اور جاننے والا ہے۔'' ادراک عقل کے دائرہ میں رہ کر اللہ کی حقیقت جاننے میں یونانی فلسفہ بہت بھٹکتا رہا۔ لیکن ساری فکری تگ و دَو بے کار ہی ہوئی اور بے اثر ثابت ہوئی۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص صرف عقلی موشگافیوں سے اللہ پر ایمان نہیں لایا کرتا۔ نہ ہی موشگافیاں کسی مومن قوم یا بلند سوسائٹی کا سرمایۂ حیات بن سکتی ہیں۔

عقل کو اس قدر اہمیت دینے کی وجہ سے وہ تمام عقلی موشگافیاں وجود میں آئیں جن سے فلسفۂ یونانی بھرا پڑا ہے۔ جس نے جاہلیت وسطیٰ کے دور میں یورپ کی طاقت سلب کیے رکھی۔ حتّٰی کہ وہ مسلمانوں کے تجربی اسکول سے متاثر ہوئے اور اسے اپنا لیا۔ جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

اور اسی تعقّل پسندی کا شکار ہو کر اخلاق بھی ایک زندہ حقیقت ہونے کے بجائے ذہنی تربیت کا معمّہ بن کر رہ گیا۔

یونانی جمہوریت نے اگرچہ افراد کی مخصوص اجتماعی فضائل کے مطابق تربیت کی۔ لیکن عقلیت پسندی کی وجہ سے — مثال کے طور پر — جنسی بے راہ روی میں کوئی ضابطۂ اخلاق اُن کے پاس نہ تھا۔ اس لیے یونانی جمہوریت کامیاب نہ ہوئی۔

یہ یونانی جاہلیت کے چند بگاڑ ہیں۔ لیکن چوں کہ یونانی جاہلیت موضوع زیر بحث کا مرکزی نقطہ نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس کا تذکرہ چھوڑ کر چند ایسے حقائق کا استنباط کیے لیتے ہیں، جن سے جاہلیت جدیدہ یا کسی بھی جاہلیت کے سمجھنے میں مدد مل سکے۔

(۱) کسی جاہلیت میں کچھ خوبیاں اور چند فوائد کے حاصل ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جاہلیت کی زندگی کوئی اچھی زندگی ہے یا اس کی پیروی کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ ہر جاہلیت میں کچھ نہ کچھ خوبیاں اور تھوڑے بہت فائدے ہوتے ہی ہیں۔

(۲) کچھ خوبیوں اور چند فائدوں کے حاصل ہو جانے سے جاہلیت کی تاریکی چھٹ نہیں جاتی۔ کیوں کہ بالآخر جاہلیت میں ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جو ساری خوبیاں برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

(۳) جاہلیت کے بگاڑ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت اپنی نفسانی خواہشات پر چلتی ہے اور اللہ کی ہدایت کو نہیں جانتی۔ اور اگر جانتی ہے تو مانتی نہیں ہے۔

جس طرح یونانی جاہلیت میں عقل کو غیر معمولی اہمیت دی گئی، اسی طرح رومی جاہلیت نے اپنی سوسائٹی کی ساری تعمیر مادّے اور محسوسات کی بنیادوں پر استوار کی۔ رومی جاہلیت نے بھی دیگر تمام جاہلیتوں کی طرح انسانیت کے لیے کچھ مفید اشیاء پیش کی ہیں۔ اس جاہلیت میں سیاسی، حربی اور تمدنی نظم وجود میں آیا۔ مادّی وسائل کو رفاہی کاموں میں لگایا گیا۔ مدنیت فنّی حیثیت سے

وجود میں آئی۔ راستے اور پُل بنائے گئے۔ پانی کی ٹنکیاں اور ٹینٹو ایجاد ہوئی اور حمّام، تفریح گاہیں اور تھیٹر وجود میں آئے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جاہلیت خوبیوں اور بھلائیوں سے بالکل خالی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ خوبیاں اسے بگاڑ کا شکار ہونے سے نہیں روک سکتیں۔ بلکہ ہر جاہلیت کا آخری انجام ہلاکت ہی ہوتا ہے۔

رومی جاہلیت کا سب سے بڑا بگاڑ روح کے بالمقابل مادّے پر بالکلّیہ ایمان لانا ہے۔ ان کے یہاں اگر کسی چیز کا وجود ہے۔ تو وہ صرف مادّی وجود ہے۔ جو حواس خمسہ کے ذریعے محسوس ہو سکے۔ مگر جس کو حواس محسوس نہ کر سکیں اس کا سرے سے وجود ہی تسلیم نہیں۔ اگر کر بھی لیا جائے تو بہت ہی نکمّا اور بے جان سا۔ یہی وجہ ہے کہ رومی جاہلیت میں عقیدہ کا وجود انتہائی بے جان ہے۔

رومی جاہلیت کا ایک بڑا بگاڑ حِسّی لذتوں کو بہت اہمیت دینا ہے۔ یہ لوگ نہایت غلط قسم کی لطف اندوزی میں مبتلا تھے۔ ان کی یہ لطف اندوزی جنسی لذتوں میں حدِ ابتذال سے گزر کر وحشت و بربریت میں داخل ہوگئی تھی۔ وہ ان وحشیانہ پسندیدہ کھیلوں میں خون بہانے اور عذاب دینے پر خوب خوش ہوا کرتے تھے، جن کے دیکھنے کے لیے لوگ کافی تعداد میں جمع ہوتے اور بڑی سخاوت سے روپیہ خرچ کرتے تھے۔ ان کھیلوں میں غلام خنجروں اور تلواروں سے مقابلہ کرتے۔ ایک دوسرے کے پیٹ پھاڑ دیتے، انتڑیاں باہر نکال دیتے اور اس طرح ایک دوسرے کا خون بہاتے تھے اور ان سب کاموں کی ان کو باقاعدہ تربیت دی جاتی تھی اور جب یہ کارنامے انجام دیئے جاتے تو رومیوں کے وحشی سرداران مناظر کو بڑی دل چسپی اور شغف سے دیکھتے تھے اور سب سے زیادہ خوشی اور لذّت انھیں اُس وقت حاصل ہوتی جب کوئی کھلاڑی موت کی آغوش میں چلا جاتا۔

رومی جاہلیت کا ایک بڑا بگاڑ ان کا مشہور انتظامِ عدل ہے، جس کے حق دار صرف رومی تھے۔ غلاموں کے لیے اس نظامِ عدل میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس مایۂ ناز نظامِ عدل و انصاف میں غلاموں پر فرائض تو مقرر کیے گئے تھے۔ لیکن ان کے حقوق کی کوئی فہرست نہ تھی۔ اور وہ تمام

غیر رومی قومیں جو تعداد میں رومیوں سے کہیں زیادہ تھیں اور عظیم تر رومی سلطنت میں بستی تھیں۔ وہ سب رومیوں کی غلام تھیں۔

قرون وسطیٰ کی جاہلیت ایک بگڑے ہوئے عقیدے کی جاہلیت تھی۔ ایک امریکی مصنّف ور یبرؔ اپنی کتاب ''مذہب وسائنس کی کش مکش'' میں لکھتا ہے:

''منافقین کی وجہ سے عیسائیت میں شرک وبُت پرستی داخل ہوگئی تھی۔ ان منافقین نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کر کے رومی امپائر میں (حالاں کہ ان کو مذہب سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ مذہب کے معاملہ میں مخلص تھے) بڑے بڑے مناصب حاصل کر لیے تھے اور خود کانسٹینٹائن کا بھی یہی حال تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی ظلم اور گناہوں میں گزار دی اور سوائے آخری چند دنوں کے کبھی کنیسہ کے مذہبی احکام کی پابندی نہیں کی۔''

''اگر چہ کانسٹینٹائن کے بادشاہ بن جانے سے عیسائیوں کو بڑی طاقت ملی، لیکن وہ اپنے اندر سے بت پرستی کی جڑیں نہ نکال سکے۔ بس عیسائیوں کی تمام کوششوں کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسیحیت اور بُت پرستی کا آمیزہ تیار ہو کر ایک نیا مذہب وجود میں آ گیا۔ اس نقطہ پر اسلام عیسائیت سے قطعی مختلف ہے۔ کیوں کہ اس نے بُت پرستی کا بالکل خاتمہ کر کے اپنے عقائد کی اشاعت بغیر کسی میل ملاوٹ کے کی ہے۔''

''اس دُنیا کے غلام بادشاہ نے جس کے مذہبی عقائد کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اپنی ذاتی مصلحتوں اور عیسائی اور بُت پرستوں کی منفعتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان دونوں جماعتوں کا ایک آمیزہ تیار کر دیا۔ تعجب تو یہ ہے کہ پختہ عقیدہ عیسائیوں نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ اُلٹا یہ سمجھنے لگے کہ اگر جدید مذہب کو پرانی بُت پرستی سے غذا ملتی رہی تو یہ خوب پھول پھل جائے گا۔ اور آخر کار عیسائی بت پرستی سے چھٹکارہ پالیں گے(۱)''

صحیح عقیدہ میں جو بگاڑ قرون وسطیٰ میں پیدا ہوا۔ اس کے ثبوت کے لیے مغربی عیسائی مصنف کی یہ ایک شہادت ہی کافی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ بغیر تفصیل میں جائے ہوئے قرون وسطیٰ کی اس جاہلیت کے چند ''بگاڑ'' واضح کر دیں۔ حالاں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اس وقت کی زندگی مذہب کے

(۱) ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' مولانا ابوالحسن علی الندوی۔

زیر سایہ گزر رہی تھی۔ مسیحیت میں بھی اللہ کے تمام ادیان کی طرح عقیدہ بھی تھا اور شریعت بھی۔ انجیل میں زیادہ تفصیلات نہیں تھیں۔ بلکہ تورات کو بنیاد بنا کر بعض احکام میں تھوڑا بہت تغیّر وتبدّل کر دیا گیا تھا۔

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران:۵۰)

''میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی اور (اس لیے آیا ہوں) کہ میں حلال کر دوں بعض اُن چیزوں کو جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔''

بہرکیف مسیحیت نے چند قوانین میں تبدیلی کے بعد تورات ہی کو نافذ کر دیا تھا۔ لیکن جو کچھ ہوا اُس میں روح مذہبی قطعاً نہ تھی۔ باوجودیکہ قرون وسطیٰ کے یورپ میں کلیسا کو زبردست اقتدار حاصل تھا۔ پھر بھی قانون الٰہی صرف شخصی ''احوال'' (پرسنل لا) ہی میں نافذ العمل تھا۔ رہ گیا زندگی کا بڑا حصّہ تو اس میں خدائی قانون کے بجائے رومی قانون چلتا تھا۔ اگر آپ کا جی چاہے تو کہہ دیجیے کہ قدیم رومی جاہلیت کی حاکمیت تھی۔

لوگوں کے ذہنوں پر مذہب کا غلبہ ہونے کے باوجود، یورپ میں پائی جانے والی یہ دین ودُنیا کی آویزش قرون وسطیٰ کی جاہلیت کی سنگین علامت ہے۔

سوسائٹی میں کلیسا کے اثرات بڑے گہرے اور دور رس تھے اور لوگوں کے ذہن کلیسا کی عظمت سے مرعوب تھے۔ اس کے باوجود بھی زندگی کے سارے معاملات رومی قانون ہی سے طے کیے جاتے تھے اور اس طرح کلیسا نے اپنے اس غلط طرزِ عمل سے یونانی قانون کے توسّع اور ہمہ گیری کے لیے خاصے مواقع مہیّا کر دیئے تھے۔ دین ودُنیا کی دوئی ان کے ذہنوں پر اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ کاہنوں نے دنیا دوسروں کے حصّہ میں چھوڑ کر آسمانوں کی بادشاہت اپنے حصّہ میں لگا لی تھی۔ جنت میں وہی داخل ہو سکتا تھا جسے کاہنوں کی خوشنودی حاصل ہو۔ باقی سب محروم خیال کیے جاتے تھے۔

کلیسا کی گرفت معاشرے پر اتنی سخت تھی کہ اس نے دولت کے ساتھ ساتھ لوگوں کی عقل وروح پر بھی ٹیکس لگا رکھے تھے۔ لوگوں سے عشر وتاوان لیا جاتا۔ انھیں مجبور کیا جاتا کہ وہ کلیسا

کی زمینوں میں مفت کام کریں اور ان لشکروں میں جبری بھرتی ہو جائیں۔ جو کلیسا کے خلاف بغاوت کرنے والے بادشاہوں سے جنگ کیا کرتے تھے۔ کیا یہ انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت نہ تھی؟ جب مقدّس کاہن کسی راستے سے گزرتے تو لوگ ان کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے۔ کیا یہ انسانوں پر انسانوں کی پادشاہت نہ تھی؟ کلیسا کے پاس کچھ بے بنیاد علمی مفروضے تھے جنھیں وہ لوگوں کے ذہنوں میں ٹھونسا کرتا تھا اور جس نے ان مفروضات کے خلاف آواز اُٹھائی اسے پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ چناں چہ چروانو، برونو، کوپرنیکس اور گیلیلو نے ان بوسیدہ نظریات کو علمی انداز میں غلط ثابت کر دیا تو کلیسا نے ان مفکرین کو انتہائی سخت سزائیں دیں۔

مذہب کے نام پر جو جاہلیت قائم تھی۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی جاہلیت میں کافی دور تک چلی گئی۔ دیر اور خانقاہیں جو رہبانیت اور عبادت کے نام پر قائم کی گئی تھیں وہ برائیوں کے اڈّے بن کر رہ گئیں جس میں خود راہب اور راہبات ہر قسم کے اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتے تھے۔

وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ (الحدید:۲۷)

”اور رہبانیت جو انھوں نے ایجاد کر لی تھی وہ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔ مگر اللہ کی رضا مندی کے لیے (انھوں نے اختیار کر لیا تھا) لیکن انھوں نے اس کی پوری پوری رعایت نہ کی۔“

بالآخر تاریخ کے مشہور اور مضحکہ خیز مغفرت کے چیک (Indulgences) بھی جاری ہوئے۔ جس نے دین کو سنجیدگی و حقیقت سے خالی ایک مذاق بنا کر رکھ دیا۔

یہ تھے قرون وسطیٰ کی جاہلیت کے چند بگاڑ جو یورپ میں مذہب کے نام پر وجود میں آئی تھی۔

جاہلیت جدیدہ ان سب جاہلیتوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اس مجموعے میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

آنے والے ابواب میں جاہلیت جدیدہ کے نقوش کو اچھی طرح واضح کیا جائے گا۔ یہاں صرف اس کی تاریخی حیثیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیادیں فرض کر لیجیے کہ مذہب دشمن نہ تھیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔!

اور ایسا ہونا دراصل یورپ کے حالات کے مطابق بھی تھا!

قرون وسطیٰ میں یورپ اور اسلام میں صلیبی جنگیں ہوئیں!

باوجودیکہ اس وقت کا یورپ پوری طرح مسیحی نہ تھا۔ لیکن پھر بھی اسلام کے مقابلہ کے لیے تمام یورپ اُمڈ پڑا۔ اور ان جنگلوں میں اکثر و بیشتر وحشت و بربریت کا ثبوت دیا۔ تعصّب بذاتِ خود غلط دینداری کی دلیل ہے۔ کیوں کہ صحیح دیندار تعصّب کے بجائے اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر چلتا ہے۔

خواہ کچھ بھی ہو۔ یورپ کو اسلام سے ٹکراؤ کے وقت اللہ کے دین کے اپنانے کا جو ایک موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ بلکہ اپنی جاہلیت میں سرتاپا ڈوبا رہا۔

اس حد تک آ کے بھی بات ختم نہیں ہوتی...

کچھ محرکات گاڑی کو ڈھکیل رہے ہیں۔ لیکن آخر کون سے راستے پر؟

صلیبیوں اور مسلمانوں کا ٹکراؤ درحقیقت مغرب میں بنیادی تبدیلی کی پیش بندی تھا۔ جیسا کہ مغرب اور اندلس میں مسلمانوں اور یورپ کے لوگوں کی آمیزش نے یورپ کی تاریخ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

بریولٹ اپنی کتاب انسانیت کی تعمیر (Making of Humanity) میں لکھتا ہے:

> ''جدید دنیا پر عربی تہذیب (اسلامی تہذیب مراد ہے۔ جیسا کہ مصنّف نے آگے چل کر خود وضاحت کی ہے۔[1]) کا سب سے بڑا احسان علم ہے۔ لیکن اس کے نتائج بعد میں رونما ہوئے۔ جس عظیم جینئس نے اسپین میں عربی تہذیب کو جنم دیا تھا وہ ایک طویل وقت گزارنے کے بعد اپنے شباب کو پہنچی اور تنہا علم ہی نے یورپ کو حیاتِ نو عطا نہیں کی۔ بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے موثرات کارفرما تھے۔ جس اسلامی تہذیب نے اپنے افق کی پہلی کرنیں یورپ پر ڈالیں۔ یورپ کی ترقی کا کوئی

---

(۱) تاریخ کسی عربی تہذیب سے واقف نہیں ہے۔ رہ گئی اسلامی تہذیب تو وہ عربی نہ تھی۔ بلکہ براہِ راست وہ اسلامی تہذیب تھی۔ اس پر اسلام کی مہر تھی۔ عرب کی نشانی نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب میں جہاں اور بہت سی قوموں کا حصّہ تھا۔ وہاں عرب بھی حصّہ دار تھا۔

گوشہ ایسا نہیں ہے۔ جو اسلامی تہذیب سے متاثر ہوئے بغیر رہ گیا ہو۔ بلکہ اسلامی تہذیب نے تو کچھ ایسے محرکات بھی فراہم کیے ہیں۔ جس نے جدید دنیا کو اصل اور ممتاز ترین قوت عطا کی ہے۔ یعنی علوم طبیعیہ، اور علمی بحث کی روح۔''

صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے معاندانہ ٹکراؤ اور اسپین میں مسلمانوں سے مصالحانہ میل جول کا نتیجہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی شکل میں ظاہر ہوا لیکن بجائے اس کے کہ یہ نشاۃ اللہ کے راستے پر چلتی جو درحقیقت اسلامی تہذیب کی بنیاد تھی۔ اس نے نہایت تن دہی سے اسلام کا مقابلہ شروع کر دیا اور ساتھ ہی مذہب اور عقیدے کی آمیزش بھی شروع ہوگئی۔

اسلام سے جنگ (جو صلیبی جنگوں میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی) کی بنیاد ایک احمقانہ تعصّب کے سوا کچھ نہ تھی۔ البتہ دین سے جنگ کا جذبہ خود کلیسا کی حماقتوں کا نتیجہ تھا۔

کلیسا چاہتا تھا کہ لوگ جہالت میں مبتلا رہیں۔ اس لیے کہ اگر عوام نے علم حاصل کرلیا۔ اور انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ کلیسا کے پاس صرف دیو مالا اور صنمیات ہیں تو ظاہر ہے کہ لوگ کلیسا کی قیادت تسلیم نہ کریں گے۔ چناں چہ کلیسا عوام کو علم سے دور رکھنے کی کوششوں میں خود علم سے برسرِ پیکار ہوگیا۔

آزادی ظالم حکمراں کے لیے ہمیشہ خطرناک رہی ہے۔ اگر عوام ایک دفعہ آزادی کا مزہ چکھ لیں تو وہ کبھی بھی غلامی نہیں برداشت کر سکتے۔ خواہ وہ غلامی مذہب کے نام پر کیوں نہ ہو۔ چناں چہ کلیسا اپنی ظالم حاکمیت برقرار رکھنے کے لیے شجرِ آزادی کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ کلیسا میں ہر قسم کے گناہ ہوتے تھے۔ لیکن عوام سے وہ زہد و تقویٰ کا مطالبہ کرتے تھے۔

ان سب مظالم اور عوام کو کچلنے والی جاگیرداری کے ساتھ ساتھ عوام پر تاوان اور عشور کا بوجھ بھی تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جو بھی نشاۃ ثانیہ ہو۔ وہ بھی دین سے دُور رہ کر ہی ہوسکتی ہے۔ اگرچہ دین دشمنی کی بنیادوں پر نہ ہو۔ اور یہی درحقیقت ہوا بھی۔

نشاۃ ثانیہ غیر دینی (Secular) بنیادوں پر ہوئی اور آہستہ آہستہ دین اور عقیدے سے بالکل دور ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ مسیحیت سے پہلے کی دو بڑی جاہلیتوں (یونامی و رومی) کی طرف پلٹ گئی۔

اور سمجھا یہ گیا کہ ہم تاریکی سے روشنی میں آ گئے۔

واقعتاً تھی بھی روشنی جو عالمِ اسلام سے تاریک یورپ پر چمکی تھی۔ اس روشنی نے ان کی عقلوں کو خرافات سے چھٹکارا دلایا اور وہ کلیسا کی ذلیل اور ظالم پادشاہت سے نجات پا کر آزادی کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

لیکن یورپ نے یہ روشنی صحیح بنیادوں پر حاصل نہیں کی اور نہ ہی صحیح ہدایت سے وابستہ ہوا اور نہ اس اسلام کے راستے پر چلا جس سے یہ نور حاصل کیا تھا۔

یورپ تو اپنے اساتذہ سے بھی بدک گیا۔ جن سے علم حاصل کیا تھا۔ انہی اساتذہ کو اندلس سے نکالنے اور اندلس کو اپنی ظالم بادشاہت میں شامل کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف تحقیقاتی عدالتیں قائم کی گئیں۔

یورپ نے مسلمانوں سے علم سیکھا۔ تہذیب سیکھی اور نظریۂ آزادی حاصل کیا۔

مسلمانوں سے تجربی علوم حاصل کیے اور اُن پر اپنی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔

یورپ نے مسلمانوں سے ایک قوم بننا سیکھا۔ جب کہ ان کے یہاں علیحدہ علیحدہ جاگیرداریاں ہوتی تھیں اور ہر جاگیرداری اپنی جگہ پر ایک سرکش اور باغی طاقت ہوتی تھی۔ ہر قسم کے قانونی اور عدالتی فیصلے من مانی ہوتے تھے اور ہر جاگیردار اپنی جاگیر میں غلاموں کا اللہ اور رب الارباب بنا بیٹھا تھا۔

یورپ نے مسلمانوں سے آزادی کا سبق سیکھ کر انسان کی ذات اور اس کی شخصیت کو دم گھونٹنے والی آزادی سے نجات دلائی۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود رہی جاہلیت ہی! کیوں کہ اس نے اللہ کی ہدایت کو نہیں مانا۔ اور جو روشنی اس نے عالمِ اسلام سے حاصل کی تھی اس کا بھی رشتہ قدیم یونانی اور رومی جاہلیتوں سے ملا دیا بہرکیف یورپ کے ہاتھ سے اللہ کی ہدایت کو اپنانے کا موقعہ جاتا رہا۔

یورپ نے علم تمدّن اور آزادی حاصل کی اور ایک بلند اور عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی۔

لیکن یہ ساری تہذیب انہی ستونوں پر آ رہی جو اسے سہارا دے رہے تھے!

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ جاہلیت علم تہذیب وتمدّن اور مادّی ترقیات کے بالمقابل نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ سب باتیں موجود ہوتی ہیں اور قومیں پھر بھی جاہلیت کے اندھیاروں میں بھٹکتی پھرتی ہیں!!

یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جاہلیت میں کچھ فائدہ مند باتیں بھی ہوتی ہیں۔لیکن بہر حال ان سے جاہلیت کی تاریکی چھٹ نہیں جاتی اور نہ ہی جاہلیت ہلاکت اور تباہی سے بچتی ہے۔!

ہم بات کو جلد ختم کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم تو تاریخ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہتے ہیں۔

مذہب سے دوری اچانک رونما نہیں ہوئی۔ کیوں کہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ انسانی نفوس میں تبدیلی بہت ہی آہستہ آہستہ رونما ہوتی ہے۔ اور اگر یہ تبدیلی ایک ایک فرد میں علیٰحدہ علیٰحدہ آرہی ہو تو رفتار تبدیلی اور بھی سُست ہوتی ہے۔ کیوں کہ جماعتی ہم آہنگی افکار و مشاعر کو تیز رفتار گراوٹ سے بچاتی ہے اور ہر نئے خیال کے لیے ایک قسم کی روک ثابت ہوتی ہے۔

اس سے بحث نہیں کہ سوسائٹی کی عمارت خیر پر قائم ہے یا شر پر!؟

یہی وجہ ہے کہ یورپ صدیوں تک مسیحی بھی رہا اور بُت پرست بھی۔!

نشاۃ ثانیہ نے یونانی اور رومی جاہلیتوں سے استفادہ کیا اور جو مواد اسلامی تہذیب اور اسلامی علم سے حاصل ہوا۔اس کا رُخ بھی انہیں جاہلیتوں کی طرف کر دیا۔

اگر چہ عقیدہ لوگوں کے دلوں میں پیوست تھا، جس کی بنا پر وہ لوگوں کی ذاتی زندگی اور زندگی کے بعض گوشوں میں موثّر کردار بھی ادا کر رہا تھا لیکن پھر بھی آہستہ آہستہ زندگی کے ایسے معنی اور مفہوم چھاتے جا رہے تھے، جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس کے برعکس تھا۔

اس دوئی کے سائے تلے تحریک اصلاحِ مذہب پروان چڑھی۔ یہ تحریک مذہب کو بُرائیوں سے پاک کر کے زندگی میں اس کے اثرات زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتی تھی، لیکن ایسا ہونا ممکن نہ تھا اور نہ ہی فی الحقیقت ایسا ہوا۔ کیوں کہ مصلحین کا ذہن خود بھی مذہب اور زندگی کی دُوئی اور تفریق سے خالی نہ تھا۔ وہ خود بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ نماز تو کلیسا کی ہے لیکن زندگی کے معاملات میں اللہ کے قانون کے سوا کسی بھی قانون کی حکمرانی ہو سکتی ہے۔

اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ تحریکِ اصلاحِ مذہب کا اصلی محرک، مذہبی نہ تھا، بلکہ قومی تھا۔ سارا مدعا یہ تھا کہ اگر ہمارا کنبہ رومن کنبہ سے علیٰحدہ ہو جائے تو ہماری جُدا گانہ قومیت واضح ہو جائے گی اور یہ بات بجائے خود عقیدے کے خلاف ہے۔ کیوں کہ عقیدہ تو لوگوں کو اللہ کی وحدت کی بنیاد پر جمع کرتا ہے۔ رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت کو پارہ پارہ نہیں کرتا۔

انسانی سرشت ایک ایسی وحدت ہے جسے عقیدہ اور واقعیت میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔
انسانی زندگی بھی ایک ایسی وحدت ہے جو تصوّر اور عمل میں نہیں بٹ سکتی۔
اور اسی طرح اللہ کا نازل کردہ دین بھی ایک وحدت ہے۔ جس میں عقیدہ قانون زندگی سے اور وجدان حیات واقعی سے جُدا نہیں ہو سکتے۔

جس وقت تحریکِ اصلاحِ مذہب کام کر رہی تھی۔ عین اُسی وقت سرمایہ داری غیر دینی بنیادوں پر دُنیا میں انقلابات برپا کر رہی تھی۔ سرمایہ داری کی بنیادیں سود، دھوکہ اور فریب تھیں۔ محنت کشوں پر بے انتہا مظالم ہو رہے تھے اور ان کا خون چوسا جا رہا تھا اور دینی مصلحین وجدان کی اصلاح کے چکّر میں پڑے ہوئے تھے۔

خیر یہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ لیکن مذہب اور زندگی کی دوئی یورپ میں صدیوں چلتی رہی۔ مگر:

تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات کو محسوس کرنے میں غلطی نہیں کرے گا کہ زندگی کے تمام معاملات میں لادینی رجحانات ہی غالب طاقت تھے اور ان ہی رجحانات کے ماتحت یورپ آہستہ آہستہ دین سے دُور ہوتا چلا گیا۔

یہ تبدیلی بڑی آہستہ آہستہ آتی رہی۔ حتّٰی کہ انیسویں صدی اپنے دامن میں یورپ کی تاریخ کے عظیم ترین واقعات لیے ہوئے آ گئی۔

خاص طور پر دو واقعات نے تاریخ کا رُخ موڑ کر رکھ دیا۔

ڈارونیت ـــــ اور ـــــ صنعتی انقلاب

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈارونیت اور صنعتی انقلاب میں قرونِ وسطٰی کی باقی ماندہ عمارت ڈھانے کے بارے میں کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہو ـــــ یا یہ کہہ لیجیے کہ دونوں ہی قرونِ وسطٰی کی جاہلیت کے آثار مٹا کر ایک نئی بلند و بالا، جدید جاہلیت کی تعمیر میں لگ گئے۔

ڈارونیت نے افکار و نظریات کی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا اور صنعتی انقلاب نے عملی دُنیا میں عقیدے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

ڈارون ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۵۹ء میں اس نے اپنی کتاب ''اصل انواع''

"(Origin of Species)" اور ۱۸۷۱ء میں ''اصلی انسان'' "(The discent of man)" شائع کی۔

اس کے بعد پے در پے عقیدے اور فکر کی دُنیا میں حوادث رونما ہونے لگے۔ اور —— بوتل میں جو جن بند تھا وہ آزاد ہو گیا اور یہ جن تھا ——

فلسفۂ ارتقا ——!!

ظالم جن جس نے اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو توڑ پھوڑ کر مٹا دیا۔

میں نے اپنی کتاب ''جمود و ارتقا'' میں اِس ٹکراؤ کا ذکر کیا ہے جو ڈارونیت نے عقیدے کی دُنیا بلکہ سارے مغربی فکر میں برپا کر دیا تھا۔ تمام بحث کا تو یہاں دُہرانا مشکل ہے۔ صرف مختصر سا تذکرہ کیے دیتا ہوں۔

فلسفہ ارتقا جب ڈارون کے مطالعہ سے نکل کر تعلیم یافتہ لوگوں اور عوام تک پہنچا تو ان کو کوئی بھی شے ثابت نظر نہ آئی۔ حتّٰی کہ اللہ کا وجود بھی فلسفۂ ارتقا کی زد میں آ گیا۔

کلیسا اور ڈارون کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی۔ کلیسا نے ڈارون کو ملحد گردانا اور ڈارون نے کلیسا کو تنگ نظری اور جہالت کا طعنہ دیا۔ ابتدا میں عوام کلیسا کے ہمنوا رہے۔ کیوں کہ ایک تو مذہب کا چھوڑنا ان کے لیے مشکل تھا۔ دوسرے ڈارون نے انھیں ایک گندے کیڑے سے جا ملایا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد عوام ڈارون سے مل گئے۔ کیوں کہ اس کی تائید کر کے وہ اپنی گردنیں کلیسا سے چھُڑا سکتے تھے۔

اس جنگ کا اختتام فلسفۂ ارتقاء کی فتح اور مذہب کی شکست پر ہوا۔ اسی دوران صنعتی انقلاب نے زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور سوسائٹی کی شکل بالکل توڑ کر رکھ دی۔ تاکہ نئی عمارت قائم کی جا سکے۔

ایسی عمارت جس کا عقیدہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جس کی ہر بات دین سے برسرِ پیکار ہو۔

سرمایہ داری نے دین کی وصیتوں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، اس نے چوری بھی کی، لوٹا بھی اور قتل بھی کیا اور خون بھی بہائے۔ لوگوں کو ان کی سادہ زندگی سے دور لے گئی۔ تاکہ آسائشات کو فروخت کر کے مزید نفع حاصل کیا جا سکے۔ سرمایہ داری نے عورتوں کو ایک لقمہ کی تلاش میں گھروں سے نکالا اور اس ایک لقمہ کے عوض اس کے اخلاق کو برباد کیا۔ پھر انھیں مزدوروں کی ہڑتالیں ختم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ کیوں کہ مزدور سرمایہ داروں کی غلامی، اور معمولی

اُجرت پر اپنا خون پسینہ بہانے پر انتہائی ناخوش تھے۔ سرمایہ داری نے نوجوان مزدوروں کو ان کے گھروں سے دور کام پر لگایا اور ان کے اخلاق کو برباد کیا اور فحاشی کے ذریعہ اُن کی 'مالی مشکل' کا حل پیش کیا۔

اسی طرح سرمایہ داری نے ہر عقیدہ اور ہر قسم کے اخلاق کو شکستہ کر دیا۔ یہ سارا قصّہ ڈارونیت اور صنعتی انقلاب پر آ کر ختم نہیں ہو گیا۔ کیوں کہ پس منظر میں کچھ شیطان بھی موجود تھے۔

بین الاقوامی یہودی تحریک اپنے عظیم خواب کو پورا کرنے کے لیے تیار تھی۔ اس کا خواب تھا۔ تمام انسانوں پر یہودیوں کی حکومت...غیر یہودیوں (Gentiles) پر یہودیوں کی حکومت!

تالمود کہتی ہے: ''غیر یہودی قومیں ان گدھوں کی مانند ہیں جنھیں اللہ نے اس لیے پیدا کیا ہے تا کہ اللہ کی محبوب قوم ان پر سواری کرے۔''

اور یہودیوں کی خفیہ تعلیم کہتی ہے۔ ''غیر یہودیوں کی غفلت کے منتظر رہو اور جوں ہی ان گدھوں کو غافل دیکھو فوراً دبوچ لو۔''

عالمی یہودی تحریک نے یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے لادینی ہونے پر بڑی بغلیں بجائیں۔ کیوں کہ نشأۃ ثانیہ کا لادینی بنیادوں پر قائم ہونا۔ درحقیقت مذہب کے خاتمہ کی پیش بندی تھی۔ مذہب ہی دراصل یہودی تحریک کا دشمن ہے۔ مذہب ہی ان شیطانوں کے مکر کا جواب ہے۔ ذرا مذہب کے بندھن ڈھیلے ہوئے اور شیطانوں کو گدھوں پر سواری کا موقعہ ملا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ (الحجر:۴۲)

''میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چل سکتا، ہاں وہ لوگ جو گمراہی میں پڑ گئے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَo (النحل:۹۹)

''شیطان کا ان لوگوں پر بس نہیں چلتا جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے رب پر بھروسہ کیا۔''

اور فرماتا ہے:

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۠

(النحل:۱۰۰)

''شیطان کا بس ان لوگوں پر چل سکتا ہے، جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔''

شیطان کی مددگار اور شیطان کی دوست عالمی یہودی تحریک موقع کی منتظر رہی، حتّٰی کہ دو عظیم تاریخی واقعات نے اس کی مشکل حل کردی:

ڈارونیت اور صنعتی انقلاب۔

ہوسکتا ہے کہ ڈارون شیطان نہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا ارادہ انسانیت کے ساتھ بُرائی کرنے کا نہ ہو۔

ہوسکتا ہے کہ اس نے وہی باتیں بیان کی ہوں جن کو وہ صحیح خیال کرتا تھا۔ حالاں کہ اُس کے نظریئے میں بہت سی غلطیاں تھیں۔ جن سے خود جدید ڈارونیت نے پردہ اُٹھایا ہے۔ اگرچہ جدید ڈارونیت بھی انسان کی حیوانیت پر یقین رکھتی ہے اور یہ کہ علم نے انسان کو ایک مخصوص طبیعیاتی شخصیت دی ہے۔

ان تمام غلطیوں کے باوجود ہوسکتا ہے ان خیالات کی پیش کش میں اس کی نیت خراب نہ ہو۔ بہرکیف اس کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اس نے اپنے تمام نظریات کو دین سے علیحدہ کرلیا۔ وہ کہتا ہے کہ ''زندگی کے معنی میں اللہ کا دخل ایسا ہے جیسے کسی خالص میکانکی ڈھانچے میں کوئی خلاف طبیعت عنصر آجائے۔'' وہ کہتا ہے: ''طبیعت ہر مسئلے کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے۔''

لیکن یہودی شیطانوں میں تمام خباثتیں بھری ہوئی تھیں اور وہ جان بوجھ کر انسان کی تباہی پر آمادہ تھے۔

یہودیوں کے پروٹوکول میں ہے: ''ڈارون اگرچہ یہودی نہیں ہے، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں اس کی آراء کی اشاعت کر کے دین کا بھرم کس طرح ختم کرنا چاہیے۔''

پروٹوکول میں ہے: ''ہم نے ڈارون، مارکس اور نطشے کی کامیابی کا پروگرام بنالیا ہے کہ

ہم کس طرح ان کے خیالات کی اشاعت کریں گے۔ اصل میں ان کے علوم سے غیر یہودی فکر میں جو اخلاقی گراوٹ رونما ہوگی اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔''

عالمی یہودیت نے نظریۂ ارتقاء سے خوب اچھی طرح کام لیا اور اگر مغربی جاہلیت میں کوئی خوبی باقی رہ بھی گئی ہے تو وہ مارکس، فرائڈ اور ڈرکایم کے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ یہ تینوں دین کا مذاق اُڑاتے تھے اور اس کی شکل مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔

ڈرکایم کہتا ہے کہ مذہب غیر فطری امر ہے۔

مارکس نے کہا کہ مذہب قوموں کی افیون ہے اور مذہب تو چند کہانیوں کا مجموعہ ہے، جسے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے عوام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے گڑھا ہے اور اس طرح بے چارے عوام کو جنت کا لالچ دے کر اُنھیں زندگی کی محرومیوں سے غافل بنا دیا۔

فرائڈ کہتا ہے کہ مذہب انسان کی محرومی اور ناکامی کی پیداوار ہے۔ مذہب اس جنسی عشق کی پیداوار ہے جو لڑکا اپنی ماں سے کرتا ہے اور مذہب پیداوار ہے اس خواہش کی، جو لڑکے کو اپنے باپ کے قتل کی ہوتی ہے۔

بہر حال ان تینوں نے اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔

ڈرکایم کہتا ہے کہ جُرم خیالی چیز ہے اور نکاح فطرت کے خلاف ہے اور اخلاق کے بارے میں کسی نظام کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام باتوں کا دارومدار سوسائٹی کی عقل پر ہے، جو کسی مقام پر نہیں ٹھہرتی۔

مارکس کہتا ہے کہ اخلاق اقتصادی صورت کا عکس ہے اور یہ صورتِ حال ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

فرائڈ کہتا ہے کہ اخلاق ظلم کی نشانی اور انسانیت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔

یہ سازش اِسی مرحلہ پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس سازش نے عورت کو بھی گھر سے نکال دیا۔

مارکس نے کہا کہ عورتوں کو بھی کام کرنا پڑے گا۔

ڈرکایم کہتا ہے کہ شادی خلاف فطرت ہے۔

فرائڈ نے کہا کہ عورت کو اپنے جنسی وجود کی تکمیل کرنی چاہیے۔

یہودیت نے صرف نظریات میں تہلکہ مچانے پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ عمل کی دُنیا میں بھی

قدم رکھا۔ یہودیت نے جہاں ڈارون کے فلسفۂ ارتقاء کو اس طرح کام میں لگایا کہ خود ڈارون کے بھی خواب وخیال میں بھی نہ ہوگا۔ وہاں اُس نے صنعتی انقلاب کو بھی فساد کی راہ پر لگادیا۔

سرمایہ داری خود یہودیوں کی شیطنت ہے۔ جس سے یہودیوں نے اپنے جذبہ سود خواری کی تسکین کی۔

سرمایہ داری صرف نفع بخش اشیاء پیش نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا ایک کارنامہ سنیما بھی ہے۔ جو دراصل یہودی ذہن کی پیداوار ہے۔ جس کا مقصد جنسی مناظر دکھا کر نئی نسل کو تباہ کرنا ہے۔

غرض جتنے بھی لباس و زینت کے مراکز ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ جس عورت کو ڈارون نے عمل کے لیے گھروں سے باہر نکالا تھا۔ اُسے لوگوں کے لیے فتنہ بنا کر پیش کریں تا کہ لوگوں کے دل اس فریب میں مبتلا ہو جائیں اور ان کے عقائد کے بندھن ڈھیلے پڑ جائیں۔ اور ساری دُنیا ایک ایسا فحاشی کا اڈّا بن جائے جس میں مرد و عورت گندی خواہشات کے سمندر میں گردنوں تک ڈوبے ہوئے ہوں۔

ٹھیک اُسی وقت یہودی گدھوں پر کود سکیں گے اور اپنا عظیم شیطانی خواب پورا کر سکیں گے۔ جس خبیث خواب سے ان کی مقدّس کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

آخر کار جاہلیت ساری دُنیا پر مسلّط ہوگئی۔

یورپ جس میں جاہلیت کی نشو ونما گہری تاریخی بنیادوں پر ہوئی، وہ ہی پوری انسانیت پر حاکم ہے اور اسی کی جاہلی فکر تمام انسانوں پر چھائی ہوئی ہے۔

یونانی جاہلیت، رومی جاہلیت، قرون وسطیٰ کی جاہلیت، ڈارونیت اور صنعتی انقلاب کے زیر سایہ اُبھرنے والی مذہب دُشمن جاہلیت۔ ان سب جاہلیتوں کے مجموعہ کا نام جاہلیت جدیدہ اور بیسویں صدی کی جاہلیت ہے۔

اور یہ جاہلیت یورپ تک محدود نہیں رہی۔ کیوں کہ یورپ نے اپنی سامراجیت کے ساتھ جاہلیت کو دُنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا۔ چناں چہ جاہلیت جدیدہ پوری دُنیا پر چھا گئی۔

جاہلیت کی تاریخ بیان کرنے کے بعد اب ہم جاہلیت جدیدہ کی علامات کا ذکر کرتے ہیں۔

جاہلیت جدیدہ کی علامات

تاریخ کی ہر جاہلیت میں کچھ ایسی مخصوص علامتیں ہوتی ہیں جو اسے دوسری جاہلیت سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ علامتیں درحقیقت اس سوسائٹی کی ہوتی ہیں جس میں وہ جاہلیت موجود ہوتی ہے یا اس اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی صورت حال کی ہوتی ہیں، جس میں وہ جاہلیت گھری ہوئی ہوتی ہے اور کچھ ایسی بنیادی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔ جو تمام جاہلیتوں میں بطور قدرِ مشترک پائی جاتی ہیں اور مجموعی حیثیت سے جاہلیت کے لیے ایک واضح علامت بن جاتی ہیں۔

آنے والی دو فصلوں میں ہم جاہلیت کے اس بگاڑ کو واضح کریں گے، جو نظریات اور واقعات کی دُنیا میں ظاہر ہوئے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ہم جاہلیت جدیدہ کی چند خصوصیات کا ذکر کریں گے، جس طرح ہم نے گزشتہ فصل میں یہ جائزہ لیا کہ جاہلیت جدیدہ کب پیدا ہوئی اور اس کا نمو وارتقاء کس طرح ہوا۔

کوئی بھی جاہلیت اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتی۔

یہ سب سے بڑی مشترک خصوصیت ہے جو تمام جاہلیتوں میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ وہ بنیاد ہے جہاں سے جاہلیت اُبھرتی ہے اور جس پر فکر وعمل کے سارے بگاڑ مرتّب ہوتے ہیں۔

صحیح عقیدہ وہ ہے جو انسان کو کائنات میں اُس کا صحیح مقام عطا کرے۔ اس کی لغزشوں کو درست کرے۔ اس کی صحیح سمت متعیّن کرے۔ اس کو طریق مستقیم کی راہ نمائی کرے۔ اس کے وجدان وسلوک میں ربط اور اس کے فکر وعمل میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ پھر یہ تمام امور ایک مکمل وحدت بن کر انسان کو صحیح سمت لے کر چلیں۔

اگر اس عقیدے میں ذرا سا بھی انحراف رونما ہوگا تو انسانیت کا ڈھانچہ اس طرح کانپ اُٹھے گا۔ جیسے مقناطیسی سوئی لرز کے رہ جاتی ہے۔ انسانیت کا ایک ڈھانچہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا، انسان مضطرب ہوجائے گا، اس کے فکروعمل اور وجدان وسلوک میں ہم آہنگی ختم ہوجائے گی۔ پھر انسانیت میں نہ تو وہ وحدت پیدا ہوسکتی ہے اور نہ اُسے امن وسکون نصیب ہوسکتا ہے۔ وہ امن وسکون جس سے انسان اسی وقت متمتّع ہوسکتا ہے جب اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور راستہ بھی صحیح ہو۔

جب عقیدے سے انحراف ہوا جاہلیت آموجود ہوئی۔

جاہلیت دراصل اللہ کی عبادت سے انحراف ہے۔ کیوں کہ عبادت انسان کے اس عقیدے کی تصویر ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ ہی اس کا حاکم ہے۔

اللہ سے انحراف کے بعد انسان اضطراب اور تفریق کا شکار ہوجاتا ہے۔ اضطراب فکر میں بھی ہوتا ہے اور عمل میں بھی۔ اللہ اور بندے کا رشتہ بھی مضطرب ہوجاتا ہے۔ انسان اور کائنات، انسان اور زندگی، انسان اور انسان۔ غرض سارے ہی رشتے جاہلیت کے ہمہ گیر بگاڑ کا شکار ہوجاتے ہیں۔

جب کبھی تاریخ میں اللہ کی عبادت سے انحراف ہوا۔ اس کے نتیجہ میں انسان کے آپس کے تعلّقات اور اس کے فکرونظر میں اضطراب ضرور رونما ہوا۔ عقیدہ ہی ان تمام امور کی تنظیم کرتا ہے خواہ انسان اس بات کو محسوس کرے یا نہ کرے۔ اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ اگر عقیدہ صحیح ہوگا تو پوری سوسائٹی کا ڈھانچہ درست اور مستقیم ہوگا۔ اور اگر عقیدہ مضطرب ہوتو یہ اضطراب زندگی کے رگ وریشہ میں سرایت کرجائے گا۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیجیے کہ زمین پر اللہ کی عبادت اور اضطراب وبے چینی ایک ساتھ کبھی رونما نہیں ہوتے۔

بے شک کبھی کبھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے۔ لیکن صرف عقیدے کا پایا جانا کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا وجود انسانیت کا فعال محرِک ہو اور پوری زندگی پر اثر انداز ہو۔ یہ نہیں کہ زندگی کے کسی حصّہ میں تو عقیدہ موجود ہے اور زندگی کا کوئی دوسرا حصہ عقیدے سے خالی ہے۔ بلکہ فکروعمل، تصوّرات اور واقعات پر پوری طرح چھایا ہوا ہو۔

اس کے خلاف سوسائٹی کی ہر صورت، خواہ اس میں عقیدہ پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ جاہلیت کی ایک شکل ہے اور سوسائٹی جاہلیت کے اس سارے بگاڑ کو بھگت کر کے رہے گی جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ کی سنّت ہے۔

جاہلی عرب اللہ کو پہچانتے تھے۔ اس کے وجود پر ایمان رکھتے تھے اور اس کی طرف متوجّہ ہوتے تھے۔ لیکن یہ توجہ درست اور صحیح توجہ نہ تھی۔

جاہلی عربوں کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

(لقمان:۲۵)

''اگر آپ اُن سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے کہ 'اللہ' نے۔''

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:۸۷)

''اور اگر آپ اُن سے کہو کہ خود اُنھیں کس نے پیدا کیا۔ تو وہ کہیں گے کہ 'اللہ' نے۔''

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ؕ (یونس:۳۱)

''آپ فرما دیجیے کہ تمھیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے۔ کیا وہ کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے۔ کیا وہ جو مُردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مُردوں سے نکالتا ہے اور کائنات کا انتظام کون کرتا ہے۔ وہ یقیناً کہیں گے کہ 'اللہ'!''

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَلاَ يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَo (المؤمنون:۸۴-۸۹)

''آپ فرما دیجیے۔ زمین اور اس کی تمام اشیاء کس کی ملکیت ہیں؟ وہ یقیناً کہیں گے۔ 'اللہ'۔ آپ فرما دیجیے۔ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ آپ فرما دیجیے۔ ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ یقیناً کہیں گے 'اللہ'۔ آپ فرما دیجیے پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ آپ فرما دیجیے کس کے قبضۂ قدرت میں ہر ایک چیز ہے کہ وہ بدلہ دیتا ہے لیکن اس کو بدلہ نہیں دیا جاتا۔ اگر تم جانتے ہو۔ وہ یقیناً کہیں گے اللہ۔ آپ فرما دیجیے۔ پھر تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔''

بہر کیف جاہلی عرب اللہ کو پہچانتے تھے اور اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی پادشاہی ہے۔!

لیکن ان کی جاہلیت یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح نہیں پہچانتے تھے نہ اللہ پر سچائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے۔ اور اس کو تن تنہا اپنے تمام معاملات میں حاکم بناتے تھے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام:۹۱)

''ان لوگوں نے اللہ کا بہت غلط اندازہ لگایا۔''

یہ لوگ اللہ کو پہچانتے بھی تھے اور ساتھ ہی بُتوں کی پوجا بھی کرتے تھے... یہ وجدانی اعتقاد کی خرابی تھی۔

اللہ کو پہچانتے بھی تھے اور اس کی شریعت کو نافذ بھی نہ کرتے تھے۔ اور نہ اللہ کو اپنے تمام معاملات میں اپنا حَکَم بناتے تھے... یہ اُن کی عملی خرابی تھی۔

اس اعتقادی اور عملی خرابی کی بنا پر وہ کافر تھے اور جاہل تھے۔ اور جس جاہلیت سے قرآن ڈرا رہا ہے وہ اعتقادی اور عملی خرابی دونوں کو شامل ہے۔

عقیدے کے معاملے میں ان کے اس بہانے کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا کہ وہ ان بُتوں اور دیوتاؤں کی بذاتِ خود عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو اللہ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہیں۔

اَلاَ لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ فِىۡ مَا هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (الزمر:۳)

’’خبردار دین خالص اللہ کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے اولیاء بنائے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کرنے کا وسیلہ ہیں۔ بے شک اللہ فیصلہ کرے گا کہ وہ کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔اللہ جھوٹے کافر کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

رہ گیا شریعت کا مسئلہ تو قرآن نے نہایت سختی سے بتایا ہے کہ عقیدہ اور شریعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر شریعت سے انحراف کرتے ہو اور زندگی کے کسی معاملے میں غیر اللہ کو حاکم بناتے ہو تو تمہارا ایمان ہی مقبول نہیں:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ وَكَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِيۡهَآ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ وَالۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ وَالۡاُذُنَ بِالۡاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالۡجُرُوۡحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنۡ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝ وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰىةِ ۖ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝ وَلۡيَحۡكُمۡ اَهۡلُ الۡاِنۡجِيۡلِ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْکُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلاَ تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ ط لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ط وَ لَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰکِنْ لِّيَبْلُوَکُمْ فِيْ مَآ اٰتٰکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَo وَ اَنِ احْکُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلاَ تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْکَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ط وَ اِنَّ کَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَo اَفَحُکْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ط وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَo (المائدہ: ۴۴-۵۰)

’’ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی جو مسلم تھے اسی کے مطابق ان یہودی بن جانے والوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور اسی طرح ربّانی اور احبار بھی اسی پر فیصلہ کرتے تھے۔ کیوں کہ انھیں کتاب اللہ کی حفاظت کا ذمہ دار بنا دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس اے گروہ یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور میری آیات کو زرا اور اسے معاوضے لے کر بیچنا چھوڑ دو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں۔ وہ ہی کافر ہیں۔ تورات میں ہم نے یہودیوں پر حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ۔ پھر جو قصاص کا صدقہ کرے تو وہ اس کے لیے کفّارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ہی ظالم ہیں۔ پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ کو بھیجا۔ تورات میں جو کچھ اس کے سامنے موجود تھا۔

وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی جس میں رہنمائی اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات میں سے جو کچھ اس وقت موجود تھا۔ اس کی تصدیق کرنے والی تھی اور خدا ترس لوگوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔ ہمارا حکم تھا کہ اہلِ انجیل اس قانون کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہ ہی فاسق ہیں۔ اور اے محمدؐ ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی۔ جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے۔ اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے مُنہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی ہے۔ اگر چہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک اُمّت بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے۔ اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس اے محمدؐ تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرّہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں۔ جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے مُنہ نہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں اکثر فاسق ہیں۔ (اگر یہ خدا کے قانون سے مُنہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالاں کہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

وَلاَ تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهُ لَفِسْقٌ ط وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ج وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ (الانعام:۱۲۱)

''اور جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ایسا کرنا فسق ہے۔ شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات اِلقاء کرتے ہیں۔ تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ لیکن اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو۔''

اِن آیات کے مطالعہ سے علم ہوا کہ عقیدہ اور شریعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا تو اللہ کے نازل کردہ احکام کو عملاً اپنی زندگی میں نافذ کرو۔ ورنہ تمہاری زندگی شرک اور جاہلیت کی زندگی ہے۔

اس لیے اللہ کی صحیح سچی معرفت اور اس پر صدق دل سے ایمان لانے کا تقاضا ہی یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں اُسی کو حاکم اعلیٰ مانا جائے کیوں کہ وہ ہی خالق و مالک ہے۔ اسی کی اطاعت کرنی ہے اور اسی کے قانون کی اتباع کرنی ہے۔

عقیدہ اور شریعت ایک ہی مبدأ سے پھوٹتے ہیں۔ اور ایک ہی انتہا پر مل جاتے ہیں۔ یہ مبدأ اور انتہا ہیں۔ اللہ پر ایمان —— اور اسلام!

جاہلیت کی پہلی علامت یہ ہے کہ یا تو سوسائٹی میں پکا سچا ایمان نہ ہو۔ یا زندگی کے کسی گوشے میں اسلام نہ پایا جاتا ہو۔ اس میں عقیدے اور شریعت کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

ہر زمانے، ہر سوسائٹی اور ہر قوم کی خواہشات مختلف رہی ہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ ایک ہی گروہ کی خواہشات ہوتی تھیں جن کے ذریعہ اس گروہ کے لوگ باقی تمام انسانوں پر حکومت کرتے تھے۔

ہمیشہ کسی ایک فرد یا جماعت نے اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے باقی لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھا۔ ایک اللہ کی شریعت خواہشات سے مبرا ہے۔ کیوں کہ اللہ کا انسانوں کے کسی گروہ کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

مَآ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّمَآ اُرِيۡدُ اَنۡ يُّطۡعِمُوۡنِ٥

(سورہ الذّاریات:۵۷)

''نہ میں اُن سے رزق چاہتا ہوں اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔''

تمام انسانوں کو اس نے برابر پیدا کیا۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے پرہیزگاری کے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مذکر و مؤنث سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک بزرگی کا مستحق وہ ہے۔ جو تم میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔''

اب یا تو اللہ کے قانون کا عملاً زندگی میں نفاذ ہے۔ جس کا نام اسلام ہے یا خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں جاہلیت کہلائے گی۔

جاہلیت کی تیسری مشترکہ خصوصیت ''طاغوت'' ہے۔

طاغوت اللہ کے بندوں کو اللہ کی عبادت اور اُس کے قانون کی اتباع سے روک کر اپنی عبادت اور اپنی خواہشات کی بندگی میں لگا دیتے ہیں:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓءُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ (البقرہ: ۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ اُن کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ اُنھیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔''

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (النساء: ۷۶)

''جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔''

''طاغوت'' ایک ایسی خصوصیت ہے۔ جو اللہ کے راستے سے انحراف کے بعد ضرور رونما ہوتی ہے۔

جب لوگ اللہ کی عبادت سے منحرف ہوجاتے ہیں۔تو وہ غیر اللہ کی عبادت شروع کر دیتے ہیں اور کبھی غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔اس وقت یہ معبودان باطل طاغوت بن جاتے ہیں۔ طاغوت خواہ ایک فرد ہو، یا ایک جماعت، عرف ہو یا تقلید، غرض جس قوت کے سامنے لوگ جھک جائیں اور اس کے احکام کی اتباع کیے بغیر اُنھیں کوئی چارہ کار نہ ہو، ایسی قوت طاغوت کہلائے گی۔

طاغوت خواہ کوئی بھی ہو۔ وہ نہیں چاہتا کہ لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی پوری پوری عبادت کریں۔ کیوں کہ جہاں وفاداری صرف اللہ سے ہو۔ وہاں طاغوت نہیں پنپ سکتا۔ وہ تو اسی وقت اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت سے منحرف کر کے ان پر اپنی خواہشات کی اتباع مسلّط کردے۔

اسی لیے طاغوت ہمیشہ صحیح عقیدے کا دشمن ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے وجود اور اپنی مصلحتوں سے وفاداری چاہتا ہے اور صحیح عقیدے کے ساتھ تمام تر وفاداری اللہ ہی کے لیے ہوجاتی ہے۔

جاہلیت کی چوتھی مشترکہ خصوصیت، لوگوں کا نفسانی شہوتوں کے سیلاب میں بہہ جانا ہے۔ یہ نفسانی شہوتیں اگرچہ فطرت میں پوشیدہ ہیں۔لیکن یہ خصوصیت بھی اللہ کے راستے سے منحرف ہونے کے بعد رونما ہوتی ہے۔

انسان نفسانی شہوتوں کی طرف مائل ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَالِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (آل عمران: ۱۴)

''لوگوں کے مرغوباتِ نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آیند بنادی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔''

ان تمام امور میں سے کچھ نہ کچھ تو بہر حال حیاتِ انسانی کے لیے ضروری ہے۔ اس خلافت کے فرض منصبی کے لیے بھی ضروری ہے جس کو انسان انجام دے رہا ہے۔

انسانی زندگی کے سارے محرکات، کھانا، پینا، رہنا، پیشہ اور جنس اس لیے ہیں، تا کہ انسان کو زندگی سے وابستہ رکھیں۔

لیکن جب یہی محرکات اپنی معقول مقدار سے بڑھ کر انسانی زندگی پر حکومت کرنے والی شہوت بن جائے۔ تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہ اپنا فطری عمل سر انجام نہیں دے سکتی۔ بلکہ انسانیت کے لیے تباہ کن اور اس کی طاقتوں کو پراگندہ کرنے والی بن جائے گی۔ ان کو خلافت کی ذمہ داری اور انسانیت کے بلند مقام سے گرا کر جانوروں اور شیطانوں کے مقام پر پہنچا دے گی۔

اللہ پر عقیدہ اور اس کی شریعت کے زیر سایہ قائم ہونے والا نظامِ زندگی ہی شہوات کو اپنی حدود میں محدود کر سکتے ہیں۔ اور انھیں انسان پر مسلّط ہو جانے سے باز رکھ سکتے ہیں۔[1]

انسانی زندگی کے صدیوں کے تجربات اس کی تائید کرتے ہیں کہ یا تو اللہ کی ہدایت کو اپنا لینا ہے، یا پھر شہوات کے سیلاب میں بہہ جانا ہے۔

اور شہوت میں پیش پیش جنسی شہوت ہوتی ہے۔!

اللہ کی ہدایت اور اُس کے خوف کے بغیر انسان کبھی بھی شہوات سے نہیں بچ سکتا۔

اگر انسان قانون سے ڈرتا ہے...تو جرم چھپا کر کر لیا جائے گا۔

اور اگر لوگوں سے ڈرتا ہے...تو اپنے گناہوں کو لوگوں سے چھپا کر کرے گا۔

لیکن جب تک کوئی اللہ سے نہ ڈرے وہ جُرم سے باز نہیں آ سکتا۔ کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ وہ اپنا گناہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔

ویسے تاریخی مطالعہ یہ بتلاتا ہے کہ جاہلیتیں خواہشات کو پوری طرح حرام نہیں گردانتیں۔ اس میں تمام جاہلیتیں برابر ہیں۔ خواہ وہ جاہلیت عربیہ ہو یا ایرانی جاہلیت، ہندستانی جاہلیت ہو، یونانی اور رومی، فراعنۂ مصر کی جاہلیت ہو یا بیسویں صدی کی جاہلیت، ان میں سے کوئی بھی جاہلیت فاحشات کو پوری طرح حرام نہیں قرار دیتی۔ اس کے اسباب مختلف ہیں...

---

(۱) نفس انسانی کا مطالعہ ''دراسات فی النفس الانسانیۃ'' میں محرکات کی فصل دیکھیے۔

کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ طاغوت اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلے کرے وہ طاغوت ہے ـــــ اپنے مفادات کی تکمیل میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے جنسی بگاڑ کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا اور نہ اس بگاڑ کو درست کرنے کی کوئی فکر کرتا ہے۔

کبھی خود طاغوت فاحشات کی اشاعت کرتا ہے۔ تاکہ وہ خود لذتِ حرام سے لطف اندوز ہو سکے، یا عوام کو ان کے اوپر ہونے والے ظلم سے غافل رکھنا مقصود ہوتا ہے ـــــ اور اللہ کے حکم کے خلاف ہر حکم ظلم ہے ـــــ تاکہ انھیں جنسی لذّتوں میں پھنس کر طاغوت کے محاکمہ کی فرصت نہ رہے۔

کچھ بھی ہو، جاہلیت اور شہوت کا سیلاب ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہیں یہ تمام خصوصیات تاریخ کی ہر جاہلیت میں پائی گئی ہیں۔

اور ان سب کی بنیاد اور اصل ایک ہی ہے ... اور وہ ہے ـــــ اللہ کی عبادت سے انحراف۔!

یہ سب جاہلیت کی مشترکہ خصوصیات ہیں اور کوئی بھی جاہلیت ان سے خالی نہیں ہے۔

عربی، ایرانی، یونانی، رومی اور فرعونی سب ہی جاہلیتوں میں یہ خصوصیات موجود تھیں۔ جیسا کہ وہ جاہلیت جدیدہ میں بھی موجود ہیں۔ سوائے اس کے کہ صورتیں مختلف ہیں، اور کبھی کبھی تو صورتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

جاہلیت عربیہ میں ایک اللہ کی عبادت سے انحراف تھا ـــــ عقیدے میں بھی اور شریعت میں بھی۔

ـــــ کیوں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ بتوں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ اور اللہ کے قانون کی جگہ جاہلی قانون وروایات کی حاکمیت تھی۔ لوگوں پر خواہشات مسلّط تھیں۔ طاقت ور کم زور کا حق مارتا تھا۔ انصاف بھی اس کے لیے تھا، جس کے پاس طاقت تھی اور قریش کے طاغوت کاہن اور پُرانی بگڑی ہوئی روایتوں کے زندہ کرنے والے، جس بات کو چاہتے حرام کردیتے اور جس کو چاہتے حلال کردیتے۔ یہی نہیں بلکہ ایک سال حلال رکھتے تھے تو دوسرے سال حرام کردیتے تھے[1] باطل

---

(۱) ''تاریخ کا ایک صفحہ'' ملاحظہ فرمائیے۔

احکام کے ذریعے لوگوں کو ذلیل کر کے ان کی گردنوں کے مالک بنے بیٹھے تھے اور شراب، عورتیں، جوا، قتل، لوٹ مار، بدلہ، سرکشی پر فخر اور ہر قسم کی شہوات اپنے شباب پر تھیں۔

آج چودہ صدیوں بعد بھی جاہلیت جدیدہ انہی بنیادوں پر قائم ہے۔

عقیدے اور شریعت میں اللہ کی عبادت سے انحراف اتنا نمایاں ہے کہ اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں۔ زندگی کے بہت سے حقائق میں عقیدے سے انحراف اور زندگی کے سارے مظاہر میں اللہ کے قانون سے انحراف ہے۔ انحراف ہی نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر الحاد ہے جو طاغوتوں نے زندگی پر مسلّط کر دیا ہے اور شیطانوں نے زندگی کے تمام حالات میں اس الحاد کو نمایاں کر دیا۔

رہ گئی خواہشات کی پیروی... تو تاریخ میں کبھی اتنی نہیں کی گئی ہوگی۔ جتنی آج کی جارہی ہے۔ ہر شعبے میں خواہشات کی پیروی ہے۔ خواہشات کی پیروی مشرق میں ہے۔ خواہشات کی پیروی مغرب میں ہے۔

ہر جگہ عقائد پارہ پارہ ہیں۔ ہر جگہ مقدّسات کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔ انسانی تصرّف کے سارے ضابطے اور اصول ٹوٹ کر رہ گئے ہیں اور وہم وگمان سے ماوراء عبث باتیں ایجاد کر لی گئیں...!

رہ گئے طاغوت... تو ان کی بھی کثرت کی کوئی انتہا نہیں۔ سرمایہ داری، پرولتاریہ، فاسد روایات، پائمال اقدار،... کیا یہ سب طاغوت نہیں ہیں؟

اور... رہ گئیں... شہوات... تو ان کے بارے میں تو کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے!

ان علامات وخصوصیات سے تاریخ کی کوئی بھی جاہلیت خالی نہیں ہے۔

تمام جاہلیتوں کی قدر مشترک معلوم ہوجانے کے بعد اب ہم جاہلیت جدیدہ کی خصوصیات کا ایک مختصر سا جائزہ لیں گے۔ تاکہ ہمارے ذہن میں اس جاہلیت کی مکمل شکل آجائے۔

درحقیقت جاہلیت جدیدہ کی یہ خصوصیات بھی اسی ایک بنیادی خصوصیت سے اُبھری ہیں یعنی اللہ کی عبادت سے انحراف! لیکن سوسائٹی، حالات اور علمی، سیاسی، اجتماعی اور فکری اقتصادی ترقیات (جو اللہ کے راستے سے ہٹ کر اور اللہ کے راستے سے دشمنی اختیار کر کے کی گئی ہیں) کی بنا پر جاہلیت جدیدہ کی صورت اپنی مخصوص نوعیت اور جداگانہ طرز کی حامل ہے۔

ہر جاہلیت میں مشترکہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ کچھ جداگانہ اور انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں۔

جیسے جاہلیت عربیہ میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنا، بعض کھیتوں اور جانوروں کو بلا سبب حرام قرار دے دینا:

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ یَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ○ وَ كَذٰلِكَ زَیَّنَ لِكَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِیُرْدُوْهُمْ وَ لِیَلْبِسُوْا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ○ وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ○ وَ قَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ (الانعام: ۶:۱۳۶-۱۳۹)

''ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصّہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے۔ بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے، وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا۔ مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ۔ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے اُن کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوش نما بنا دیا ہے تاکہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے۔ لہٰذا انھیں چھوڑ دو کہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کھیت اور یہ جانور محفوظ ہیں۔ انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں۔ حالاں کہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے۔ پھر کچھ جانور ہیں۔ جن پر سواری اور بار برداری حرام کردی گئی ہے۔ اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ اور یہ

سب کچھ انھوں نے اللہ پر افترا کیا ہے۔ عنقریب اللہ انھیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا۔ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مَردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام۔ لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں۔''

یونانی جاہلیت کا امتیاز عقل و جسم کی عبادت تھا۔ رومی جاہلیت کی امتیازی خصوصیت وحشیانہ مار دھاڑ کے کھیل کود تھے۔ ہندستانی جاہلیت کی خصوصیت تھی۔ بنوذین کا نظام اور فاحشہ عورتوں کا اپنی عزّت لُٹا کر عبادت گاہوں کی خدمت کرنا اور اس فحّاشی کو مذہبی کام خیال کیا جاتا تھا۔ مصری جاہلیت کی خصوصیت، فرعون کی عبادت اور اس کی خدمت میں قوم کا ذلّت سے ہم کنار ہو جانا ہے۔ اور قرونِ وسطیٰ کی جاہلیت کی خصوصیت کنیسہ کی سرکشی۔ دیر کی اخلاقی بے راہ روی اور مغفرت کے رقعے جاری کرنا ہے۔

اسی طرح جاہلیت جدیدہ کچھ مشترک خصوصیات رکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ اِمتیازی خصوصیات بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ یہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ وہ بلند علمی ترقیات جو انسانیت کو اللہ کی ہدایت سے گمراہ کرنے، اور اللہ کی مخلوقات کو شر اور اذیّت میں مبتلا کرنے کے کام میں لائی جا رہی ہیں۔

☆ سائنسی ایجادات اور مادّی ترقیات کے نشہ میں سرشار ہو کر انسان کا اللہ کے مقابلے پر اُتر آنا اور خیال کرنا کہ اب انسانیت کو اس ترقی یافتہ دور میں اللہ کی ضرورت نہیں رہی یا خود انسان ہی اللہ بن گیا ہے۔

☆ وہ علمی نظریات جنھوں نے اجتماعیات، اقتصادیات اور نفسیات، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی زندگی کو بگاڑ سے ہمکنار کر دیا ہے۔

☆ فلسفۂ ارتقاء

☆ عورت کی آزادی

اس فصل میں ہم جاہلیت جدیدہ کی امتیازی خصوصیات یا اس کی دیگر مشترکہ خصوصیات پر تفصیلی بحث نہیں کر رہے ہیں کیوں کہ آئندہ فصلوں میں یہ تفصیل آ رہی ہے۔ لیکن اس فصل کے خاتمہ پر ہم جاہلیت جدیدہ کا فتنہ بیان کرتے ہیں۔

اس جاہلیت کا عظیم ترین فتنہ یہ ہے کہ اس کی تائید کے لیے بے پناہ علم اور اس کے پاس لامحدود مادّی طاقت موجود ہے اور اس جاہلیت نے انسان کے لیے کچھ تہذیبی اور مادّی سہولتیں اور آسائشیں فراہم کردی ہیں۔ جو اپنی ظاہری شکل میں بڑی سودمند معلوم ہوتی ہیں۔

اسی وجہ سے ہم نے مقدمہ کتاب میں کہا تھا کہ جاہلیت جدیدہ زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور ہر اس جاہلیت سے زیادہ سخت گیر ہے جس کا کوئی تاریخی وجود رہا ہو۔

تمام قدیم جاہلیتوں میں باطل کا باطل ہونا صاف اور ظاہر ہوتا تھا۔

باوجودیکہ قدیم جاہلیتوں میں لوگوں کی عقل وضمیر پر جہالت کی حکمرانی ہوتی تھی اور ان کو باطل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا اور وہ یہ سمجھتے رہتے تھے کہ جس سچائی اور حق کی ان کو دعوت دی جارہی ہے وہ سراسر نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔

اس کے باوجود بھی ان جاہلیتوں میں نادانی، شر اور باطل کی مقدار کم ہی تھی اور جاہلیت سے ایک سخت جنگ اور کش مکش کے بعد آخری کامیابی ہدایت کو ہوجاتی تھی اور پھر لوگوں کو حق کے حق ہونے میں کوئی تردّد نہ ہوتا تھا۔

لیکن آج باطل نے علم کا سہارا لے لیا ہے اور علم ہی کو گمراہی کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اسی وجہ سے حق و باطل گڈمڈ ہوکے رہ گئے اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔

مادّی طاقت بھی فتنہ کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

باوجودیکہ ہر جاہلیت کسی نہ کسی رنگ میں مادّی طاقت کا سہارا لیتی ہے جس کے ذریعے طاغوت اپنے احکامات لوگوں پر مسلّط کرتا ہے اور لوگ طاغوت کے ہر فرمان کو بہ رضاورغبت یا بہ جبر واکراہ ماننے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ان احکامات کے خلاف زبان بھی ہلا سکے۔ بلکہ فضا اتنی مسموم ہوجاتی کہ ان طاغوتوں کے خلاف سوچنا تک مشکل ہوجاتا ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود قدیم جاہلیتوں میں مادّی طاقت کا ڈر، انتقام اور اس کی تنظیم آج کے ڈر، آج کے انتقام اور آج کی تنظیم سے بہرحال کم تھے۔

آج صرف دولت کی کثرت ہی نہیں ہے۔ آج صرف ہلاکت خیز اسلحہ ہی نہیں ہیں! آج ان کے ساتھ خبررسانی کے وسیع ترین ذرائع بھی موجود ہیں۔

اخبار، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن یہ سب مل کر انسانی ذہن اور ضمیر کو ایک خاص رُخ پر موڑنے کے لیے لگے ہوئے ہیں۔ حتّٰی کہ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ باطل ہی حق ہے۔ اور حق ایک طائرِ عنقا ہے، جس کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح اس جاہلیت کے کچھ ظاہری فائدے بھی ہیں۔

گزشتہ جاہلیتوں میں کوئی نہ کوئی بھلائی تو ضروری ہے اور کوئی بھی جاہلیت بھلائی سے بالکلّیہ خالی نہیں پائی گئی۔ کیوں کہ ایسا ہونا اشیاء کی فطرت کے خلاف ہے۔

انسانی سوسائٹی خواہ کتنے ہی فساد کا شکار کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن اس میں تمام کا تمام شر نہیں ہو سکتا کہ خیر کا نام و نشان ہی نہ ہو۔ البتہ بعض افراد پر شر اس طرح غالب آ جاتا ہے کہ ان میں خیر باقی نہیں رہتی۔

پوری سوسائٹی ہی اس قدر شر کی شکار ہو جائے کہ اس میں خیر کا کوئی عنصر باقی نہ رہے۔ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ ہر صورت میں اس میں کوئی نہ کوئی اچھی قدر ضرور موجود رہتی ہے۔ اور انسانی نفس کی اسی ایک باقی ماندہ خوبی کی بنا پر بدترین حالات میں بھی ہر جاہلیت میں کوئی ظاہری خوبی یقیناً ہوتی ہے۔ ظاہری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ حق کا سہارا نہیں لیتی۔ نہ ہی صحیح راستے سے اُبھرتی ہے۔ اسی لیے یہ ظاہری خوبی بھی عملی زندگی میں آ کر غیر مؤثر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ظاہری خوبی ہی لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ جاہلیت میں نہیں ہیں۔

وَ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ (الاعراف:۳۰)

''اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔''

جاہلیت جدیدہ کی یہ عظیم سرکشی، اللہ کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ انحراف سے پیدا ہوئی ہے۔ جتنا لوگ اللہ کی ہدایت سے دور ہوتے جائیں گے۔ طاغوتی طاقتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا...اور لوگ آج کی ہدایت سے اتنے دور نکل گئے ہیں کہ کبھی تاریخ میں انسان اللہ کی ہدایت سے اتنا دور نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے طاغوتی طاقتیں بھی تاریخ کی طاقت ور ترین طاقتیں ہیں۔

علم، قوت اور تنظیم اس زمانے کی خصوصیات اور عبقریات ہیں۔ ان آلات سے آج کے طاغوت کام لے رہے ہیں یہ طاقتیں اسی کے کام میں آ سکتی ہیں۔ جو ان کو اپنا محکوم بنا لے۔

مستقبل قریب میں انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا کر انہی طاقتوں سے بھلائی کا کام لے گی۔تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام۔!

جو لوگ جاہلیت جدیدہ پر فریفتہ ہیں۔وہ ذرا یہ غور کریں کہ اس جاہلیت نے ان کے حالات اور احساسات کو کس طرح برباد کر دیا ہے اور کس طرح بھلائی کے ہر موقعہ کو کھو دیا ہے کہ آج جاہلیت نے ان کو جو منافع پیش کیے ہیں مثلاً آسائشات زندگی، طبّی، اجتماعی اور عدالتی سہولتیں یہ سب تانبے کے چند سکّے ہیں جن کو طاغوت نے انسانیت کے راستے میں اس لیے بکھیر دیا ہے۔تا کہ وہ خود اپنا وجود برقرار رکھ سکے۔اور عوام اس کی طرف متوجہ رہیں اور وہ تن تنہا ہیبت ناک پادشاہی کے ساتھ لوگوں کی گردنوں کا حاکم بنا رہے۔

اس وقت لوگ محسوس کریں گے کہ وہ جاہلیت میں ہیں اور اس جاہلیت کو ختم ہو جانا چاہیے۔

آئندہ دو فصلوں میں ہم اس جاہلیت کے درج ذیل فساد کا ذکر کریں گے۔

☆ فکر کا فساد

☆ عمل کا فساد

فکر کا فساد

فکر کی دُنیا کا کوئی گوشہ جاہلیت جدیدہ نے ایسا نہیں چھوڑا جس میں فساد نہ برپا کر دیا ہو!
انسان کے تمام تصورات میں فساد برپا کر کے، اللہ، کائنات، زندگی اور خود انسان سے ان کا رشتہ منقطع کر دیا۔

ایک بہت بڑا بگاڑ ہے۔ اللہ کے تصوّر میں، اور انسان اور اس کے خدا کے درمیان تعلّق میں۔

کائنات کے تصوّر میں بگاڑ ہے، کائنات اور اللہ کے تعلق میں بگاڑ ہے۔ کائنات اور انسان۔

زندگی کا تصوّر اور زندگی کے تمام مقاصد بگاڑ کا شکار ہیں۔

نفسِ انسانی کے تصور میں بگاڑ ہے۔ انسان اور انسان کے تعلق میں بگاڑ ہے۔ خواہ یہ تعلق افراد کا ہو یا جماعت کا یا دو جنسوں کا۔

مختصر یہ کہ پوری انسانی زندگی ایک ہمہ گیر بگاڑ کا شکار ہے۔

جاہلیت جدیدہ جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں یورپ کی تمام قدیم جاہلیتوں کا مجموعہ ہے اور اس مجموعہ میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔

اس میں میراث شامل ہے۔ یونانی جاہلیت کی، رومی جاہلیت کی اور قرون وسطٰی کی جاہلیت کی۔ اور اس میں اضافہ ہے۔ یہودی اور اس کے متبع غیر یہودی مفکرین کی کاوشوں کا بھی۔

یورپ اللہ کی حقیقت کے تصور میں بہت بھٹکتا پھرا ہے۔

فلسفہ، علم اور حیات واقعی سب ہی میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ذات الٰہی اور اس کی

وحدانیت کے بارے میں یورپ کے عقیدے کا انحراف ہم زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کریں گے کیوں کہ ہم پہلے ہی اس سلسلہ میں وریبرامریکی کی کتاب ''سائنس اور مذہب کی کش مکش'' کا اقتباس نقل کر چکے ہیں، جس میں اس نے کہا ہے کہ کانسٹینٹائن نے بُت پرستوں کو خوش کرنے کے لیے نئے مذہب میں بہت سی باتیں بُت پرستی کی شامل کر دی تھیں اور اس کا خیال یہ تھا کہ اس طرح یہ لوگ بھی نئے مذہب میں شامل ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرون وسطیٰ کا مسیحی یورپ اور آج کا ملحد یورپ دونوں ہی اس شبہہ میں مبتلا رہے ہیں کہ مذہب خدا اور بندہ کے درمیان ہے۔ زندگی سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ عقیدہ انسانی قلب وشعور کی گہرائیوں میں کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن عملی زندگی عقیدے سے قطعاً متاثر نہیں ہوتی۔

اسے جاہلیت کا وہم ہی کہا جاسکتا ہے۔

عقیدہ ہی زندگی ہے! خواہ عقیدہ صحیح ہو یا غلط۔ وہ بہرحال تمام انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کوئی بھی شعور و عمل عقیدے کی گرفت سے باہر نہیں ہوسکتا۔

مذہب و زندگی، فکر و عمل اور عقیدے وشریعت کی یہ دوئی قرون وسطیٰ کے یورپ کی ایک بڑی جاہلیت تھی۔ لیکن کیا فی الواقع مذہب زندگی سے جدا ہو گیا۔؟ ہرگز نہیں!

جو بات فی الواقع وجود میں آئی اور جس کا وجود پذیر ہونا ضروری تھا۔ وہ یہ کہ فاسد عقیدہ یورپ کی تمام زندگی پر اثر انداز ہوا۔ اور آہستہ آہستہ ساری زندگی فساد کا شکار ہوتی گئی۔ حتّٰی کہ زندگی فساد سے لبریز ہوگئی۔!

زندگی عقیدے سے جدا ہو ہی نہیں سکتی۔

لیکن عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

عقیدہ صرف ضمیر کے وجدان کا نام نہیں ہے۔

بلکہ عقیدہ تو وہ ستون ہے جس پر پوری زندگی کی عمارت قائم ہے۔ عقیدہ ہی انسان و کائنات کا مرکز ہے۔ عقیدہ ہی انسان کے وجود کا مرکز ہے۔

سیدھے سادھے عام لوگوں کو مذہب صرف ضمیر کا وجدان محسوس ہوتا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں خود یہ عام لوگ جو اپنی عقلوں کو کم استعمال کرتے ہیں اور جو زندگی کی زیادہ گہرائی میں نہیں

جاتے۔ وہ بھی اپنے مذہبی رجحانات کے لحاظ سے زندگی میں ایک واضح موقف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعض باتوں کو قبول کر لیتے ہیں اور کچھ امور سے انکار کر دیتے ہیں، اور اسی کے ساتھ ہی یہ لوگ چیزوں کے باہمی ربط و تعلق کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو سراسر وجدان سے متعلق ہوتا ہے۔

اس لیے مذہب ان کے سیدھے سادے لوگوں کے دلوں میں بھی ایک واضح نصب العین ہوا۔

جاہلیت کے دور میں لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ مذہب لوگوں کی زندگی میں بہت کمزور سا ہے تو وہ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مذہب کا زندگی سے تعلق کمزور سا ہے اور یہ کہ زندگی عقیدے سے جدا اور مستقبل ایسے اسباب کے ماتحت چل رہی ہے۔ جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس قسم کا تصور خود جاہلیت کی نشانی ہے۔

جب مذہب کا اثر عملی زندگی میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ عقیدے میں فساد سرایت کر چکا ہے اور زندگی کی گاڑی طبعی رفتار پر نہیں چل رہی ہے اور یہ کہ زندگی ایک ایسے بگاڑ کا شکار ہو چکی ہے، جس کے نتائج عنقریب رونما ہو کر رہیں گے۔

جب مذہب کا اثر عملی زندگی میں کمزور پڑ جاتا ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت نہیں کر رہے ہیں یا عبادت کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں یا بجائے ایک اللہ کی عبادت کے اور بھی اللہ عبادت کے لیے چن لیے گئے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ صرف اللہ کے احکام کی پیروی کی جائے عملی زندگی میں انہیں خداؤں کے احکامات نافذ ہیں۔

یہ عقیدے کی سب سے پہلی خرابی ہے۔

تعدد الٰہ کی اس خرابی کا تمام جاہلیتیں شکار رہی ہیں۔

تعدد الٰہ جاہلیت کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اس کی وجہ سے عملی زندگی میں عقیدہ غیر موثر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ تعدد الٰہ کی بنا پر عقیدے میں وحدت و یگانگت نہیں رہتی۔ اس لیے اس کی سمت میں بھی وحدت نہیں رہتی اور اِس خصوصیت کی بنا پر جاہلیت اپنے حتمی اور یقینی نتائج

کو پہنچ جاتی ہے۔اگر چہ یہ نتائج بڑے آہستہ آہستہ رونما ہوتے ہیں اور لوگوں کو کافی وقت گزرنے کے بعد ان نتائج کا احساس ہوتا ہے۔

تعدّد الٰہ کا سب سے پہلا نتیجہ تو یہی ہوتا ہے کہ انسانی زندگی دو علٰیحدہ علٰیحدہ راستوں میں بٹ جاتی ہے۔ایک راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے اور دوسرا اللہ کے راستے سے ہٹی ہوئی عملی زندگی کی جانب! اور دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسانی ضمیر میں اقدار کی کشاکش شروع ہو جاتی ہے۔ ایک قدر اللہ کے قانون کے مطابق تو بلند مرتبہ ہے۔لیکن عملی زندگی میں وہ بالکل نکمّی اور بوسیدہ ہے۔دوسری طرف دوسری قدر ہے، جو اللہ کے دین میں حرام اور ممنوع ہے۔لیکن عملی زندگی میں اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔

انسانی فکر وشعور اس تفریق و پراگندگی سے اوجھل ہو جاتا ہے۔لیکن اس کا احساس بہت وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔

عملی زندگی عقیدے کی روشنی سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ یا یہ کہہ لیجیے کہ اللہ کے راستے سے ہٹ کر نئے الٰہ رونما ہو جاتے ہیں اور اللہ کے راستے پر فساد برپا کرتے ہیں۔

عملی زندگی خواہشات، طاغوت اور شہوتوں کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے۔اور فساد بڑھتے بڑھتے ہلاکت کے گڑھے میں ڈھکیل دیتا ہے۔ جب کہ اللہ کی عبادت ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور تمام زندگی پر الٰہ غالب آجاتے ہیں۔

یہ یورپ کا قصہ ہے اور اس قصّے کو پورا ہونے میں صدیاں لگی ہیں۔

یہ قصہ مذہب وزندگی کی دوئی سے شروع ہوتا ہے۔

نشأۃ ثانیہ نے مذہب وزندگی کے فاصلے میں مزید اضافہ کر دیا۔

قرون وسطیٰ کی جاہلیت میں یورپ والے حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کو نہیں سمجھ سکے: ''جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو اور جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو۔'' اور نہ حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کو سنا:

وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران:٥٠)

''اور میں اس تعلیم وہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے

اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے۔ اور اس لیے آیا ہوں کہ بعض ان چیزوں کو
حلال کردوں، جو تم پر حرام کردی گئی ہیں۔"

اللہ کی ہدایت سے اس انحراف کے کچھ تاریخی اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک مستشرق لیو پولڈ فالیس نے (جنھوں نے اسلام قبول کیا اور اپنا نام محمد اسد رکھا) اپنی کتاب "اسلام چوراہے پر۔" میں لکھا ہے کہ "مسیحیت کو اُس عظیم سلطنت پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا۔ جو اوّل قانون پر چل رہی تھی اور جس میں مذہب برائے نام ہی تھا۔ جب تیسری صدی میں کانسٹینٹائن نے مسیحیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت سے تسلیم کرلیا تھا۔ اس وقت بھی مسیحیت کا قبول کرنا صرف عقیدے کی حد تک تھا۔ رہ گیا قانون مسیحی تو اس کا کوئی سوال نہ تھا۔ بلکہ بسا اوقات عقیدہ بھی رومی بُت پرستی سے ملوّث ہوجاتا تھا۔ چہ جائیکہ قانون مسیحی!؟"

ان سب باتوں کے باوجود بھی لوگوں میں اپنے عقیدے کی کچھ نہ کچھ حمیّت تھی۔ اس لیے زندگی پر اس کا کچھ اثر بھی تھا۔

لیکن نشأۃ ثانیہ کے بعد تو ناپ تول کے پیمانے ہی بدل گئے۔ اب عقیدے میں کوئی کشش باقی نہ رہی۔ کیوں کہ جدید تحریک نے اپنے فکر وتصوّر کا معیار قدیم ایلسینی تہذیب کو بنایا تھا۔

چناں چہ اب کشش اللہ میں نہیں رہی، بلکہ مرکز کشش الٰہ بن گئے۔

اس کے دو بڑے سبب تھے۔ ایک واضح اور دوسرا پوشیدہ۔

واضح سبب تو کلیسا کی علم اور اہل علم سے جنگ ہے۔ کیوں کہ کلیسا کو ڈر تھا کہ علم کی وجہ سے اس کا اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔ جب علمی تحریک رونما ہوئی تو اُسے لازمی طور پر دشمن ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح فکری وتہذیبی نشأۃ ثانیہ بھی کلیسا دشمن تھی۔ کیوں کہ اس میں حرکت تھی۔ اس میں انقلاب تھا اور یہ سب کچھ کلیسا کی مرضی کے خلاف تھا۔

فطری طور پر نشأۃ ثانیہ کو زندگی پر غالب آنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ اس کا زندگی سے گہرا تعلق تھا۔ چوں کہ کلیسا نے نشأۃ ثانیہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اسی لیے منطقی طور پر عملی زندگی اور اس کے مذہب میں بُعد پیدا ہوتا چلا گیا۔

درحقیقت یہ وقت ایسا تھا کہ یورپ اگر چاہتا تو تمام خرابیاں دور کرکے اللہ کے راستے پر چل سکتا تھا۔ لیکن صلیبی تعصب کا شکار ہوکر یورپ نے اس موقعہ کو کھو دیا۔ چناں چہ مسلمانوں

سے ان کے علوم اور ان کے تجربات حاصل کیے اور ان کی تہذیب سے استفادہ کیا۔ لیکن جس اللہ کے راستے پر مسلمانوں کے سارے علم وفن کی بنیاد تھی۔ اسی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد ہی اللہ کے راستے سے انحراف پر رکھی گئی۔

یہ تو ظاہری سبب تھا۔

رہ گیا پوشیدہ سبب تو وہ قدیم یونانی جاہلیت کو اپنی تہذیب کا ماخذ بنانا ہے۔ مقدّس آگ کا چرانے والا پرومیتھیس یورپ کے جدید انسان کے لیے نمونہ ہے۔ اسی قسم کی تمام یونانی صنمیات نے یورپ کے ذہن پر یہ اثر چھوڑا ہے کہ وہ حصولِ علم کو خدا دشمنی پر محمول سمجھتے ہیں۔

ان کے ذہنوں میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ اللہ ـــ یا الٰہ ـــ انسان کی بھلائی کے خواہاں نہیں ہیں۔ اور یہ نہیں چاہتے کہ انسان کو معرفت حاصل ہو۔ بلکہ انسان کو یہ معرفت اللہ ـــ یا الٰہ ـــ سے زبردستی چھیننی پڑتی ہے۔

جولیان ہکسلے اپنی کتاب جدید دنیا کا انسان ''الانسان فی العالم الحوادث'' میں کہتا ہے:

> ''جہالت اور عاجزی ہی انسان کو اللہ کے سامنے جھکاتے ہیں۔ انسان کے علم و معرفت میں اضافہ ہونے کے بعد اس کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں رہی کہ وہ خدا کے بارے میں سوچتا پھرے۔ اب تو انسان اپنا خدا آپ ہے۔''

اس مرحلہ تک لوگ اچانک نہیں پہنچ گئے۔ کیوں کہ انسانی طبیعت بڑی آہستہ آہستہ کسی تبدیلی کو قبول کرتی ہے اور بالخصوص عقیدے کی تبدیلی کئی کئی صدیاں گزرنے کے بعد رونما ہوتی ہے۔

یورپ کے درمیانی دور میں فطرت (Nature) نے اللہ کی عبادت کی جگہ لے لی۔

اصل میں ''فطرت'' کی پرستش کلیسا سے بچاؤ کا ایک راستہ تھا۔ کیوں کہ کلیسا نے الٰہ کے نام پر ٹیکس اور تاوان لگا رکھے تھے۔ کلیسا لوگوں کو مجبور کرتا تھا کہ وہ کلیسا کی زمین پر مفت کام کریں اور کلیسا کے لشکروں میں بھرتی ہو جائیں۔

لیکن فطرت (Nature) کے نام پر جو نیا الٰہ تراشا گیا۔ اُس کا نہ کوئی کلیسا تھا اور نہ اس کے حقوق و فرائض۔

یہ نیا الٰہ لوگوں کے اس فطری جذبہ کی بھی تسکین کرتا تھا کہ وہ اپنے کسی نہ کسی خالق کے سامنے جھکنا چاہتے ہیں اوران کے اِس مقصد کی بھی تکمیل کرتا تھا کہ وہ کلیسا کے اس مذہب سے جان چھڑانا چاہتے تھے جو صدیوں سے ان پر مسلّط چلا آرہا تھا۔

جس زمانے میں فطرت (Nature) کے دیوتا کی پوجا ہو رہی تھی۔ اسی زمانے میں یورپ کے لوگوں کے دلوں میں اللہ بھی موجود تھا۔ جس کی طرف وہ اپنی خلوت میں لَو لگاتے، اور کلیسا میں اسی کی عبادت کرتے اور تھوڑے بہت اپنے مذہبی اخلاق وروایات پر بھی قائم تھے۔ لیکن یہ سب کچھ بطور عادت تھا قوت ایمانی نہ تھی۔

اسی طرح الٰہ چند در چند ہوتے گئے اور ان کے درمیان پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔

جب کلیسا میں نماز پڑھی جائے تو اللہ کی ذات محبوب سمجھی جائے اور اس سے ڈرا جائے یا نماز کے علاوہ زندگی کے کسی اور لمحہ میں اللہ کو مالک سمجھ لیا جائے۔

اور جب فنّی شعور کا مسئلہ ہو تو فطرت محبوب ہو اور اُس سے خوف زدہ ہوا جائے۔ کیوں کہ تحریک رومانیت نے نیچر کو بڑی اہمیت دے دی تھی اور ساری شاعری کو اس کے گرد گھما دیا تھا۔

علمی ترقیات میں بھی مرکزِ فکر نیچر قرار پائی۔ سائنس دانوں نے وہ قوانین طبیعت معلوم کیے جن کے سہارے ساری کائنات چل رہی ہے۔ ان قوانین طبیعت میں نہ تو عقلی لحاظ سے اختلاف کی گنجائش تھی اور نہ خود اس علمی منطق کے لحاظ سے جس نے ان نظریات کو جنم دیا۔

حکومت اور اُس کے قوانین تیسرا الٰہ تھے، جس کی عوام برضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اطاعت کررہے تھے۔

ایک دین تین الٰہوں میں بٹ گیا۔ جب کہ قرون وسطیٰ میں دو ہی الٰہ تھے۔ ایک عقیدے کا حاکم تھا اور دوسرا قانون کا۔!

اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ تبدیلی رونما ہوئی کہ اللہ کو بھلا دیا گیا اور فکر وعمل پر اللہ کے عقیدے کا اثر کم ہوتا گیا اور اللہ کی جگہ خود انسان نے لے لی۔

جاگیرداری ختم ہوگئی اور مشینوں کی ایجاد کے بعد ہی صنعتی انقلاب آگیا۔ جس کے ساتھ تصوّرات وافکار میں بھی انقلاب برپا ہوگیا۔

صنعتی انقلاب ایسی جاہلیت میں رونما ہوا۔ جس میں اللہ کی عبادت صرف ظاہری طور

پر ہوتی تھی۔ چناں چہ اس انقلاب نے نہ صرف یہ کہ جاہلیت کے اثرات کو خود قبول کیا۔ بلکہ جاہلیت کو مزید توانائی اور حرکت بخشی۔

ایک طرف اگر دیہاتیوں کے جذبات اللہ کے ساتھ وابستہ تھے ـــــ دوسرے الٰہ کے شرک کے ساتھ ـــــ کیوں کہ وہ غلّہ اُگانے والا۔ درختوں پر پھل لانے والا اور زمین کو آفات سے محفوظ رکھنے والا اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔

دوسری جانب جاہلیت کی حکمرانی میں رہنے والے لوگوں کا اللہ سے کوئی رابطہ ہی نہ تھا۔ صنعتی انقلاب میں ان لوگوں کا جاہلی خیال یہ تھا کہ اللہ صنعتی پیداوار نہیں کرتا۔ بلکہ انسان کرتا ہے۔ کیوں کہ انسان نے اپنے علم کی بنیاد پر مادّے کے خواص معلوم کیے ہیں۔ انسان ہی نے اپنے علم کے ذریعے پیداوار کرنے والی کلیں ایجاد کی ہیں۔ انسان ہی مشین کو حرکت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ انسان ہی خام مواد کو مصنوعات کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔

جب سب کچھ انسان ہی کرتا ہے تو بجائے اللہ کے عبادت بھی اسی صنعتی انسان کی ہونی چاہیے۔!

اس دوران میں طبیعت کی ساحری میں بھی پہلا سا اثر نہ رہا اور اس کی الوہیت بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگئی۔!

کیوں کہ ایک طرف توفنّی نقطۂ نگاہ سے فطرت مرکزِ خیال رہی جیسے دورِ رومانویت میں تھی۔ بلکہ اس عملی زندگی میں انسان ہی الٰہ جدید تسلیم کرلیا گیا۔!

دوسری طرف علمی نقطۂ نگاہ سے جب انسان نے فطرت کے رازوں کا پردہ چاک کردیا تو خود فطرت پر انسان کی بالادستی قائم ہوگئی۔

اسی طرح الوہیت اللہ سے ''طبیعت'' میں منتقل ہوئی اور طبیعت سے انسان میں آگئی۔

اس دَور میں انسان نے کہا:

''اللہ کی عبادت انسان کے لیے ذلّت ورسوائی ہے۔''

ایک سی غیبی طاقت کی عبادت کرنا جو اس سے محسوس نہیں کی جاسکتی۔ انسان کے لیے ذلت کا باعث ہے کہ وہ اپنے افکار اور اخلاق کا مرجع ایسی ہستی کو بنائے جس کو وہ دیکھ نہیں سکتا! انسان کے لیے ذلّت کا سبب ہے کہ انسان اساطیری قوانین کی اتباع کرے۔ جب کہ ان اساطیر

کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بھلا انسان کس طرح اندھا بن کر ان اساطیری قوانین کی اتباع کر سکتا ہے۔ جب کہ اس کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ وہ ان پر تنقید کر سکے یا اپنی رائے کا اظہار بھی کر سکے۔!

انسان اب اس بندھن سے آزاد ہو چکا ہے!

اب انسان ان خداؤں کی پرستش نہیں کر سکتا جن کی کم زوری و جہالت کے زمانے میں کرتا تھا۔ کیوں کہ اس وقت انسان کو کائنات کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ نہ ہی ماحول اور طبیعت پر اس کی حکمرانی تھی۔!

اب انسان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرتا پھرے۔ یا اللہ کے احکام سُن کر اُس کو بجالائے۔!

اب تو ضروری ہے کہ عقل انسانی ہر شے پر تنقید کرے۔!

جو بات عقل میں آجائے وہ صحیح اور درست ہے۔ اور جو بات عقل میں نہ آئے۔ وہ باطل اور گڑھی ہوئی کہانی ہے۔!

انسان اپنی زندگی کا خود ہی قانون ساز ہے۔ کیوں کہ انسان اپنی ضرورتوں اور اپنے بدلتے ہوئے حالات قرون وسطیٰ کے اس خدا سے زیادہ جانتا ہے۔ جس کے نزدیک حالات ابھی تک جوں کے توں ہیں۔

مناسب یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی خود ہی تعمیر کرے اور اس تعمیر میں کوئی اور شریک نہ ہو[1]

اس بگاڑ میں جب مزید اضافہ ہوا۔ تو وہ اپنے ساتھ انسان کی عبادت کو بھی بہا لے گیا!!

موجودہ جاہلیت کے اس آخری مرحلے کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم ان جاہلیتوں کے بچے کھچے آثار کی نشان دہی کریں جن کی بنا پر حقیقت الوہیت میں یہ تمام بگاڑ رونما ہوتے ہیں۔ یونانی جاہلیت کا اثر یہ ہے کہ اس نے انسان اور اللہ کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی کر دی تھی وہ آج بھی قائم ہے!

رومی جاہلیت کا اثر یہ ہے کہ آج بھی انہی حقائق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو حواس خمسہ کے

---

(۱) Man Makes Himself

ذریعے محسوس ہوسکیں۔ چوں کہ اللہ کا حواس کے ذریعے ادراک ہونہیں سکتا۔ اس لیے اس پر ایمان لانا بھی غیر ضروری ہے۔!

رومی جاہلیت ایک نئ شکل میں بھی سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ آج بھی عقل انسانی کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ وہ اللہ کی وحی کا تنقیدی جائزہ لے اور چاہے تو خود اللہ کے وجود پر بھی تنقید کرے۔

آج بھی رومی جاہلیت کا یہ اثر موجود ہے کہ اللہ اور انسان میں بدستور جنگ جاری ہے۔

نشأۃ ثانیہ کے ابتدائی دَور میں تو یہ جنگ کھلّم کھلاّ تھی۔ جاہل و کم زور انسان اللہ کے سامنے جھکتا تھا۔ جب وہ علم و طاقت حاصل کر لیتا تو اس کا مقام خدا سے بھی بڑھ جاتا اور خدا کا مقام اس کے مقابلے میں گر جاتا۔ پھر جوں جوں انسان علم حاصل کرتا گیا اس کا مقام بڑھتا گیا اور خدا کا مقام گرتا گیا۔ یہاں تک کہ انسان خود اپنی زندگی کا خالق بن گیا اور خود ہی اللہ بھی بن گیا۔ اور جب اللہ کے ساتھ طبیعت کی بھی عبادت شروع ہوگئ تو یہ کش مکش اللہ سے ہٹ کر طبیعت اور انسان میں شروع ہوگئ۔ کیوں کہ انسان طبیعت پر غالب آنا چاہتا تھا۔ اور انسان طبیعت کے راز چھیننا چاہتا تھا... جیسا کہ پرومیتھیس نے مقدس آگ چرائی تھی۔!

جب انسان خود ہی معبود بن بیٹھا۔ تو انسان اور انسان کے درمیان ایک سخت کش مکش شروع ہوگئ۔! یہ کش مکش تھی انسان عابد اور انسان معبود کے درمیان۔! یہ کش مکش تھی فرد کی جماعت کے ساتھ، فرد کی حکومت کے ساتھ۔ فرد کی سوسائٹی میں پائی جانے والی اقدار کے ساتھ اور فرد کی خود انسانیت ہی کے دوسرے فرد کے ساتھ!!

انسان اور انسان کی ان ہی کش مکشوں نے انسان کی عبادت کا خاتمہ کردیا۔

اس انسان نے یہ انکشاف کیا ہے کہ انسان اس زمین کا حقیقی اللہ نہیں۔ بلکہ اور بھی بہت سے اللہ ہیں۔ جن کا انکشاف مباحث علمیہ نے کیا اور یہ مباحث انسانوں کی کش مکش کا نتیجہ ہیں۔

کچھ اقتصادی، اجتماعی اور تاریخی ''حتمیات'' (Decistyes) وجود میں آگئی ہیں، جو انسان کی حاکم بن گئی ہیں۔

یہ حتمیات ایسی تقدیریں ہیں۔ جو انسانی زندگی پر غالب ہیں اور انسان کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔!

مارکس کہتا ہے:

"اجتماعی نتائج جو انسان کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ محدود قسم کے تعلقات ہیں جن کے بغیر چارہ کار نہیں اور جن میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ مادّی زندگی میں نتائج کا طریقہ کار ہی زندگی کی اجتماعی، سیاسی اور معنوی شکلیں متعیّن کرتا ہے۔ انسانی شعور ان شکلوں کو متعیّن نہیں کرتا۔ بلکہ یہ شکلیں انسانی شعور کا رخ متعیّن کرتی ہیں۔"

انجلز کہتا ہے:

"مادّی نظریہ کی ابتدا یہ ہے کہ پیداوار ہی ہر اجتماعی نظام کی بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی تغیّر رونما ہوتا ہے اس کا سبب پیداوار کا طریقۂ کار ہی ہوتا ہے۔ نہ کہ لوگوں کی عقل یا حق وعدل کی تلاش وجستجو۔"

حتمیات کے یہ دیوتا انسان کے فکر وتخیّل اور ان کے حق وانصاف کی طرف سبقت کی فطری صلاحیت کا خیال کیے بغیر ان کی زندگی کو اپنے رنگ میں لیتے ہیں... یہ ایسے دیوتا ہیں، جو انسانوں کے ضمیر پر لبیک نہیں کہتے اور نہ ان کے نفس کے ساتھ چلتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ ان کے ضمیر کی آواز کو سنتا، اور ان کے نفوس کی رعایت رکھتا ہے۔ بلکہ اتنی رعایت تو جاہلیت اولیٰ کے دیوتا بھی کرتے تھے۔ باوجودیکہ اس جاہلیت میں بہت بڑا بگاڑ پایا جاتا تھا اور انسان اور دیوتا کی وحشیانہ کش مکش بھی تھی۔ یہ دیوتا تو اپنی جبریت میں انسان کو ایک مشین کا پُرزہ بنا دیتے ہیں۔ جو مشین کے ساتھ اپنی حرکت کرنے پر مجبور ہے۔

اس طرح انسان اپنی عبادت میں پستیوں کی طرف گرتا چلا گیا۔ پہلے اللہ کی عبادت میں کچھ اور الٰہ کو شریک کیا۔ اس کے بعد نیچر پرستی کی۔ پھر انسان نے انسان کی پرستش کی جس کے نتیجے میں مہلک کش مکش برپا ہوئی، جس نے انسان کو ان ظالم، بے روح اور انسان کو ذلیل کرنے والے دیوتاؤں کی پرستش پر مجبور کر دیا جن کے دان میں "حتمیت" کی سختی اور ذلّت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کی جاہلیت بہت ہی بُری جاہلیت ہے۔!! اس سارے تنزّل کے پس منظر میں نہ کوئی منطق ہے نہ کوئی بصیرت ہے اور نہ کوئی سند!! کیوں کہ جب اللہ کے ساتھ شرک کے بگاڑ کی ابتدا ہوئی تو اس کے لیے بھی نہ کوئی سند تھی اور نہ کوئی تائید۔!!

جو اللہ کو پوری طرح پہچانتا ہو، وہ کبھی بھی شرک کو گوارا نہیں کرسکتا۔ یورپ میں جب عقیدہ پہنچا تو کانسٹینٹائن کے ہاتھوں اس میں رومی وثنیت کی آمیزش ہو چکی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ نے اللہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا بلکہ مسلسل جاہلیت کی راہ پر گامزن رہا، جس میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا گیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل کردہ شریعت چوں کہ رومی سلطنت کے مختصر حصے میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اس لیے اتنی وسیع سلطنت میں اس کو نافذ نہیں کیا جاسکتا تھا۔

یہ عذر ایک رُخ سے تو پردہ اُٹھاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ مسیحی تصور میں خود عقیدہ بھی صحیح نہ تھا۔ اگر عقیدہ صحیح ہوتا تو رومی سلطنت اس کا راستہ نہیں روک سکتی تھی جیسا کہ اسلام کے سامنے نہ عرب کی اندرونی طاقتیں ٹھہر سکیں اور نہ بیرونی۔ جب کہ بیرونی طاقتوں میں تمام رومی اور ایرانی سلطنتیں بھی شامل تھیں۔ کچھ بھی ہو۔ یہ سارے اسباب تفسیر تو کرسکتے ہیں۔ لیکن تائید نہیں کرسکتے۔ بلکہ دنیا کی کوئی شے بھی اللہ کے راستے سے انحراف کی تائید نہیں کرسکتی۔!

اصل میں یہ بنیادی بگاڑ ہی ہر قسم کے بگاڑ کا پیش خیمہ ہے۔ اگر نفس میں شرک کو قبول کرنے کی گنجائش موجود ہے تو شرک کے بعد تو سب کچھ آسان ہے اور جب یہ بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ گہرائی میں ڈھکیلتا اور مزید فساد کا موجب بنتا ہے۔

یورپ کی ابتدا ہی غلط ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اللہ کی ہدایت سے دور ہی ہوتا چلا گیا۔!

جب کلیسا نے اپنی حماقتوں سے برائیوں اور خرابیوں میں اضافہ کر دیا تو یہ یورپ کے عقیدے میں ایک نئے بگاڑ کا سبب بنا۔ جس نے بتدریج اس بگاڑ کو بیسویں صدی کی جاہلیت سے جا ملایا۔

یہ بھی تفسیر تو ہے۔ لیکن تائید نہیں ہے۔ کیوں کہ یورپ والے پہلے ہی سمجھتے تھے کہ کلیسا جو کچھ پیش کررہا ہے وہ حقیقی دین نہیں ہے بلکہ کاہنوں اور مذہبی لوگوں کی اپنی ہی تخلیق ہے۔ جس میں ایسے عقائد ہیں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں اور جن کے قبول کرنے سے ان کی عقلیں انکار کرتی ہیں لیکن بجائے اس کے کہ وہ کلیسا کے مسخ شدہ دین کا جوا اتار کر اللہ کے نازل کردہ صاف

سچے دین کی طرف پلٹ آتے۔ انہوں نے سارے ''دین'' ہی سے یہ کہتے ہوئے ہاتھ جھٹک دیئے کہ ''مذہب ہے ہی خرافات!''

بہرکیف یورپ کتنے ہی عذر پیش کرے۔ لیکن کسی سے بھی بچاؤ نہیں ہوسکتا۔

جب یورپ نے تاریک دَور کے شرک میں نیچر پرستی کا اضافہ کرلیا... تو اس بگاڑ کی کون تائید کرے۔ بلکہ یورپ کے روشن دماغ لوگوں نے شرک... کی جونئی شکل اختیار کی ہے۔ اس کا مفہوم کون سمجھائے۔

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ نیچر پرستی دراصل کلیسا کے ظالم اقتدار کے بچاؤ کا ایک طریقہ تھا۔

لیکن خود نیچر کیا چیز ہے؟

کوئی عقل مند آدمی اس تعقل پسندی کے دَور میں وہ یہ بات کیسے کہہ سکتا ہے۔ جو ڈارون نے کہی ہے کہ: ''نیچر ہر شے کی خالق ہے اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے۔''

کسی عقل و سمجھ رکھنے والے انسان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ نیچر کو ایک ایسی ہستی خیال کرے جو پوری کائنات پر حاکم اور اس کی تقدیر کی مالک ہے[1]؟''

آخر یہ عقل منداپنے آپ سے یہ سوالات کیوں نہیں کرتے کہ یہ نیچر جس کی وہ پرستش کررہے ہیں آخر ہے کیا؟ مخلوق ہے یا خالق؟ عاقل ہے یا غیر عاقل؟ اس نیچر نے اپنے آپ کو کیسے پیدا کرلیا؟ وہ قوانین کیسے پیدا کیے جن پر کائنات چل رہی ہے؟ یہ قوانین کائنات کو اپنی منشا کے مطابق کس طرح چلاتے ہیں؟ ان قوانین کو یہ ''حتمیت'' کہاں سے حاصل ہوئی کہ کائنات انہی لگے بندھے اصولوں پر چلتی رہے؟

پھر بتائیے کہ اس نئے معبود میں، جس کو ہر قسم کی قوت و طاقت کا سرچشمہ قرار دے دیا گیا ہے اور اس اللہ میں جس کو غیر معقول سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ کیا فرق ہے؟ جب یہ کسی غیبی قوت کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ تو یہ اپنے آپ سے سوال کیوں نہیں کرتے کہ نیچر غیب ہے یا مشاہدہ؟ اگر نیچر کے مظاہر آسمان، زمین، مادّہ اور شعاع کی شکل میں نظر آتے ہیں تو خود نیچر کیا ہے؟ نیچر کی اپنی حقیقت کیا ہے؟ وہ نیچر جس نے آسمان کو آسمان، زمین کو زمین اور مادّے کو مادّہ بنادیا ہے۔ کیا یہ نیچر ایسا غیب نہیں ہے جس کو حواس محسوس نہ کرسکیں۔؟

---

(۱) ڈارون کہتا ہے کہ ''نیچر تو اندھے کی لاٹھی ہے۔''

اور کیا اللہ بھی اسی طرح غیب نہیں ہے؟

ایسا غیب جو محسوس تو نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے مظاہر آسمان، زمین، مادّہ اور شعاع کی شکل میں ہمیں نظر آتے ہیں!؟!

یہ وہ عظیم ترین حماقت تھی جس میں یورپ کے روشن دماغ لوگ مبتلا ہوئے! پھر جب نیچر کی پرستش ختم ہوگئی اور اس کی جگہ خود انسان کی پرستش ہونے لگی تو انسان کی پرستش آخر کیوں ہوئی۔؟

کیا اس لیے کہ انسان نے علم حاصل کرلیا اور اس کی قوت میں اضافہ ہوگیا۔! اس بدترین جاہلیت سے ذرا چشم پوشی کیجیے۔! جاہلیت کی برائی کا یہ عالم ہے کہ یہ اپنے اُس خالق کو بھی پہچاننے سے انکار کرتی ہے، جس نے اسے علم عطا کیا۔ سبب صرف یہ کہ سرمایۂ علم ہاتھ آگیا! بجائے اس کے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اس عظیم عطاو بخشش پر اس کی جناب میں سجدۂ شکر بجالائے۔ انسان نے خود نعمت ہی کو اپنے لیے کفر ونفرت کا سبب بنالیا۔

تھوڑی دیر کے لیے اس جاہلیت سے درگزر کیجیے جو قدیم یونانی جاہلیت کے اس بگاڑ سے زہر آلود ہے کہ انسان اور الٰہ میں کش مکش ہے اور جب بھی انسان دیوتاؤں سے کچھ علم ''غصب'' کرلیتا ہے تو اس طاقت کے بل بوتے پر سرکشی اور نافرمانی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے ان سب باتوں سے درگزر کیجیے۔ ذرا دیکھیے آخر اس علم کی مقدار کیا ہے جس نے انسان کو سرکشی اور نافرمانی پر مجبور کردیا۔

ایک امریکی سائنس داں ماریت اسٹینلے کونگڈن اپنے مضمون ''گلاب کے پودے کا مطالعہ'' میں کہتا ہے:

> ''اگرچہ سائنس مشاہداتی حقیقتوں کا نام ہے لیکن یہ بھی انسانی تخیل، مطالعے اور نتیجہ اخذ کرنے کے مختلف طریقوں سے ضرور متأثر ہوتی ہے۔ سائنٹیفک مشاہدات اس حد تک تو قابل قبول ہیں۔ لیکن کمیّت کے میدان میں یہ بڑے محدود ہیں۔ ان کی ابتدا بھی احتمالات ہیں۔ اور انتہا بھی احتمالات ہیں۔ یقین کا کوئی واسطہ نہیں بلکہ تمام سائنٹیفک نتائج غلطی کے متحمل ہیں اور یہ کہ ان میں کسی وقت بھی تغیّر وتبدّل ہوسکتا ہے۔ وہ کوئی ہمیشہ رہنے والے ٹھوس اصول نہیں ہیں(۱)''

---

(۱) ''اللّٰہ یتجلّی فی عصر العلم'' اللہ اور سائنسی دور ڈاکٹر ومرداس عبدالمجید سرحان۔

یہ کسی مذہبی آدمی کا نہیں بلکہ ایک سائنس داں کا قول ہے! تمام انسانی علم احتمالات ہی کا مجموعہ ہے۔ یقین تو کہیں بھی نہیں خواہ تجربات اور آلات کی دُنیا میں کتنی ہی باریک بینی سے کام کیوں نہ لیا جائے۔!

ذرا علم کا میدان بھی دیکھیے۔!

ایک زمانہ ہوا کہ علم اِس بات پر مجبور ہو چکا ہے کہ اشیاء کی اصل حقیقت اور کنہ معلوم کرنے کے بجائے صرف اشیاء کی ظاہری ہیئت ہی معلوم کر لی جائے اور اشیاء کی اِس ظاہری ہیئت کے بارے میں بھی یہ سائنس داں کہتا ہے کہ یقینی نہیں ہے بلکہ اِس کی ابتدا اور انتہا سب ہی احتمالات ہیں! اصل علم کی بہ نسبت اس علم کی حقیقت ہی کیا ہے اور انسان اس علم کی بدولت کس فریب کا شکار ہو گیا ہے۔؟!

پھر اِس علم کی کیا حقیقت ہے۔ اس مقدار علم کے بالمقابل جو انسان حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ علم غیب آخر کہاں ہے، جس کی تلاش میں انسان ابتدائے آفرینش سے ہے اور ہزارہا برس سے اس کی یہی خواہش چلی آرہی ہے۔

بتائیے! انسان کو تو ابھی آنے والے لمحہ کا بھی علم نہیں ہے۔ ہر آنے والا لمحہ اور ثانیہ ایک ہزار پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہے۔؟!

یہ ہے انسانی علم کی پونجی!!

ہاں انسانی قوت وطاقت میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ انسان نے اپنے ماحول پر غلبہ پالیا ہے۔ انسان نے نیچر پر قدرت حاصل کر لی ہے۔ ایٹم ایجاد کیا۔ فضائے بسیط میں راکٹ چھوڑے۔ اب چاند تک پہنچنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

لیکن انسان جو قوت چاہتا تھا۔ وہ اس کو کہاں حاصل ہوئی۔؟

انسان تو موت سے بچاؤ، اور دائمی زندگی چاہتا تھا۔ یہی تو خواہش تھی جس پر شیطان نے آدم کو بہکایا تھا...اور یہی خواہش آدم کی اولاد میں آج تک موجود ہے۔

وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۝ وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۝ (الاعراف: ۲۰،۲۱)

''تمہارے رب نے جو تمہیں اس درخت سے روکا ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔''

بلکہ انسان تو بیماریوں سے بھی بچاؤ نہ کر سکا۔ آج بھی ایک ادنیٰ سا جُرثومہ جو صرف خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے، بڑے بڑے لاعلاج امراض کا سبب بن جاتا ہے۔

جولیان ہکسلے جس کے ذہن پر بیسویں صدی کی جاہلیت کی حکمرانی ہے۔ کہتا ہے کہ ''اللہ کی عبادت کے دو اسباب ہیں۔ جہالت اور عاجزی۔''

ہوسکتا ہے ایسا ہو، لیکن اس علم و طاقت کے دَور میں کون سی شئے ایسی ہے، جو اللہ کی عبادت کے چھوڑنے پر اکساتی اور اس کی تائید کرتی ہے۔

ہم اُس جاہلیت کی طرف دوبارہ آتے ہیں، جس کے سارے پیمانے اُلٹے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت اور کائنات کی بعض طاقتوں کی تسخیر کی قوت اس لیے عطا کی تھی کہ انسان میں غرور و تکبّر پیدا ہو اور وہ اللہ کی عبادت سے نکل جائے۔!

یہ لعنت مغربی فکر میں پرومیتھیس کی کہانی سے آئی ہے!

اس انسان کو دیکھیے، جس نے اللہ کے بالمقابل ہو کر کہا کہ مجھے کسی الٰہ کی ضرورت نہیں؟!

اس انسان نے کون سے گناہ نہیں کیے!؟

اس نے کہا۔ میں اپنا قانون خود بناؤں گا۔ کیوں کہ اب انسان غلامی سے آزاد ہو چکا ہے۔

اس نے کہا کہ میں اپنے عقائد اور مراسم خود ہی وضع کروں گا!

اس نے کہا کہ میں اپنا حاضر اور اپنا مستقبل اللہ کی راہ نمائی سے بے پرواہ ہو کر خود ہی تراشوں گا!

یہ سب شیطانی دھوکا و فریب تھا۔

اگر یہ شیطان کے کرتوت نہ ہوتے، تو انسان یہ کارنامے کیسے سرانجام دیتا؟ ساری زمین میں برائی کس طرح پھیل جاتی؟ ہر جگہ یہ ظلم و ستم کیوں ہوتے؟

ساری دُنیا میں یہ ذلیل غلامی کیوں ہوتی؟

کبھی سرمایہ کی غلامی! کبھی حکومت کی غلامی! کبھی فرد کی غلامی اور کبھی ہلاکت خیز شہوتوں کی غلامی!

ہرصورت میں غلامی اور ہر شکل میں ذلّت ہے!

دُنیا میں بُرائیاں اس قدر پھیل گئیں کہ ساری دُنیا بُرائیوں کا ایک ایسا گڑھا بن گئی، جس میں نوجوان آتے ہیں اور گرتے جاتے ہیں!

بھلا بتائیے۔ یہ جو متمدّن اقوام کے شفاخانے مجنونوں اور پاگلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آخراس کا سبب کیا ہے اوراس اختلال اور بے راہ روی کا آخر کیا انجام ہوگا۔ کیا فیشن پرستی، سنیما، ٹیلی ویژن کا جنون مہلک حد تک نہیں پہنچ چکا ہے؟ یہ سارے ہی بگاڑ اس انسان کے لیے مہلک ہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبّر کیا۔!!

انسان کتنا بدبخت تھا۔ جب اس نے اپنے بارے میں سوچا کہ وہ ''الٰہ'' ہے۔ اوراب وہ اللہ کی راہ نمائی اوراس کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے!! یہودی فکر نے انیسویں صدی میں جوالٰہ پیدا کیے اور جن سے غیر یہودیوں کے افکار مسموم ہو رہے ہیں... وہ ہیں اقتصادی، اجتماعی اور تاریخی حتمیات کے الٰہ۔! اور یہ الٰہ تاریخ کے مادی تعبیر میں ہر مقام پر موجود نظر آتے ہیں۔

آخر یہ حتمیات کیا ہیں؟

تاریخ کی مادّی تعبیر پہلے تو یہ کہتی ہے کہ انسان کی تاریخ دراصل پہلے تو دو روٹی کی تلاش اور جستجو کا نام ہے... اور یہ تاریخ کی پہلی حتمیت ہے۔

روٹی کی تلاش میں انسان نے کچھ اوزار بنا لیے۔ جو اس کی زندگی کو کشاں کشاں ایک دور سے دوسرے دور کی طرف ڈھکیلتے لے گئے۔!

پہلے پہل جو سوشلزم آیا اس میں انفرادی ملکیت کا کوئی وجود نہ تھا۔ پھر زراعت ایجاد ہوئی تو زمین اور ذرائع پیداوار کی ملکیت رونما ہوئی۔ اس کے بعد کے حصول کے لالچ میں ایک قوم دوسری پر حملہ آور ہوئی اور فاتح قوم نے مفتوح زمین کو غلام بنا کر اپنی زمین میں جبری طور پر کام لیا۔ جس سے جاگیرداری وجود میں آئی۔ پھر مشین وجود میں آئی تو اس کے ساتھ سرمایہ داری وجود میں آئی اور جاگیرداری ختم ہوگئی۔ پھر لازمی طور پر سرمایہ دار اور مزدور میں جنگ شروع ہوگئی۔ پھر حتمی طریقہ پر تاریخ کی دوسری اور آخری اشتراکیت رونما ہوئی اور انفرادی ملکیت پھر ختم ہوگئی۔

یہ ہے حتمیات کی مقرر کردہ انسانی تاریخ کا خلاصہ!

اور یہ طرزِ فکر صرف جاہلیت ہی کا ہوسکتا ہے۔!

تاریخ کی یہ مادّی تعبیر جو اللہ سے بیگانہ اور کائنات اور حیاتِ انسانی میں اللہ کی تدبیر سے بیگانہ ہوکر کی گئی ہے۔ یہ تو ایسی تعبیر ہے کہ جس کو آج کا روشن خیال اور آج کے جاہلی علوم کا جاننے والا بھی اپنے ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہیں کرسکتا۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ زندگی کی یہ ساری مادّی تعبیر صحیح ہے۔(حالاں کہ آپ کو ابھی معلوم ہوجائے گا کہ تعبیر درست نہیں ہے) پھر بھی انسان کے ارادے اور اس کے حالات سے بیگانہ تو نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ مارکس کہتا ہے۔

کیا انسان ہی زمین اور ذرائع پیداوار کا مالک نہیں بنا۔ جب کہ وہ پہلے مالک نہیں تھا۔ کیا زمین نے انسان سے کہا تھا کہ وہ اس کا مالک ہوجائے۔! کیا زمین نے انسان کا گلا دبایا تھا اور کہا تھا کہ اسے زمین کا مالک ہوئے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ یا انسان زمین کا اس وجہ سے مالک ہوا تھا کہ ملکیت اس کی فطرت میں شامل ہے۔

کیا مشین انسان نے اپنے ارادے سے نہیں ایجاد کی؟

یا مشین نے انسان کی گردن دبوچ کر کہا تھا کہ مجھے ایجاد کر۔؟ کیا انسان کی اس فطری خواہش نے کہ وہ اپنی پیداوار کو بہتر سے بہتر بنائے۔ اس رغبت وخواہش نے انسان کو سرگرم عمل کردیا۔ حتیٰ کہ انسان نے مشین ایجاد کرلی؟!

اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مشین نے انسانی تاریخ لکھی ہے۔ پھر بھی کیا اس میں انسانی ارادے کا کوئی حصّہ نہیں ہے؟

تو انسانی زندگی کے حالات کس طرح انسانی ارادے سے باہر ہوسکتے ہیں۔ پھر جب سرمایہ داری آئی تو کیا اس میں انسان کی یہ فطری خواہش کارفرما نہیں تھی کہ انسان ملکیت چاہتا ہے کہ اس کی ملکیت میں اضافہ ہوتا رہے اور انسان ہی میں یہ فطری استعداد بھی ہے کہ جب وہ راستے سے منحرف ہوتا ہے تو بغاوت وسرکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے۔

پھر جب کمیونزم آیا تو کیا انسان نے یہ نہیں سوچا کہ حق وانصاف کا راستہ یہی ہے اور جس کا فریڈریک اینگلز نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''انسان دنیاوی معاملات میں تصرّف کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

یہ تو پہلی بات تھی اور دوسری بات جو حقیقت سے زیادہ قریب ہے یہ ہے کہ ان حتمیات کی صحت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو آخر یہ حتمیات کس کی مقرّر کردہ ہیں۔

پوری انسانی زندگی پر ان حتمیات کو کس نے مسلّط کر دیا ہے؟

کیا زندگی کی یہ مادّی تعبیر ہی زندگی کی ممکنہ شکل تھی؟

کیا ایسا ممکن نہ تھا کہ انسان ہمیشہ ہی اپنی ابتدائی اشتراکیت کی زندگی گزارتا رہتا۔؟

کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ انسان ہمیشہ غلامی کی زندگی گزارتا رہتا؟ یا ہمیشہ جاگیرداری نظام رہتا؟ یا ہمیشہ سرمایہ داری رہتی؟

مشین کی ایجاد نے انسانی زندگی کو ایک نئے رُخ پر موڑ دیا۔!

جی ہاں! لیکن کیا مشین کی ایجاد بھی انسان پر مسلط کردہ کوئی حتمیت تھی؟ اس حتمیت کو کس نے مسلط کیا؟

آخر یہ اللہ کی ہدایت سے بیزاری کیوں؟

کیا اللہ کا اس سارے معاملے میں کوئی حصّہ نہیں ہے (بے شک اللہ کی ذات پاک ہے ان تمام باتوں سے جو وہ کہتے ہیں)

کیا اللہ نے انسان کو پیدا نہیں کیا؟

کیا مشین ایجاد کرنے کی قوت اسے اللہ نے نہیں دی ہے؟

کیا انسان کو یہ قدرت وقوت حاصل ہو جانا حتمی تھا۔ لیکن یہ حتمیت کس کی پیدا کردہ ہے؟

بلکہ کیا انسان کا اپنا وجود اس زمین پر حتمی ہے۔

بلکہ کیا زمین کا وجود بھی حتمی ہوسکتا ہے؟

بلکہ کیا کائنات کا وجود ہی حتمی خیال کیا جاسکتا ہے؟

آخر کس نے انھیں یہ حتمیت دے دی ہے؟

آخر یہ اللہ کی ہدایت سے روگردانی کس لیے ہے؟

کیا ہی اچھا ہوتا کہ انسان سچائی کا راستہ اختیار کرتا!

کیا اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بغیر کسی مجبوری کے پیدا نہیں کیا ہے۔

کیا اللہ نے زمین کو پیدا نہیں کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا نہیں کیا۔ حالاں کہ اللہ کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ زمین اور انسان کو نہ پیدا کرتا یا ایسے حالات ہی نہ پیدا کرتا جو انسانی حیات کے لیے ضروری ہیں۔

اگر یہ سب کچھ اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تقدیر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تاریخی حتمیت ہے یا اقتصادی اور اجتماعی حتمیت ہے یا اس کے علاوہ دیگر الٰہ کارفرما ہیں!؟

یورپی فکر کے اس جاہلیت میں تراشے ہوئے سارے الٰہ نہایت سخت گیر کھوکھلے اور بے رحم ہیں۔ یہ الٰہ انسانی ارادے کا کوئی دخل برداشت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے دن اور رات میں اس کی کسی استدعا پر لبیک کہتے ہیں!

یہ الٰہ اپنی احمقانہ حتمیت میں انسان کو بالکل ہی نظر انداز کر گئے ہیں۔ انہیں اس کے فکر و عمل سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ انھیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ انسانی عمل صحیح ہے یا غلط، انسان کو ترقی حاصل ہوئی یا قعرِ مذلت میں گر گیا۔ یہ ایمان لایا یا کفر پر قائم رہا۔

ان الٰہ کا انسان کے ساتھ برتاؤ ایسا ہے جیسے کوئی بے جان شے ہو اور انسان ان کی حتمیت کے سامنے ہیچ ہے۔ یا ان الٰہ کا برتاؤ انسان کے ساتھ ایسا ہے جیسے انسان نہ ہو، بلکہ بھیڑوں کا ایک گلہ ہو، جسے کسی نامعلوم راستے پر ہنکایا جا رہا ہو۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کی ذلّت و رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسانی فکر و عمل کی کوئی قیمت ہی باقی نہ رہے۔ حالاں کہ فکر و عمل کی اسی قیمت کا نام انسان ہے۔

کیا انسان اللہ کی راہ نمائی سے کنارہ کش ہو کر اسی عزت کا خواہاں تھا جو اسے ملی ہے کہ وہ ایسے الٰہ کا بندہ بن کر رہ گیا ہو جو نہ اس پر رحم کرتے ہیں اور نہ اس کی بات سنتے ہیں۔!! بیسویں صدی کی جاہلیت میں بے چارہ انسان کتنا قابلِ رحم ہو گیا ہے۔!

انسان کی جاہلیت اس مرحلے پر بھی ختم نہیں ہوئی اور نہ ختم ہونا ممکن ہے۔ اگر اللہ کے تصوّر میں ایک دفعہ بگاڑ رونما ہو جائے تو وہ یقینی طور پر انسان کے سارے فکر و عمل پر چھا جاتا ہے۔ کیوں کہ پہلے ہی سمتِ سفر غلط متعین ہوئی ہے تو راہ کا ہر قدم غلط ہی اٹھے گا۔

کائنات کے تصوّر، کائنات اور اللہ کے تصوّر اور کائنات اور انسان کے بارے میں مغربی جاہلیت جدیدہ میں بہت سے بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔

کبھی قوانین فطرت کی حتمیت پر ایمان لاکر اللہ کی قدرت سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی۔ کیوں کہ کائنات میں زندگی موجود تھی۔ مقصد یہ کہ اُس اللہ پر ایمان نہ لانا پڑے جس نے کائنات اور زندگی کو پیدا کیا۔

کبھی کہتے ہیں کہ کائنات کے حالات زندگی کے مناسب نہ تھے۔ بلکہ ایک اتفاقی حادثے کے طور پر زندگی وجود میں آ گئی۔ اور یہی حادثہ آخر کار انسان کے ظہور کا سبب بن گیا۔

کبھی کہتے ہیں کہ کائنات اور انسان بغیر کسی مقصد کے وجود میں آ گئے ہیں غرض ہر قسم کی گم راہیاں انسان کے فکر و عمل پر چھا گئی ہیں اور بنیاد سب کی وہی اللہ کے تصوّر میں بگاڑ کا رونما ہو جانا ہے۔

ہم پہلے حتمیات کے بارے میں گفتگو کر چکے ہیں۔ قوانین طبیعت بھی ان بیان کردہ حتمیات سے مختلف نہیں ہیں۔ کیوں کہ یہ سب ہی انسان کو ایک اور حقیقی حتمیت سے بیگانہ بناتی ہیں اور وہ ایک حتمیت ہے۔ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت۔

اللہ کی مشیت آزاد ہے مقید نہیں ہے۔ اللہ کے ارادے کے بالمقابل ہر قید غلط ہے۔ کون ہے جو اللہ کے ارادے پر بندش لگائے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے ارادے سے ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔

فتنہ کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی سنّت کو کائنات کے۔لیے نا قابل تبدیلی اور دائمی سمجھ لیا گیا ہے۔ حالاں کہ اللہ کی سنت کا نا قابل تبدیلی اور دائمی ہونا، اللہ کی مشیت کے مطابق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادے میں مختار ہے مقید نہیں ہے اور اللہ کی مشیت کائنات اور انسان کے لیے رحمت ہے۔ نہ اللہ کا ارادہ مقید ہے اور نہ اسے کائنات میں تصرّف کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے۔

اللہ کی مشیت چاہتی تھی کہ کائنات اللہ کی مقرّر کردہ سنت پر چلے، جس کا نام جاہلیت جدیدہ نے قوانین طبیعت رکھا ہے تا کہ اس کے حقیقی نام سنت اللہ سے بچا جا سکے۔

لیکن اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ خود چاہے کہ اپنی مقرّر کردہ سنت کے خلاف کوئی کام کرے تو کون ہے جو اسے کہہ سکے کہ قوانین طبیعت نا قابلِ تغیر ہیں۔

جب کبھی اللہ تعالیٰ دائمی سنت سے ہٹ کر کوئی کام کرتا ہے۔ اسی کا نام معجزہ ہے۔ لیکن یہ معجزہ بذاتِ خود اللہ کی سنت ہی ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کی سنت اور اس کا طریقۂ کار ہی کائنات کی واحد حتمیت ہے۔! معجزے پر ایمان، علم کے مقرّرہ قوانین کے قیام، اور عقیدے کے سائے میں علم کے قیام سے نہیں روکتا۔ جیسا کہ جاہل لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ معجزے پر ایمان تو علم کے تقدم کا باعث ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

سارا اسلامی علم جو درحقیقت ایک بہت بڑی میراث ہے۔ ایسی میراث جو مسلمانوں کی عظمت کی نشان دہی کرتی ہے اور جس اسلامی علم کی یورپ کی جدید علمی ترقیات مرہونِ منّت ہیں۔ خاص طور پر تجرباتی اسکول میں تو یورپ نے نہایت عظیم فائدے اٹھائے۔

—— یہ سارا اسلامی علم عقیدے اور معجزے پر ایمان کے سائے تلے پروان چڑھا ہے۔ مسلمانوں کے فکر ونظر میں اس بات میں کوئی تعارض نہ تھا کہ وہ معجزے پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی دائمی سنت اور کائنات کے مقرّرہ قوانین پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جب کہ علمی مباحث کا دارومدار تمام تر اسی دائمی سنت پر تھا۔ کیوں کہ معجزہ ایک علیٰحدہ حقیقت ہے اور اللہ کی دائمی سنت ایک علیٰحدہ حقیقت۔ اور حقائق میں کوئی تعارض نہیں ہوا کرتا۔ ہاں —— ہاں جن لوگوں کی چھوٹی چھوٹی عقلوں میں بڑے بڑے امور نہ سما سکیں تو وہ ضرور تعارض محسوس کرتے ہیں۔

مغرب کے تنگ ذہن کی ساری مشکل یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر کسی وقت معجزہ رونما ہو جائے تو کائنات کا سارا انظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کیوں کہ کائنات کے سارے قوانین باہم ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ اس لیے ہر واقعے کے معین نتائج رونما ہونے ضروری ہیں۔

ان قوانین کو باہم مربوط کس نے کیا ہے۔ کیا وہ ان قوتوں کا خالق نہیں ہے کیا خالق کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اگر وہ کسی عظیم مقصد کے لیے کسی وقت کسی واقعے کے وہ نتائج مرتب نہ ہونے دے جو اس واقعے کے لیے ضروری ہیں... اس عظیم مقصد کے حصول کے بعد اللہ کی سنت پھر اپنے فطری تقاضوں کے مطابق رواں دواں ہو جائے۔

اس کے باوجود بھی علم اور تمام حتمی قوانین طبیعت سب کے سب احتمالات ہی تو ہیں[1]
طبیعیات اور ریاضیات کا ماہر انگریز سائنس داں 'سر جیمز جینز' جو پہلے ملحد تھا اور آخر میں

---

(۱) صفحہ ۷۶ پر اسٹینلے کونگڈن کا بیان دیکھیے۔

اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہتا ہے:

''قدیم علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ طبیعت صرف ایک ہی راستے پر چل سکتی ہے اور وہ راستہ ہے جو علّت و معلول کی شکل میں اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم کر دیا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی شکل ہو ہی نہیں سکتی کہ جب بھی حالت ''ا'' وجود میں آئے تو اس کے بعد ''ب'' وجود پذیر ہو۔ لیکن جدید سائنس کے لحاظ سے ''ا'' کے بعد ''ب'' بھی آسکتی ہے۔ ''ج'' بھی آسکتی ہے۔ اور ''د'' بھی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''ب'' کے وجود میں آنے کا زیادہ احتمال ہے۔ بہ نسبت ''ج'' کے اور ''ج'' کے وجود پذیر ہونا زیادہ متحمل ہے بہ نسبت ''د'' کے۔ بلکہ ''ب'' ''ج'' اور ''د'' تینوں کا درجہ احتمال بھی متعین کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ کون سی حالت کس حالت کے بعد رونما ہوگی۔ کیوں کہ علم جدید کی بنیاد ہی احتمالات ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ کس بات کا وجود پذیر ہونا ضروری ہے تو یہ تقدیر کا مسئلہ ہے.... جو بھی کچھ تقدیر کی حقیقت ہو۔''

انیسویں صدی اور بیسویں صدی جاہلیت جدیدہ کی جاہلیتوں میں ایک تعجب خیز جاہلیت یہ ہے کہ کائنات از خود وجود پذیر ہو گئی ہے۔

ڈارون نے زندگی کے مختلف ادوار کا مطالعہ کر کے، زندگی کی ابتدائی اور موجودہ شکلوں کی درمیانی کڑیاں مرتبط کیں۔ لیکن وہ کنیسا کے الٰہ کو نہیں تسلیم کر سکتا کیوں کہ اس کی کنیسا سے جنگ جاری تھی، اور کلیسا بھی اسی الٰہ کے نام پر اس سے لڑ رہا تھا۔

ڈارون نہیں چاہتا تھا کہ اس کھلّم کھلاّ اور بدیہی بات کو تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ کہا جانے لگا کہ کائنات خود بخود وجود میں آ گئی اور یہ نقش ایسا ہے کہ جس کا کوئی نقاش نہیں ہے!

بیسویں صدی کے علماء نے اس نظریہ کے بودے پن کو محسوس کر کے خود بخود اسے چھوڑ دیا۔!

رسل چارلس ارنسٹ ـــــ جو جامعہ فرینکفرٹ جرمنی میں حیاتیات اور نباتیات کے پروفیسر ہیں ـــــ کہتے ہیں:

''جمادات سے زندگی کے وجود میں آنے کے بارے میں مختلف نظریات پیش کیے گئے

ہیں۔ بعض محققین نے کہا کہ زندگی پروتوچین، یا فیروس یا بعض بڑے پروٹونی اجزا کے جمع ہوجانے سے وجود میں آئی ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان نظریات سے عالم حیات اور جمادات کا درمیانی خلا پر ہوگیا ہے۔ لیکن جو حقیقت ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں وہ یہ ہے کہ زندہ مادّے کو غیر زندہ مادّے سے علیحدہ کرنے کی تمام کوششیں انتہائی ناکامی کا شکار ہوگئی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ اللہ کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے پاس بھی اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف ذرّات اور اجزا کے اچانک جمع ہوجانے سے بھی زندگی رونما ہوسکتی ہے اور وہ شکل اختیار کرسکتی، جو ہم زندہ خلیوں میں دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کو پوری پوری آزادی ہے کہ اگر وہ چاہے تو زندگی کی اس تعبیر کو قبول کرلے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نظریہ کو قبول کرلینے کے بعد تو عقل کو اتنی مشکلات پیش آتی ہیں کہ اتنی تو خود اللہ کا وجود تسلیم کرلینے میں نہیں ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ زندہ خلیوں میں سے ہر خلیہ اتنا پیچیدہ ہے کہ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے اور زمین پر بکھرے ہوئے لاکھوں کروڑوں خلیے اس کی قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایسی شہادت جس کی بنیاد عقل اور منطق پر ہے۔ اسی لیے میں اس اللہ پر پکا سچّا ایمان لاتا ہوں[۱]''

رہ گیا یہ خیال کہ کائنات اتفاقی طور پر وجود میں آگئی ہے تو اس خیال کے بودے پن کو واضح کرنے کے لیے گزشتہ پیراگراف میں جو سائنس داں کا قول نقل کیا گیا ہے وہ کافی ہے۔

پھر بھی اگر ہم علم و سائنس کو ایک طرف رہنے دیں اور صرف کھلی ہوئی آنکھوں اور بصیرت افروز دل سے غور کریں تو بھی یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے، آسمانوں کی گردش اور کائنات کی ہر شے کا انتہائی دقیق نظام اچانک اور اتفاقی طور پر وجود میں نہیں آسکتا۔ بلکہ یہ کسی مدبّر خالق کی تخلیق ہی ہوسکتا ہے اگرچہ یہ نظریہ قطعی غیر علمی ہے۔ پھر بھی اگر مان لیا جائے تو بھی کوئی ایسی چیز جو اتفاقیہ رونما ہوگئی ہو۔ اس کے نظام میں اتنی باریکی پیدا نہیں ہوسکتی کہ کروڑ ہا سال گزرتے چلے جارہے ہیں اور آج تک کبھی اور کہیں بھی اس نظام میں کوئی معمولی سا نقص رونما نہیں ہوا۔

اس گمراہ کن نظریہ کی بنا پر کہ کائنات اتفاقیہ وجود میں آگئی ہے۔ ایک اور گمراہی رونما ہوگئی، وہ یہ کہ کائنات اور انسان کی تخلیق بے مقصد ہے۔ ہر گمراہی کی اصل و بنیاد ایک ہی گمراہی ہے۔

---

(۱) اللّٰہ یتجلی فی عصر العالم۔

اور وہ ہے اللہ کی ہدایت سے دور ہونا۔ کیوں کہ جس کا دل اللہ کی قدرت تخلیق پر ایمان رکھتا ہو۔ اس پر اس گمراہی کا غلبہ نہیں ہوسکتا۔

کائنات کی تعمیر میں یہ معجز نما باریک بینی خواہ مخواہ نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس تخلیق کا کوئی نہ کوئی منشا و مقصد ضرور ہے۔

ہوسکتا ہے کہ انسان اس مقصد کو نہ پاسکے۔ کیوں کہ انسان کائنات سے باہر نہیں ہے بلکہ خود بھی کائنات کا ایک جز ہے۔ اور جز کل کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ لیکن پھر بھی اگر انسان کھلی آنکھوں سے دیکھے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس معجز نما باریکی کا، جس کا انسانی عقل اندازہ بھی نہیں کرسکتی۔ کوئی مقصد تو آخر ہوگا ہی۔

یہ خیال کہ کائنات اور انسان کا وجود بے مقصد ہے۔ ایک ایسی گمراہی ہے جس سے زندگی کے تصور و عمل میں بڑے بگاڑ رونما ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے جو زندگی بغیر کسی صاحبِ تدبیر خالق کے وجود میں آگئی ہو اور انسان بھی اتفاقیہ پیدا ہوگیا ہو۔ اس زندگی میں نہ تو کوئی ربط و ہم آہنگی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی مقصد سامنے ہوسکتا ہے!

ڈارون کہتا ہے کہ ''زندگی تو بس اندھے کی لاٹھی ہے۔''...اس خیال میں انسان کی پیدائش اور ارتقا بھی شامل ہیں۔!

یہی تصوّر ہے۔ جہاں سے گمراہی انسان کے ذہن پر اور اس کی زندگی کے مقاصد پر اپنے اثرات مرتسم کرتی ہے۔

یہ بے شک ایک نقصانِ عظیم ہے!

یہ انتہائی بدبختی ہے!

یہ حسرت و آرزو ہے —— یہ لذّت پرستی ہے۔

یہ اس ناامید کی کش مکش ہے، جو ہر تائید سے محروم ہے۔ جو مہربان اللہ کی نوازش سے محروم ہو چکا ہے۔ اسی لیے یہ کش مکش وحشیانہ و مجنونانہ ہوگئی ہے۔

ہم آنے والی فصل میں ان تمام آثار کا ذکر کریں گے، جو اس تصوّر نے انسانیت اور

اس کے عمل میں چھوڑے ہیں۔ خواہ انسان فرد کی حیثیت میں ہو یا جماعت اور قوم کی۔ یہاں تو ہمیں صرف فکر کا فساد بیان کرنا ہے۔

جب انسان کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ گیا اور تمام علائق منقطع ہو گئے۔ انسان زمین میں بھٹکتا پھرنے لگا اور کوئی اس کا راہ نما نہ تھا۔

انسان بھٹکتا رہا اور اسے اپنے وجود کے مقصد کا علم نہ ہو سکا نہ ہی انسان کو یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے اور اسے اس کائنات میں کیا کردار ادا کرنا ہے... حتیٰ کہ اس نے اللہ کے بالمقابل اپنے آپ کو الٰہ بنا لیا لیکن جونہی انسان اللہ کی ہدایت و راہ نمائی سے باہر آیا۔ شیاطین نے اسے اچک لیا۔ اسے حتمیات کے الٰہ نے اچک لیا اور ان الٰہ نے انسان کی ناک مٹی میں رگڑ کر اسے ایسا ذلیل و خوار کیا کہ انسان انہی کے سامنے سربسجود ہو گیا۔ انسان نہ اپنی حقیقت کا اندازہ کر سکا اور نہ اپنے مقصدِ وجود کا پتہ چلا سکا۔!

کیوں کہ ڈارون کی نظر میں انسان بھی دوسرے جانوروں کی طرح ایک جانور ہے اسی لیے انسانی زندگی کے بارے میں اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ کیوں کہ انسان کی حیثیت کائنات میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں ہے بقاء ہی دراصل فلسفۂ ارتقاء میں کامیابی کی علامت ہے اس لیے کائنات کی ہر شے کی قیمت برابر ہے۔ آگے بڑھنے کا تخیل صرف انسانی تخیل ہے۔ یہ بات اگرچہ تسلیم شدہ ہے کہ اس وقت انسان سیّدالمخلوقات ہے لیکن یہ مقام اپنے ارتقائی مراحل میں ایک چیونٹی بھی حاصل کر سکتی ہے۔(۱)"

یہیں سے انسان اپنی ذات اور اپنے مقصد کے حیوانی تصوّر میں الجھ گیا اور حقیقتاً اس کا مقام ایک چیونٹی سے آگے نہ بڑھ سکا۔

انسان یہ اندازہ نہیں کر سکا کہ زندگی کا اس زمین پر اس مختصر سے وقفہ میں ختم ہو جانا ناممکن ہے۔ اگر زندگی اسی دنیا میں ختم ہو جاتی تو یہ تصویر کا ایک مکمل رُخ ہے۔ کیوں کہ دنیاوی زندگی اپنی اس تمام کش مکش حیات اور اپنے گوناگوں مظالم کے اگر صرف اتنی ہی ہے۔ جتنی دنیا میں ہے تو یہ بالکل ہی بیکار ہے۔ یہ تو ایسا جھوٹ ہے جس میں سچائی کا نام و نشان نہیں۔ یہ تو اتنی بیکار ہے کہ انسان بھی اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتا۔ چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ!!

---

(۱) "الانسان فی العلم الحدیث۔" جدید دنیا کا انسان جولیان ہکسلے۔

جب ان کی رسّی اللہ سے منقطع ہوگئی اور جب انھوں نے اپنی نظریں صرف دنیا ہی کے محدود دائرے میں مرکوز کرلیں تو دنیاوی زندگی ان کے سامنے بدنما بھدّی اور بیکار شکل میں سامنے آگئی، جس زندگی کے نہ کوئی معنی ہیں نہ مطلب! جب انھوں نے یہ دیکھا کہ اس باطل زندگی میں سوائے بے چینی اور اضطراب کے کچھ بھی نہیں ہے تو جو لذتیں انھیں مل سکتی تھیں۔ ان کی طرف مجنونانہ دوڑ پڑے کیوں کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ زندگی کے جو لمحات وہ لذّت اندوزی اور عیش پرستی میں گزار سکتے ہیں اس کو ضائع کردیں۔ کیوں کہ اس زندگی کے بعد تو زندگی ہی نہیں ہے۔

جانوروں کی طرح بے مقصد جدھر منھ اُٹھا چل دیئے... پھر اس بے پناہ جنون میں نہ کوئی اطمینان ہے نہ سعادت ہے اور نہ کوئی راحت ہے۔

جاہلیت جدیدہ، انسان اور انسانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں جو نظریہ رکھتی ہے۔ وہ ہی درحقیقت اس دور کی سب سے بڑی گمراہی ہے اور یہ عظیم ترین گمراہی بھی اسی ایک بنیادی گمراہی یعنی اللہ کی ہدایت سے انحراف سے پیدا شدہ ہے۔

انسان کے اوپر جاہلیت کے جتنے بھی ادوار گزرے ہیں، وہ ہر دور میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ انسان ہے۔ لیکن دورِ جدید کی جاہلیت میں ڈارون نے آکر بتایا کہ انسان دراصل حیوان ہے!

جب سے انسان عالمِ وجود میں آیا، اس وقت سے لے کر آخری نبی حضرت محمد ﷺ تک اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء انسان کی انسانیت کا پرچار کرتے رہے اور اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ انسان اپنے اس بلند ترین مقام کو حاصل کرلے جو اس کی انسانیت کا تقاضا ہے۔ چناں چہ انھوں نے لوگوں کو اللہ کی روشنی میں راستہ دکھایا اور معجزات لے کر اس دنیا میں تشریف لائے۔

لیکن انیسویں صدی کا علم و سائنس کا پیغمبر جب دنیا میں آیا تو اس نے بتایا کہ انسان حیوان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انیسویں صدی کا پیغمبر شیطان کا بھیجا ہوا ہو۔

ڈارون کے افکار و نظریات نے اس جاہلیت جدیدہ میں انسان کو وہ عظیم ترین نقصان پہنچائے ہیں، جو ہزاروں برس میں شیطان بھی نہ پہنچا سکا۔

کیوں کہ اب تو انسان حیوان بن چکا ہے... حیوان سے آپ کیا توقع کرسکتے ہیں؟

ڈارونیت کے زہریلے اثرات پورے مغربی فکر پر بری طرح اثر انداز ہوئے ہیں، سیاست ہو یا اقتصاد، اجتماعیت و نفسیات ہو یا اخلاق و فن، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی

شکل نہ بگڑ گئی ہو۔ جب انسان جانور ہی بن گیا تو ظاہر ہے کہ اس کے لازمی نتائج ضرور رونما ہو کر رہیں گے۔

فکر کے اس جاہلانہ بگاڑ اور انسان کی اس حیوانی تعبیر کے نتائج یہ ہیں کہ انسانی فکر کے تمام زاویئے اور انسانی اخلاق کے تمام گوشے زوال پذیر ہو گئے اور انسان اپنے مقام سے گر کر بالکلیہ حیوانیت کی آغوش میں آ گیا۔

ڈارون نے جب انسان کی جسمانی ساخت کا مطالعہ کر کے یہ محسوس کیا کہ انسانی اور حیوانی جسم میں کافی کچھ مشابہت ہے تو اسے یہ دھوکہ ہو گیا کہ انسان درحقیقت حیوان ہی ہے۔

ظاہر ہے ڈارون کے اس نظریہ کو کوئی سائنٹیفک حقیقت نہیں کہا جا سکتا، جدید ڈارونیت فلسفۂ ارتقاء پر ایمان رکھنے کے باوجود ڈارون کے اس نظریہ کو علمی حیثیت سے غلط ٹھہراتی ہے۔ اس اسکول کا لیڈر لادین جولیان ہکسلے صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ انسان حیوان نہیں ہے۔ نظریۂ ڈارون کے بعد انسان اپنی حیوانیت سے انکار تو نہ کر سکا۔ لیکن بہر حال یہ سمجھنے پر ضرور مجبور ہو گیا کہ وہ کوئی علیٰحدہ نوعیت کا جانور ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اس میں انفرادیت بھی پائی جاتی ہے۔ جب کہ انسان کی حیاتیاتی تحقیق ابھی تک نامکمل ہے[1]

جس حیاتیاتی مشابہت کی بنا پر ڈارون یہ سمجھ بیٹھا کہ انسان حیوان ہے۔ اب وہ ہی انسان حیاتیات اپنی ساخت اور ترکیب کے لحاظ سے منفرد ثابت ہو چکی ہے۔: تمام جانوروں کے بھیجوں میں دو قسم کے اعصاب آ کر مل جاتے ہیں۔ ایک عضلات قابضہ اور دوسرے عضلات باسطہ۔ ایک لمحہ میں ایک حیوان ایک ہی قسم کے عضلات کو حکم دے سکتا ہے، یا عضلات قابضہ کو یا عضلات باسطہ کو۔ مثال کے طور پر کتا یا تو دوڑ سکتا ہے یا پھاڑ سکتا ہے۔ ایک وقت میں دونوں کام نہیں کر سکتا۔ صرف انسان ہی تمام مخلوقات میں ایک ایسا جانور ہے جو ایک لمحہ ہی میں متعارض کام سرانجام دے سکتا ہے۔ کیوں کہ انسانی بھیجہ متعارض امور کو بیک وقت ترتیب دے سکتا ہے[2]"

ہکسلے انسان کی حیاتیاتی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

---

(۱) 'الانسان فی العالم الحدیث' نئے دور کا انسان جولیان ہکسلے ص ۳

(۲) 'الانسان فی العالم الحدیث' نئے دور کا انسان جولیان ہکسلے ص ۲۷-۲۹

''انسان کی سب سے بڑی اور بہترین خوبی یہ ہے کہ وہ فکر تصویری پر قادر ہے۔ اگر آپ اصطلاحی عبارت استعمال کرنا چاہتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ انسان واضح گفتگو کرسکتا ہے۔''

انسان کی اسی خصوصیت کی بنا پر رسم وروایات پیدا ہوئیں اور رسم وروایات کی زیادتی سے انسان کے سامانِ آرائش وآسائش میں حسن وخوبی پیدا ہوئی۔ جس کی بنا پر انسان کو کائنات میں یہ ممتاز مقام حاصل ہوا جس پر وہ فائز ہے۔

موجودہ دَور میں انسان کی یہ حیاتیاتی اہمیت بھی انسان کی ایک ممتاز خصوصیت ہے۔ کیوں کہ انسان کی ترقی اور باقی دنیا پر اس کی حکمرانی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اور انسانی زندگی کا تنوّع بڑھتا چلا گیا ہے۔

غرض جس طرح تمام مذاہب نے انسان کو اشرف المخلوقات بتایا ہے کچھ اسی قسم کا تصوّر انسان کو علم حیاتیات بھی دیتا ہے۔

قوتِ گویائی، رسم وروایت اور عددی کثرت نے انسان کے اندر کچھ ایسی خوبیاں پیدا کردی ہیں جو کسی اور مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ چوں کہ یہ خوبیاں واضح طور پر سامنے ہیں اس لیے میں اُن کا تذکرہ کرنے کے بجائے ایسی خصوصیات کا تذکرہ کرتا ہوں۔ کیوں کہ انسان اپنی حیاتیاتی بناوٹ کے لحاظ سے بالکل ایک علیحدہ نوع ہے۔ پھر یہ خصوصیت جن کا میں تذکرہ کرنے والا ہوں ایسی خصوصیات ہیں جن کی طرف نہ تو علمِ حیوان نے توجہ دی اور نہ ہی اجتماعیات نے۔

''تمام ارتقاء پذیر حیوانات میں انسان اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔''

جدید ڈارونیت نے ان الفاظ میں انسان کی انفرادیت کا اعلان کیا ہے۔ لیکن یہ اعلان اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیوں کہ ہکسلے ملحد ہے اور اپنے الحاد میں بہت ہی بے باک واقع ہوا ہے۔ بلکہ یہ اعلان خالص علمی اور سائنٹیفک تجربات پر مبنی ہے۔

ڈارون نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی سائنٹیفک دلیل کے انسان کو حیوان بتادیا۔ حالاں کہ اس کو مزید غور وفکر کرنا چاہیے تھا۔ تا کہ اسے بھی انسان کی انسانیت کا علم ہوجاتا جیسا کہ جدید ڈارونیت کو ہوگیا ہے۔

ڈارون کی یہ ''حیوانی تعبیر'' ایک سرکش جن بن کر تمام افکار وتصوّرات پر چھا گئی اور اتنا عظیم بگاڑ پیدا کر دیا کہ تاریخ کی کسی بھی جاہلیت میں نہ ہوا تھا۔

انسانی زندگی مسخ ہو کر رہ گئی۔ انسان حیوان بن گیا بلکہ حیوان سے بھی زیادہ گمراہ۔!

تاریخ کی مادّی تعبیر!

عمل کی جنسی تعبیر!

شعور کی جسمانی تعبیر!

غرض انسانی تعبیر کے علاوہ ہر تعبیر!

تاریخ کی مادّی تعبیر کا ہیرو کارل مارکس ہے، جس نے پوری انسانی زندگی کی مادّی تعبیر کی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی تاریخ دراصل دو روٹی کی تلاش کی تاریخ ہے اور بھوک ہی انسانی زندگی پر مسلّط ہے۔

خالص مادّیت انسانی وجود اور اس کے شعور کی راہیں متعین کرتی ہے۔ اور معنوی اقدار زوال پذیر اغراض ہیں، جو ہر نہیں ہے۔ جو صرف ہر انسانی زندگی کا مادّی ڈھانچہ ہے۔

صرف انسان کی مادّی تعبیر ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ڈارون کا فلسفۂ ارتقاء بھی ہے جس نے خاص طور پر تمام اقدار کو زک پہنچائی ہے۔

ڈارون کے نزدیک چوں کہ معنوی اقدار ہمیشہ تغیر پذیر رہی ہیں۔ اس لیے دنیا میں کسی حق و انصاف کا وجود تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ جو بات آج کسی مادّی اور اقتصادی اسباب کی بنا پر برائی سمجھی جائے گی۔ اور یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے ——!!

جاگیرداری نظام میں مذہب پرستی خوبی تھی۔ لیکن یہی دینداری صنعتی دور میں جمود و رجعت سمجھی جانے لگی اور اس دَور کی اچھائی بن گیا۔ جنسی پاکبازی جاگیرداری دَور میں اچھائی خیال کی جاتی تھی۔ اب ایک ترقی یافتہ صنعتی سوسائٹی میں اس کی حیثیت ایک مذاق سے زیادہ نہیں ہے۔ کیوں کہ عورت اقتصادی طور پر مرد کی گرفت سے آزاد ہو چکی ہے!! اب عورت کی اقتصادی زندگی کا مالک مرد نہیں ہے کہ وہ اس کے بدلے میں عورت سے پاک دامنی اور پاک بازی کا مطالبہ کر سکے!! خود مرد بھی اخلاقی قیود سے آزاد ہو گیا۔ اسے بھی فکر و عمل میں پاک بازی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیوں کہ انسان کا بنا دیوتا —— خواہ وہ مغرب کا سرمایہ ہو۔ یا مشرق کی حکومت

—— انسان سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ پاک باز ہے۔ بلکہ اس کی دلچسپی تو کسی اور ہی بات سے متعلق ہے۔

یہ تعبیر انسان کی صرف مادّی اور حیوانی زندگی کو مدنظر رکھتی ہے اور روح کا مذاق اڑاتی ہے کیوں کہ جاہلیتِ جدیدہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور اس پر بھی ایمان نہیں رکھتی کہ انسانی ڈھانچہ میں روح اللہ کی ودیعت کردہ ہے۔

جنسی تعبیر کی بھیانک گمراہی کا ہیرو فرائڈ ہے۔

فرائڈ انسان کو حیوان بنانے پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ وہ حیوان بھی بگڑا ہوا بدشکل بنا کر پیش کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ انسان کے سارے اعمال کا سرچشمہ جنس ہے۔

حیوان کو جب لذّاتِ اکل محسوس ہوتی ہے تو وہ کھاتا ہے۔ جب پینے کی خواہش ہوتی ہے تو پیتا ہے۔ جب دوڑنے کا جذبہ اُبھرتا ہے تو دوڑنے لگتا اور جب جنسی جذبات سے مجبور ہوتا ہے، تو جنسی عمل بھی انجام دیتا ہے... لیکن... فرائڈ کا بگڑا ہوا بدنما شکل انسان!!

جب ماں کا دودھ پیتا ہے۔ تو جنسی لذّت کی بنا پر!

جب انگوٹھا چوستا ہے تو اُس میں بھی جنسی لذّت کارفرما ہوتی ہے۔ جب پیشاب پاخانہ کرتا ہے تو یہاں بھی محرّک جنس ہوتا ہے۔

جب اپنے عضلات کو حرکت دیتا ہے تو اِس حرکت کا سبب بھی جنس ہوتی پھر یہ انسان جب اپنی ماں سے محبت کرتا ہے تو اس سے یہ محبت بھی جنسی ہوتی ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ مذہب، اخلاق، رسوم وروایات سب جنس کے اسی گندے گھورے پر اُگتے ہیں۔!!

نفسیات کے ''تجرباتی اسکول'' کے ارباب تمام انسانی زندگی اور اس کے جملہ مشاعر کی حیوانات کے مانند جسمانی تعبیر کرتے ہیں۔

چناں چہ ان کے نزدیک انسانی شعور اور افکار انسان کے بدن میں ہونے والے غدودی اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔

'جنسی غدود سے ''جنسی شعور'' اُبھرتا ہے۔

'غُدّہ اُمومہ' ''مادری شعور'' پیدا کرتا ہے۔

'غُدّہ کظر'، سے بہادری یا بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

اور... غُدّہ ٔرقیّہ سے عصبی، معتدل یا بارد مزاج بنتا ہے۔ La Theorie de L'emtion

ولیم جیمز[1] اپنی کتاب ''نظریہ میلانات'' میں کہتا ہے:

''عواطف اور میلانات کے بارے میں لوگوں کا عام طور پر یہ نظریہ ہے کہ کسی چیز کا ایسا عقلی ادراک، جس سے حالتِ وجدانی، میں ہیجان پیدا ہو۔ میرا اپنا نظریہ ہے کہ کسی موثّر کے ادراک کے فوراً بعد جسم میں تغیرات واقع ہوتے ہیں اور جو احساس ہمارے اندر اُبھرتا ہے۔ وہ انہی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اسی کا نام میلان ہے۔''! (ص:۶۰)

حاصل کلام یہ کہ 'نفس' جسم کی پیداوار ہے اور 'انسانی تشخص' میں کوئی بنیادی اور جوہری اہمیت نہیں رکھتا۔!

میں انسانی زندگی کی ان تمام تعبیرات پر پہلے بھی اپنی کئی کتابوں[2] میں تنقید کر چکا ہوں۔ یہاں زیادہ تفصیلی تنقید کی ضرورت نہیں ہے کہ انسانی زندگی کے جس پہلو کو یہ تعبیرات واضح کرتی ہیں وہ کتنا گمراہ کن ہے۔ البتہ رہ نمائی کے لیے چند امور کا تذکرہ ضروری ہے۔

انسانی زندگی کی یہ تمام تعبیریں ایک ہی گمراہی کا شکار ہیں کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر ایک کمتر پہلو کو فوقیت دے دی گئی ہے۔ انسانیت کا یہ کمتر پہلو جسم اور اس کی ضروریات ہیں۔ پھر ان تمام تعبیرات کا رشتہ ایک ہی بنیادی نظریہ سے جا ملتا ہے۔ جس میں انسان کو قطعی طور پر حیوان سمجھ لیا گیا ہے۔!

انسانیت کے بارے میں ہر جزئی نظریہ غلط ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس میں انسانیت کے بقیہ پہلوؤں کو نظر انداز کر کے انسانیت کو ایسی گھناؤنی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے حقیقت کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور اس شکل کے گھناؤنے پن میں اس وقت تو کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ جب ساری انسانیت کو اسی یک طرفہ نظریہ کے گرد گھما دیا جاتا ہے۔ اور انسان کو اسی ایک خاص عینک سے دیکھا جانے لگتا ہے۔

پھر لطف کی بات یہ کہ انسانیت کے جس گوشے کو یہ تمام تعبیریں نظر انداز کر چکی ہیں

---

(۱) ولیم جیمز: ''نفسیات کے تجربی اسکول'' کے پیش رو ہیں۔

(۲) دراسات فی النفس الانسانیة، معرکة التقالید، الانسان بین المادّیة والاسلام

وہ ہی درحقیقت انسانیت کا وہ عظیم پہلو ہے، جس کی بنا پر انسان، انسان کہلایا اور حیوانات سے ممتاز ہو گیا۔ ـــ یعنی ـــ

ان تمام تعبیرات نے روح کو نظر انداز کر دیا ہے۔

چناں چہ تاریخ کی ''مادّی تعبیر'' نے دو روٹی کی تلاش ہی کو انسانی فکر کا راہ نما قرار دے دیا۔

اعمال انسانی کی ''جنسی تعبیر'' نے پوری انسانیت کو جنس کے اندھیارے میں ڈھکیل دیا۔

شعور کی ''جسمانی تعبیر'' نے جسم کو نفسیاتِ انسانی کا سرچشمہ بنا دیا۔

غرض انسانی زندگی کی یہ تمام تعبیرات انسانی زندگی میں روح کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔ بلکہ ان تمام تصوّرات کا مرکزی فکر صرف انسان کی حیوانیت ہے۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ انسان اور دیگر حیوانات میں اس ظاہری مشابہت کے باوجود بھی بہت بڑا اختلاف موجود ہے۔!!

حیوانات کھانے کی تلاش و جستجو کرتے ہیں۔

اور... حیوانات جنسی اختلاط بھی کرتے ہیں اور... ان کے ان تمام تصرّفات کا سرچشمہ بھی ان کا جسم ہی ہوتا ہے۔

پھر... آخر... انسان سے مختلف کیوں ہے اور انسان اور حیوانات کی زندگی کی راہیں جُدا جُدا کیوں ہیں؟

جی ہاں! ان تمام جدید تعبیرات نے انسانی زندگی کی حقیقت واقعیہ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے ـــ یا ـــ اپنے خبیث شیطانی جذبات کے ماتحت بالارادہ انسان کی تصویر کشی جانور کی شکل میں کی ہے۔(۱)

کچھ بھی ہو.... بہرکیف... یہ زٹیل تصوّرات انسانیت کی صحیح تعبیر سے عاجز رہے۔

یہ اس گتھی کو نہیں سلجھا سکتے ـــ کہ ـــ

انسانیت اپنے ابتدائی دور میں تو دو روٹی، جنس، رہائش اور لباس کی تلاش میں رہی۔ پھر اچانک انسان نے اپنی اس تگ و دَو کے لیے باقاعدہ اجتماعی، معاشی، اور سیاسی نظام مرتب کر لیے۔ اور ان تنظیمات کو چلانے کے لیے کچھ اقدار، چند عقائد اور بعض افکار بھی ترتیب دے لیے ـــ کیوں اور کس طرح؟

---

(۱) ''انسانی زندگی میں جمود وارتقاء'' میں باب ''تین یہودی۔'' دیکھیے۔

کیا انسان ہر قسم کی اقدار سے کنارہ کش ہو کر اپنے اعمال کو سرانجام دے سکتا تھا؟

انسان بھوک کو اس طرح بھی مٹا سکتا ہے جس طرح جانور مٹاتے ہیں۔ لیکن انسان اسی بھوک کے دفعیہ کے لیے معاشی، اجتماعی اور سیاسی نظام ترتیب دیتا ہے۔ (خواہ یہ نظام اپنی جگہ پر صحیح اصولوں پر قائم ہوں یا غلط؟) پھر ان تنظیمات کے ذریعہ ہر انسان کو اس کا حصّہ پہنچتا ہے یہی نہیں بلکہ اس حصہ رسانی اور اس کے طریقوں کے لازمی نتیجے میں حکومت، معاشرت اور لوگوں کے آپس کے تعلقات ایک خاص نہج پر ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔

آخر... انسان اپنی جنسی بھوک صرف جنسی جذبات کے ماتحت کیوں نہیں مِٹاتا... انسان اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بھی اقتصادی، اجتماعی اور سیاسی تنظیمات بناتا ہے اور ان تنظیمات کے ذریعے انسان اپنی جنسی بھوک کی تکمیل کرتا ہے اور یہ تنظیمات انسان کے لیے اس مقصد خاص کے حصول کی راہیں متعین کرتی ہیں۔ اور اس طریقۂ کار کے کچھ لازمی نتائج بھی ہوتے ہیں۔

بہر کیف! انسان کی دلچسپی کا کوئی بھی گوشہ ہو ــــ اور انسان چاہے نہ چاہے ــــ اس دلچسپی کے لیے رو بہ عمل لانے کے لیے چند تنظیمات وجود میں آجاتی ہیں۔ جن کے لیے کچھ اقدار، چند افکار اور بعض عقائد کا سہارا لے لیا جاتا ہے ــــ خواہ یہ فکری بنیادیں صحیح ہوں یا غلط ــــ لیکن ہوتی ضرور ہیں ــــ

یہ سب باتیں اصل میں ایک ہی حقیقت کا لازمہ ہیں کہ انسان 'جسم' اور 'روح' کا امتزاج ہے ــــ اور انسان کے ان دونوں اجزاء کو کسی طرح بھی علیٰحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ افکارِ جدیدہ نے صرف انسانی جسم کو مدِنظر رکھا اور روح کو قطعاً نظر انداز کر دیا! (۱)
زندگی کی یہ تمام تفسیریں کھوٹی، نکمّی اور بیکار ہیں۔

یہ سب جاہلیتیں ہیں اور ایک ہی بھیانک جاہلیت سے پھوٹی ہیں جس نے اللہ کی ہدایت کو ٹھکرا دیا ــــ اور جان بوجھ کر زندگی کی ہر تفسیر اللہ سے ہٹ کر کرتی ہے ــــ اور اسی خدا بیزاری کے نتیجے میں بکواس اور جہالت میں اُلجھ کر رہ گئی۔

انسانی نفسیات کی تحلیل کے بارے میں جاہلیت جدیدہ کا ہی ''انحراف'' یہ ہے کہ اُس

---

(۱) ''دراسات فی النفس الانسانیة'' ''انسانی نفسیات کا مطالعہ'' میں ''مرکب طبیعت'' کا باب دیکھیے۔

نے انسان کے 'جسم' اور 'روح' کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر کے جسم کو تو اہمیت دی۔ لیکن روح کو کچل کر رکھ دیا ـــ کیوں کہ روح کا براہ راست اللہ سے تعلق ہے۔ جس سے جاہلیت نہ صرف اپنا بچاؤ کرتی ہے بلکہ اس کی نشانیوں کو بھی مٹانے سے دریغ نہیں کرتی ـــ اور انسان کے جسمانی پہلو اُبھار کر ساری زندگی کی تفسیر اسی کے مطابق کر دی۔ حالاں کہ زندگی کی اس یک طرفہ تفسیر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

درحقیقت جاہلیت جدیدہ کا یہ ایک ہی ''انحراف'' نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اس ایک انحراف سے کئی اور انحرافات نے جنم لیا ہے۔ کیوں کہ جاہلیت جب اللہ کے راستہ سے منحرف ہوجاتی ہے تو اس کے تمام تصوّرات وافکار میں اعتدال ختم ہوجاتا ہے۔ اور لوگ انتہا پسندی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اعتدال کی راہ تو انسان جب ہی اپنا سکتا ہے جب وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر چلے اور کائنات وزندگی کی تفسیر وتعبیر اللہ کی ہدایت کی روشنی میں کرے۔

چناں چہ جب جاہلیتِ جدیدہ اعتدال کی راہ سے منحرف ہوگئی تو اس کی فکر انسان کی 'فردیت' اور 'اجتماعیت' کی ظاہری شکلوں پر مرتکز ہوکر رہ گئی!

کچھ 'جاہلیت زدہ' اشخاص نے ''فرد'' کے پہلو پر زور دیا اور کچھ نرے ''اجتماعیت پسند'' بن گئے ـــ اور ہر گروہ نے دوسرے پہلو کو یا تو بالکل نظر انداز کر دیا یا زیادہ قابل توجہ خیال نہیں کیا۔

اگر انسانی معاشرہ میں حقیقی اہمیت ''فرد'' کو حاصل ہے تو ''اجتماعیت'' فرد کی شخصیت کو کچل کر اس کے وجود کو پامال کر رہی ہے۔

اور ـــ اگر حقیقت 'اجتماعیت میں پنہاں ہے۔ تو فرد کی انفرادیت معاشرے کے خلاف ظلم و بغاوت ہے اور فرد اپنی 'ایگو' (انا) کے اثبات کے لیے 'اجتماعیت' پر زیادتیاں کر رہا ہے۔!

'فرد' اور 'جماعت' کے بارے میں دونوں تصوّرات جاہلیت جدیدہ کے ہیں اور دونوں تصوّرات اعتدال وتوازن سے یکسر خالی ہیں۔

پھر انہی اعتدال سے خالی تصوّرات پر سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظام کھڑے ہوکر لے گئے[1] اور جاہلیت جدیدہ کے پرستاروں نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ 'انسانیت' 'فرد' اور

---

(۱) ہم اگلے باب میں ان تمام امور پر تنقید کریں گے۔

'جماعت' کا ایک متوازن اور معتدل مجموعہ ہے۔ایک انسان ایک ہی وقت میں مستقل فرد بھی ہے اور اسی وقت وہ معاشرے کا ایک حصّہ بھی ہے ـــ انسان اپنے ذاتی شعور کے ساتھ اپنے تشخص کو بھی نکھارتا ہے۔ ـــ اور ساتھ ہی وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے، اپنے ہم جنسوں میں مل بیٹھنے کا خواہاں ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ان میں پا کر خوش بھی ہوتا ہے۔

اگر چہ یہ صحیح ہے کہ ''فردیت'' اور ''اجتماعیت'' میں کبھی کبھی کش مکش پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کش مکش سے بچنے کے لیے فردیت اور اجتماعیت کے حقیقت واقعیہ اور ایک نفسیاتی امر ہونے سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ اگر انسانیت زندگی کا صحیح راستہ اختیار کر لے تو اسے فردیت اور اجتماعیت کی اس کش مکش سے کافی حد تک چھٹکارا مل سکتا ہے اور انسانی معاشرہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

لیکن چوں کہ ہر جاہلیت راہِ حق سے روگردانی کرتی ہے اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلتی۔اس لیے اس کے سارے نظام میں فکر و عمل کی بے پناہ خرابیاں اُبھر آتی ہیں ـــ چناں چہ نفس انسانی کے تصور میں جاہلیت جدیدہ نے انحراف کیا ہے اور درحقیقت یہ انحراف بھی اللہ کی عبادت سے روگردانی ہی کا نتیجہ ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے انسانوں کے آپس کے انفرادی، اجتماعی، جنسی اور قومی تعلقات کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا ہے۔

فردِ انسانی اور اس کے نفس کی تصویر کشی کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ وہ ایک مسلسل کش مکش کا شکار ہے جو کسی وقت بھی کم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ کش مکش اس کی ترقی اور قوت کارکردگی میں اضافہ کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور اطمینان وسکون تو منفی بیماریاں ہیں، جن سے انسان کو بچنا ہی چاہیے اور قلق و بے چینی ہی زندگی کو رواں دواں رکھتی ہے...!

بے شک اس قلق و بے چینی نے زندگی کو رواں دواں رکھا۔لیکن حیرت، اضطراب، جنون، بلڈ پریشر، عصبی اور نفسیاتی اختلال طرف! اب حالت یہ ہے کہ ہسپتال دماغی اور نفسیاتی مریضوں سے بھرے پڑے ہیں۔حد یہ ہے کہ پاگل پن ایک متمدن مرض اور اختلال علامات تہذیب میں سے خیال کیا جانے لگا ہے۔!

درحقیقت یہ سب جاہلیت کے شاخسانے ہیں ـــ کیوں کہ ''زندگی سے بھرپور حرکت'' اور قلق و بے چینی میں بہت فرق ہے۔!

دورِ اوّل کے مسلمان تاریخ کی سب سے زیادہ متحرک اور زندگی سے بھرپور جماعت تھی ـــــ ایک طرف مسلمانوں نے آدھی صدی سے بھی کم وقت میں سمندر پار تک کے علاقے فتح کر ڈالے۔ تو دوسری طرف مسلمان ایک بلند ترین علمی تحریک کے علم بردار بھی بن گئے۔ ان کے پاس سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی تنظیمات بھی تھیں۔ وہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے چند در چند فکری مذاہب بھی رکھتے تھے۔ پھر ان فکری مذاہب کو معاشرے کی واقعی صورتِ حال پر منطبق بھی کرتے تھے، جس کی بنا پر فقہی مذاہب وجود میں آئے ـــــ جن میں زندگی تھی حرکت تھی اور نشاط تھا۔! پھر یہ سارے کارنامے اپنے تمام کاموں میں اللہ کی طرف متوجہ تھے اور اللہ کے ذکر سے ان کے قلب مطمئن تھے۔!

رہ گیا فرد کا معاشرے کے ساتھ تعلّق۔ تو اس کے بارے میں جاہلیت جدیدہ بتاتی ہے کہ فرد اور معاشرے میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہے ـــــ پھر اس فکر کو سامنے رکھ کر انسانی زندگی کی تفسیریں کی گئیں جس میں ممتاز ترین تاریخ کی مادّی تعبیر ہے۔ جس کے تحت نا تو انسان کو کبھی اس جنگ سے چھٹکارا مل سکتا ہے اور نہ ہی اس کش مکش میں کوئی کمی واقع ہو سکتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ کش مکش حق و باطل کے درمیان نہیں ہے۔ حالاں کہ جس انسان کو اللہ نے مکرّم اور صاحبِ عزّت بنایا تھا، اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ حق کا علم بردار بنے اور باطل سے برسرِ پیکار رہے۔

جاہلیت حق و باطل کو نہیں جانتی۔ بلکہ جاہلیت تو حق و باطل کا مذاق اُڑاتی ہے۔ جاہلیت کے خیال میں تو انسانوں کے درمیان 'طبقاتی جنگ' برپا ہے۔ جس کے لیے نہ کوئی اخلاقی اصول ہے اور نہ حق و باطل کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ ـــــ اس مفاد پرستی کی جنگ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ حق سے اور اللہ کی متعیّن کردہ حدود سے تجاوز کر کے زیادتی کا مرتکب ہوا ہے ـــــ بلکہ ہر طبقہ اپنے تئیں حق پر ہے اور چوں کہ ہر دو طبقہ کے مفادات مختلف ہیں، اس لیے طبقاتی جنگ ناگزیر ہے اور اس جنگ کے نتیجے میں وہ نظام فیل ہو جاتا ہے جس کے فوائد ختم ہو گئے ہوں۔ حق و انصاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طبقہ کو معاشی انقلاب نے بالادستی عطا کر دی ہے۔ اسی کے مفاد کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوگی اور درحقیقت جاہلیت میں ہوتا بھی یہی کچھ ہے ـــــ 'طبقاتی مفادات' آپس میں ٹکراتے ہیں اور جس طبقہ کے ہاتھ میں

طاقت ہوتی ہے، وہی غالب آجاتا ہے اور آخرکار — 'مارکسی جاہلیت' کے مطابق — پرولتاریوں کو فتح ہوتی ہے۔ اور آناً فاناً تمام طبقات ختم ہوکر یک طبقاتی معاشرہ قائم ہوجاتا — اور دُنیا اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

رہ گئے — انسان کے جنسی تعلقات

تو درحقیقت سب سے زیادہ بگاڑ یہیں رونما ہوا ہے۔

جاہلیت جدیدہ کہتی ہے — کہ —

جنس ایک 'حیاتیاتی عمل' ہے۔ اخلاق کا اس سے کوئی تعلق نہیں!

جنس کا خاندان سے کوئی تعلق نہیں!

جنس انسانی وجود کا اثبات ہے۔!

جنس آرٹ اور فنون لطیفہ کا موضوع ہے!

جنس! آزادی کے ہم معنی ہے!

جنس شخصی مزاج ہے۔ خواہ اس میں اعتدال ہو یا نہ ہو۔ اگر کوئی شخص جنس کے معاملے میں اعتدال پسند ہے تو وہ بھی ٹھیک ہے اور نہیں ہے سو وہ بھی درست ہے۔

اس قسم کی لاتعداد مثالیں اس امر کی گواہ ہیں — کہ جاہلیت جدیدہ کے متوالے جنس کی حقیقت اور انسانی زندگی میں اس کے فطری اور متوازن ہونے کو نہ پاسکے۔ اور انسانیت کو تاریخ کی عظیم ترین 'جنسی بے راہ روی' میں مبتلا کردیا۔

قوموں اور قبائل کے تعلّقات، جاہلیت جدیدہ کی نظر میں ایک دوسرے پر حیوانات کی طرح غلبہ پانے کی جدّوجہد ہے — اگر دو قومیں آپس میں ملیں تو وہ 'قومیت' کی حدبندیوں میں ملیں۔ جیسے جانور چراگاہوں کی باڑ پر ملتے ہیں۔ یا پھر ان اقوام کا اختلاط جنسی حدود میں ہو یا کسی مشترکہ مفاد کی خاطر دو قومیں متحد ہوجائیں۔

بہرکیف جاہلیت جدیدہ میں قوموں کا اتحاد اللہ کی خلقت کے مطابق نہیں ہوسکتا اور ان بنیادوں پر ہوسکتا ہے کہ جو انسان کے لیے انسانیت کی حیثیت میں ہونی چاہئیں۔

یہ انسانی تعلقات کے بارے میں جاہلی تصوّرات کی صرف چند جھلکیاں تھیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم الکسیس کارل کی کتاب ''الانسان ذالک المجھول'' سے چند سطور نقل کر کے اپنی گفتگو ختم کر دیں ــــــ

الکسیس کارل ایک ہم عصر سائنس داں ہے جو مذہب سے متأثر ہو کر نہیں لکھتا بلکہ سائنس کی طرف سے جو ''وحی'' آتی ہے وہ ہی کہتا ہے:

''سچ تو یہ ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو سمجھنے کی بے پناہ کوششیں کی ہیں اور ہر زمانے میں علماء، فلاسفہ، شعراء اور روحانی پیشواؤں نے ان گنت افکار پیش کیے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود ہم اپنے وجود کے صرف چند گوشے ہی سمجھ پائے ہیں ــــــ ہم انسان کو مکمّل حیثیت سے نہیں جانتے...بس اتنا جانتے ہیں کہ انسان چند مختلف اجزا سے مرکب ہے اور یہ اجزا خود ہمارے ذہن کے تراشیدہ ہیں۔ بس ہر شخص چند سایوں کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور ان سایوں کے پیچھے کچھ اَن دیکھی حقیقتیں ہیں۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارا جہل ہمارے علم سے زیادہ وسیع ہے کیوں کہ انسانیت کا مطالعہ کرنے والوں کے سامنے 'انسان' کے بارے میں جو سوالات آتے ہیں۔ ان میں اکثر کا ابھی تک کوئی حل نہیں پیش کیا گیا اور ہماری اندرونی ساخت کے بہت سے حصّے ابھی تک نامعلوم پڑے ہیں۔

''بہر کیف سائنس دانوں نے انسان کے بارے میں جتنی بھی تحقیقات پیش کی ہیں۔ وہ ابھی تک بالکل ابتدائی ہیں اور قطعاً ناکافی ہیں۔''

پھر آگے چل کر یہ سائنس داں بتاتا ہے کہ ہماری اس گمبھیر جہالت کا انسان کی معاشی، اجتماعی، تہذیبی اور فکری زندگی پر کیا اثر پڑا ہے:

''تہذیب جدید'' انسانیت کے لیے ایک دل دل ہے۔ کیوں کہ یہ قطعاً ہمارے مزاج کے مطابق نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ اس تہذیب کی بنیادیں، چند سائنسی ایجادات، لوگوں کی توہم پرستی اور ان کی خواہشات ہیں ــــــ اور باوجودیکہ یہ تہذیب ہماری ہی کوششوں کے نتیجے میں عالمِ وجود میں آئی ہے۔ پھر بھی یہ انسانیت کے لیے غیر صالح ہے۔ ہمارے دَور کے ''نظریہ پرست'' انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف تہذیبوں کی بنیاد رکھتے ہیں ــــــ لیکن ان تہذیبوں میں انسان کی ایک بھدّی اور نامکمّل تصویر کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ ہونا تو چاہیے کہ ہر بات کی ناپ تول کا پیمانہ خود انسان ہو، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ انسان تو اپنی اس خودساختہ دُنیا میں

خود ہی اجنبی ہوکر رہ گیا ہے۔ اب انسان اپنی دنیا کی تنظیم از خودنہیں کرسکتا۔ کیوں کہ اس کو طبیعت انسانی کی کوئی عملی معرفت ہی حاصل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ’’حیاتیاتی علوم‘‘ کے بالمقابل ’’جماداتی علوم‘‘ کی ترقی ایک بھیانک مصیبت بن کر انسان کے سامنے آرہی ہے... ہم بھی بڑے ہی بد بخت ہیں۔ کیوں کہ ہم عقلی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے زوال پذیر ہیں ـــــ وہ قومیں جو آج مادّی تہذیب کی بلندیوں کو چھورہی ہیں۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو وہ کمزوری کا شکار نظر آئیں گی بلکہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے پہلے یہی ترقی یافتہ اقوام پھر بربریت اور لاقانونیت اختیار کرنے والی ہیں۔

جاہلیت جدیدہ نے انسانی تصوّرات میں جو فساد برپا کیا ہے۔ یہ اس کی تھوڑی سی جھلک ہے ـــــ اس جاہلیت نے فکر کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں فساد نہ پیدا کردیا ہو ـــــ

اور یہ سارا بگاڑ صرف ایک بڑے اور بھیانک بگاڑ سے پیدا ہوا ہے ـــــ یعنی اللہ کے وجود کا انکار۔‘‘

تاریخ کی ساری جاہلیتوں میں سب سے زیادہ جاہلیت جدیدہ اس وہم میں مبتلا ہے کہ مذہب انسان کا ذاتی اور شخصی معاملہ ہے اور عملی زندگی سے مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہے کیوں کہ مذہب خدا اور انسان کے تعلق کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فکر کا خالص جاہلی بگاڑ ہے اور جو حقیقت آج یورپ اور مغربی تہذیب کے اپنانے والوں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ عقیدہ کا فساد اور اللہ کی عبادت سے روگردانی صرف ضمیر کے کسی گوشہ میں چھپ کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ اس کا اثر پوری انسانی زندگی پر پڑا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں رہا جو بگاڑ کا شکار نہ ہوا ہو۔

عقیدے کے بگاڑ نے لازمی طور پر زندگی کو فساد سے ہمکنار کردیا۔ کیوں کہ عقیدہ صرف خدا اور بندے کے تعلق کا نام نہیں۔ بلکہ عقیدہ پوری زندگی کو اپنے کنٹرول میں لے لیتا ہے۔ جہاں عقیدے میں ذرا سا بھی فساد اور معمولی سا بھی بگاڑ رونما ہوا تو وہ فساد اور بگاڑ پوری انسانی زندگی پر چھا گیا اور انسانی زندگی عقیدے اور فکر کے اس فساد و بگاڑ کے زیر اثر سرگشتہ و حیران ہوکر رہ گئی۔

ہم نے ابھی بتایا کہ عقیدہ کا بگاڑ انسانی افکار و تصوّرات میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ لیکن معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوتا بلکہ افکار و تصوّرات کا بگاڑ لازمی طور پر عملی زندگی میں فساد پیدا کرتا ہے۔

عمل کا بگاڑ

اللہ کی عبادت سے روگردانی کرنے میں جاہلیت جدیدہ کا گمان تھا کہ ضروری نہیں ہے کہ عقیدے میں بگاڑ پیدا ہونے سے کائنات، زندگی اور انسانیت کے بارے میں تمام تصوّرات میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ کا ابتدا ہی سے یہ گمان تھا کہ اس کے کسی عمل میں بگاڑ پایا ہی نہیں جاتا۔

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ۝ (الاعراف:۳۰)

''اُنھوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔''

گزشتہ باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ عقیدے کا بگاڑ کس طرح تمام جاہلی افکار و تصوّرات پر چھاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ جاہلی افکار میں نہ کوئی منطقی استدلال باقی رہا اور نہ ہی سچائی کی کوئی رمق! سارے افکار کی لگام خواہشات کے ہاتھ میں آ گئی حتّٰی کہ ''تجرباتی سائنس'' بھی خواہشات کی تابع ہو گئی۔ حالاں کہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سائنس کا اور خواہشات کا کیا رشتہ؟ بلکہ سائنس تو تمام معاملات میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے اور حق و باطل کا معیار ہے۔!

سائنس دانوں کے اقوال سے ہمیں یہ تو علم ہو ہی گیا ہے کہ خود سائنس دانوں کے نزدیک جہاں عقیدہ خود صحیح بنیادوں پر قائم نہیں وہاں سائنس بھی کسی یقینی حقیقت کا پتہ نہیں دیتی۔ سائنس خود انسانی خواہشات و تصوّرات کے پیچھے دوڑ رہی ہے اور سائنس کی جو کچھ بھی تحقیقات ہیں وہ صرف ظاہر اشیاء کے بارے میں ہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود لوگ جاہلیت سے اتنے متاثر ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اگر تصوّرات میں بگاڑ پیدا بھی ہو جائے تو بھی انسانی زندگی صحیح خطوط پر چلتی رہے گی اور سیاسیات، اجتماعیات، معاشیات، اخلاق اور فن۔ غرض زندگی کے کسی گوشے میں بھی ابتری پیدا نہ ہوگی کیوں کہ نظریات ایک علیٰحدہ شے ہیں اور عملی زندگی ایک علیٰحدہ شے ہے۔ نظریات لوگوں کے افکار و خواہشات سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب کہ عملی زندگی کا مدار واقعیت اور تجربہ پر ہوتا ہے۔ پھر اسی واقعیت اور تجربہ کی بنیاد پر تنظیمات وجود میں آتی ہیں، جو ایک دوسرے کی اصلاح کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح سارا نظام خود بخود درست ہوتا چلا جاتا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاؕ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo

(الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)

''کیا ہم تمہیں اُن لوگوں کے بارے میں نہ بتلا دیں جو اعمال کے بارے میں خسارے میں ہیں جن کی زندگی کی ساری کوششیں ناکامیوں کا شکار ہو گئیں اور وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔''

ایک پُرانی ضرب المثل ہے کہ جب لکڑی ہی ٹیڑھی ہو تو سایہ کیسے سیدھا ہوگا؟

جاہلیت میں جو کہیں کہیں کوئی بھلائی اور کسی کسی معاملے میں انصاف پایا جاتا ہے۔ اس نے لوگوں کو اس خیال خام میں مبتلا کر دیا ہے کہ تصوّرات میں بگاڑ کا اثر عملی زندگی پر نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ تھوڑی سی ظاہری بھلائی دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ زندگی اچھی طرح رواں دواں ہے۔

ہم یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ کوئی بھی جاہلیت مطلقاً خوبیوں سے خالی نہیں ہوا کرتی بلکہ کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ضرور ہے۔ البتہ اس کا سرچشمہ حقیقی بھلائی نہیں ہوتا ــــ ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ جاہلیت جدیدہ کی دو باتوں نے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ ایک علمی موشگافیوں کی کثرت اور دوسرے زندگی کی آسائشات کی زیادتی، جس کی بنا پر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ بھلائی ساری زندگی پر چھائی ہوئی ہے اور زندگی کے تمام معاملات بہتر طریقے پر چل رہے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ بے پناہ 'شیطانی وسائل' کام میں لاکر اس شر اور برائی پر پردہ ڈال دیا گیا ہے، جس میں لوگ پھنس کر رہ گئے ہیں۔

اگر لوگوں کو اس عظیم الشان شر اور زندگی کے اس بھیانک بگاڑ کا ذرا بھی اندازہ ہوجائے تو وہ فوراً سمجھ جائیں کہ جاہلیت جدیدہ اپنی گندگیاں اور نجاستیں چھپانے کے لیے جس خیر و بھلائی کے راگ الاپ رہی ہے۔ اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے ــــ بلکہ یہ معمولی سی بھلائی بھی بُرائیوں کے بحر بیکراں میں غرق ہوتی نظر آئے۔ بلکہ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ برائیوں کے اس تلاطم خیز سمندر میں خود انسانی کشتی ٹوٹ پھوٹ چکی ہے اور قریب ہے کہ غرق ہوجائے۔!!

بعض لوگ جاہلیت جدیدہ کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جاہلیت کا بگاڑ پوری انسانی زندگی کو محیط نہیں ہے۔ بلکہ زندگی کے کسی ایک گوشے میں پایا جاتا ہے ــــ مثال کے طور پر اخلاق بگاڑ و فساد کا شکار ہوگئے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ساری زندگی نہ صرف یہ کہ بگاڑ سے پاک صاف ہے بلکہ نہایت بہترین زندگی ہے اور ترقی کی ایسی بام عروج پر ہے، جس سے آگے کی تمنّا اور خواہش نہیں کی جاسکتی۔

ہرگز نہیں! جاہلیت جدیدہ ایسی بُرائی ہے، جو زندگی کے ہر ہر پہلو کو محیط ہے۔ ہم آگے چل کر بتائیں گے کہ جاہلیت کا بگاڑ کس طرح انسانی زندگی پر چھا گیا ہے۔ سیاسیات، معاشیات، اجتماعیات، اخلاق، دونوں جنسوں کے تعلّقات، آرٹ اور فن، غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں فساد سرایت نہ کر گیا ہو۔!

لیکن سب سے پہلے ہم یہ حقیقت ذہن نشین کرا دینا چاہتے ہیں کہ ایسا ہرگز ممکن نہیں ہے کہ تصوّرات و افکار بگاڑ کا شکار ہوں اور عملی زندگی بالکل استوار ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔!

اسی وجہ سے جاہلیت جدیدہ نے اپنے عظیم ترین وسائل اس بات پر صرف کر دیئے ہیں کہ لوگوں کی توجہ فکر کے فساد سے ہٹا کر اس بات پر مرکوز کر دی جائے کہ ان کی عملی زندگی نہایت خوب و درست ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہے۔

اور ــــ اگر کبھی لوگوں کے ذہن میں بھولے سے بھی یہ بات آجائے کہ ان کی زندگی کا فلاں عمل اللہ کی ہدایت کے خلاف ہے ــــ یا ــــ حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا یا

اخلاق سے گرا ہوا ہے ـــ تو فوراً ساری جاہلی مشینری حرکت میں آ جائے گی۔ اور سارے نشرو اشاعت کے وسائل اس جاہلی عمل کی تائید و توثیق میں سرگرم عمل ہو جائیں گے اور یہ پراپیگنڈہ ہوگا ـــ کہ ـــ

'' بھئی! کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اب تم '' ترقی یافتہ'' زندگی گزار رہے ہو۔ کیا تم ترقی سے بالکل ہی غافل ہو؟ کیا تم رجعت پسند ہو؟ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں 'رجعت پسندی' گھس جاتی ہے! تف ہے اس 'رجعت پسندی' پر کہ سب کچھ قابل برداشت ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ تم بیسویں صدی میں بھی رجعت پسند رہو۔''!!

جب بھی کوئی شخص ارادہ کرتا ہے کہ جاہلیت جدیدہ کے اس شر پر سے پردہ اُٹھائے جس میں لوگوں کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ تو فوراً جاہلیت جدیدہ اپنے تمام نشر و اشاعت کے ذرائع پریس، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن اس شخص کی آواز دبانے پر لگا دیتی ہے۔

بس جس کسی نے بھی لوگوں کو راہِ حق دکھانے کی کوشش کی، اس کے راستے میں '' رجعت پسندی'' کا بم چھوڑ دیا۔!

اور جو شخص حق و انصاف کا خون کرنے نکلے اُس کے ہاتھ میں '' ترقی'' کا ہتھیار دے دیا۔!

اور ـــ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جاہلیت مسلسل '' حق'' و '' باطل'' کو آپس میں خلط ملط کرتی رہتی ہے ـــ یہاں تک کہ حق و باطل کی ایسی آمیزش ہو جاتی ہے کہ مظلوم یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میری زندگی میں انصاف ہو رہا ہے۔ گمراہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں اور جو برائیوں اور شر میں مبتلا ہیں وہ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ان کے گرد و پیش میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے! ـــ

بس حقیقت تو یہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں زیادہ دلدل والی، زیادہ خبیث اور زیادہ سخت گیر ہے!!

جاہلیت اس کی ہمہ گیری اور بالا دستی کے باوجود بیان حقیقت کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ کیوں کہ حق و سچائی میں وزن ہوتا ہے اور جاہلیت کو خواہ کتنی بھی طاقت حاصل ہو۔ یہ ممکن نہیں

ہے کہ وہ ایک طویل زمانے تک حق اور سچائی پر پردہ ڈالے رکھے۔ بلکہ ایک ایسا وقت آتا ہے کہ حق پر سے پردہ اُٹھ کر رہتا ہے۔

اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ انسانیت جاہلیت کے خوابِ گراں سے بیدار ہونے لگی ہے اور کچھ لوگوں نے جاہلیت کے پھیلائے ہوئے اس عظیم الشان شر کو محسوس بھی کرنا شروع کر دیا ہے، لیکن یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ معاملہ آسان ہے اور اب جلد ہی یہ مہم سر ہو جائے گی۔ کیوں کہ جتنی بھیانک اور سخت گیر جاہلیت ہوتی ہے اتنا ہی سخت معرکۂ حق و باطل ہوتا ہے اور اس معرکہ میں فتح یاب ہونے کے لیے بڑے جاں گسل اور زہرہ گداز جہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

البتہ ایک حقیقت کو نہ صرف ذہن نشین کر لیا جائے۔ بلکہ اس پر ایمان بھی لے آنا چاہیے اور وہ یہ کہ باطل خواہ کتنا بھی پھیل جائے۔ لیکن وہ حق کبھی نہیں بن سکتا اور شر خواہ کتنا ہی محیط کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ خیر کبھی نہیں ہو سکتا۔ باطل ہمیشہ باطل رہے گا اور شر ہمیشہ شر رہے گا۔!

اسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اب ہم جاہلیت کے پیدا کردہ اس بگاڑ اور فساد کو بیان کرتے ہیں، جو اس نے انسان کی عملی زندگی میں برپا کیا ہے۔ جیسے ہم پہلے باب میں ”فکر کا بگاڑ“ بیان کر چکے ہیں۔

جس طرح ”فکر کا بگاڑ“، ”حقیقت الٰہی“ کائنات، زندگی، انسان اور انسانوں کے آپس کے تعلقات کے بارے میں تمام تصوّرات و افکار کو محیط ہو گیا ہے۔ اسی طرح ”عمل کا بگاڑ“ بھی سیاسیات، معاشیات، اجتماعیات، اخلاق، آرٹ اور فن۔ غرض انسان کی ساری عملی زندگی پر چھا گیا ہے۔

سیاست کا بگاڑ

یورپ کا جاگیرداری نظام

اگر چہ آزادی کا دَور ہے۔ لیکن تاریخ کی بدترین آمریتیں اسی دور میں وجود میں آئی ہیں۔
کچھ تھوڑا سا وقت گزرا ہے کہ پورے یورپ میں جاگیرداری نظام چھایا ہوا تھا۔ لوگ جاگیرداروں کے غلام تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ بھگوڑا، متصور ہوتا اور قانون کے ذریعے اسے پکڑ کر لایا جاتا اور آگ کا داغ لگا کر اُس کے جسم پر غلامی کی نشانی ثبت کر دی جاتی تھی۔ کیوں کہ یہ شخص اپنے خداوند جاگیردار کی نافرمانی کا مرتکب ہوا تھا۔
یہ جاگیردار اپنے غلاموں کو زندگی گزارنے کے لیے زمین کا ایک ٹکڑا دے دیا کرتے تھے۔ لیکن زمین کے اس ٹکڑے پر ان غلاموں کے حقوق غیر مالکانہ ہوتے تھے۔ بالکل اس طرح جیسے بکریوں کا ایک گلّہ چراگاہ میں چرتا ہے اور دودھ گھی دیتا ہے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

جاگیرداری نظام میں پیداوار آزاد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس نظام میں پیدا کرنے والا براہِ راست اپنے مالک سے چند اقتصادی منفعتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مطالبہ یا تو پیدا کرنے والے کی خدمات میں کچھ رعایت برت کر ادا کیا جاتا ہے یا کچھ نقد ادائے گی کے ذریعہ حساب دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں جاگیرداری معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہوتا ہے۔
پہلا طبقہ تو خود مالکان اراضی اور جاگیرداروں کا ہوتا ہے۔
اور دوسرا طبقہ مزارعین کا ہوتا ہے، جس میں کسان، مزدور، کاشت کار اور غلام سب ہی ہوتے ہیں۔ (اگر چہ غلام رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے)

کسان پیدا کرنے والے ہوتے تھے اور ان کو اس پیداوار کے صلہ میں زمین کا ایک ٹکڑا دے دیا جاتا تھا، جس کے ذریعے وہ اپنی روزی کماتے اور ضروریات زندگی مہیّا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے گھروں میں زراعت سے متعلق چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی کرتے رہتے تھے۔ اوران سہولتوں کے عوض کسانوں پر کچھ ذمے داریاں بھی عائد ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر انھیں ہفتہ وار مالک کی زمین میں اس کے آلات اور جانوروں سے کاشت کرنا ہوتی تھی۔ تہواروں اور تقریبات کے موقعوں پر مالکوں کو ہدیئے پیش کرنے پڑتے تھے۔ مالک کی قائم کردہ چکیوں میں اس کا آٹا پیسنا پڑتا تھا اور شراب خانوں میں مالک کے لیے انگور نچوڑنا پڑتا تھا۔

ہر قسم کے فیصلے جاگیردار کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ گویا اپنے علاقے کے لوگوں کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم اسی کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

''اس کے علاوہ جاگیری نظام میں پیداوار آزاد نہیں ہوتی۔ کیوں کہ کسان کو نہ تو زمین کے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور نہ ہی اسے فروخت کرنے یا وارث بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ بس وہ تو جاگیردار کی زمین میں اپنی منشا اور مصلحت کے خلاف ہل چلاتا رہتا ہے اور غیر مقررہ ٹیکس ادا کرتا رہتا ہے۔ تاکہ جاگیردار کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہے اور جب زمین ایک جاگیردار سے دوسرے جاگیردار کے پاس پہنچی تو کسان بے چارہ بھی زمین کے ساتھ ہی بک گیا۔ کسان کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ ایک مالک کو چھوڑ کر دوسرے آقا کے پاس چلا جائے۔ بس یوں سمجھیے کہ اس وقت کا کسان، پرانے زمانے کے غلام اور آج کے آزاد کسان کے درمیان کا ایک درجہ رکھتا تھا(۱)''

یہ تھی وہ بدترین صورتِ حال جس میں قرون وسطی کا جاہلی یورپ مبتلا تھا اور یہ تھے وہ رسم ورواج، جو کلیسا کی زیر نگرانی جاری تھے۔

ہر قسم کے جزئی بگاڑ کے باوجود اسلامی دنیا اس قسم کی بدترین صورت حال سے کبھی بھی دوچار نہیں ہوئی کیوں کہ اللہ کا قانون بہر حال کسی نہ کسی طرح نافذ ضرور تھا اور یہی اللہ کا قانون تھا۔ جو اس بے پناہ ظلم کے راستہ میں حائل تھا، جو اللہ کی نافرمانی کر کے مشہور یونانی قانون کے نظامِ عدل پر قائم تھا!!

---

(۱) النظام الاشتراکی 'اشتراکی نظام'۔ راشد البرآوی

بہر کیف وہ وقت بھی آ ہی گیا، جب جاگیرداری نظام ختم ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ یورپ کے ضمیر نے اس کی خرابیاں محسوس کر لی تھیں۔ کیوں کہ جاہلیت کو اپنے نظام میں کبھی بھی کوئی خرابی نظر نہیں آتی — بلکہ — تاریخ کے مادّی فلسفہ کے مطابق جاگیرداری نظام اس لیے ختم ہوا کیوں کہ مشین ایجاد ہو گئی اور نئے معاشی نظام نے جنم لے لیا۔

تاریخ کا مادّی فلسفہ کہتا ہے کہ ''ترقی پذیر طبقہ'' مادّی انقلابات کے تحت اس طبقے کو ختم کر دیتا ہے۔ جس کا دَور مکمل ہو گیا ہو، اور جس طبقہ کا دَور اقتدار پورا ہو جائے، وہ لازمی طور پر ختم ہو جاتا ہے اور ان ''مادی وطبقاتی انقلابات'' میں حق و انصاف کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

جاگیرداری اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس لیے کہ اس کا مادّی اور طبقاتی دَور ''مکمل ہو چکا تھا اور جاگیرداری کی جگہ نئے نظام نے اس لیے نہیں لی کہ نیا نظام پرانے ظلم کو ختم کرنے کے لیے وجود میں آیا تھا۔ بلکہ اس لیے کہ اس نئے نظام کا مادّی وطبقاتی دور آ گیا تھا۔ یعنی اس کی ''تاریخی جبریت'' اسے وجود میں لے آئی۔''

تاریخ کا مادّی فلسفہ ذرائع پیداوار کی تعدیل سے اُبھرنے والے معاشی نظام اور طبقۂ حاکمہ میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ کیوں کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے بجائے اپنے ہوائے نفس کی اتباع کرتی ہے۔ اسی وجہ سے مالکوں کا طبقہ نفع اندوز اور جابر حاکم بن جاتا ہے اور عوام مستقل ظلم و ستم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

جاہلیت — خواہ واقعاتی ہو یا نظریاتی — کسی ایسی صورت حال کا تصور بھی نہیں کر سکتی، جس میں معیشت ذرائع پیداوار میں علمی تغیرات واقع ہونے سے، طبعی طور پر مختلف شکلیں اختیار کرتی رہے اور اس میں ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے ناجائز انتفاع نہیں کرتا کیوں کہ جاہلیت کے متوالوں نے اپنی طویل ترین جہالت میں کبھی بھی اللہ کے نازل کردہ قانون کو نافذ نہیں کیا اور نہ ہی یہ دیکھا کہ اس نظام میں کس طرح تمام امور حق و انصاف سے انجام پاتے ہیں۔ خواہ آپ تھوڑی دیر کے لیے اقتصادی نظام کو نظر انداز کر دیں۔ کیوں کہ اللہ کا نازل کردہ قانون کسی ایک نظام زندگی سے پیوستہ نہیں ہے اور نہ یہ قانون معاشی، اجتماعی اور سیاسی ڈھانچوں میں بٹا ہوا ہے۔ کیوں کہ یہ قانون الٰہی تو انسان کے لیے ہے خواہ انسان ترقی و تغیر کے کسی بھی مرحلہ پر کیوں نہ ہو۔

سرمایہ دارانہ جمہوریت

بہر کیف مشین کی ایجاد سے یورپ میں جاگیرداری نظام ختم ہوگیا اور اس کی جگہ معاشرے میں ایک نئی تبدیلی رونما ہوگئی۔

کارخانوں کے لیے مزدور دیہات ہی سے مہیّا ہو سکتے تھے۔ چناں چہ جاگیرداری کا خاتمہ لازمی قرار پایا۔ تاکہ کسان زمین سے اپنی گردن چھُڑا کر نئے کام کے لیے دیہات سے شہر میں آجائیں۔(۱)

عوام زمین کی غلامی سے چھوٹ گئے اور دیہات کی غلامی سے نکل کر شہروں کی آزادی میں آگئے۔

بے چارے عوام نے یہ سمجھا کہ وہ تمام زنجیریں توڑ کر آزاد ہوگئے ہیں اور اب ان کا جو جی چاہے گا کریں گے۔ حالاں کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک 'جاہلی نظام' سے نکل کر دوسرے 'جاہلی نظام' کی گرفت میں جارہے تھے۔ اور اِس نئے نظام میں جو غلامی کی زنجیریں تیار تھیں وہ ابھی تک ان کے سامنے نہ آئی تھیں۔ البتہ وہ اپنے پیروں پر چل کر اس نئی غلامی کی طرف جارہے تھے۔

تاریخ کا مادّی فلسفہ کہتا ہے کہ مشین کی ایجاد کے بعد ایک نئے طبقے نے جنم لیا اور عمل پیداوار جاگیردارانہ کے بجائے سرمایہ دارانہ بن گیا۔ اس لیے یہ دم گھونٹنے والی غلامی وجود میں آئی۔

مادّی فلسفہ کے ماننے والے سمجھتے ہیں کہ انھوں نے حقیقت کو پالیا ہے اور نہایت ہی کام کی بات بتائی ہے۔ حالاں کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح جاگیرداری نظام کی جاہلیت نے اللہ کے نازل کردہ قانون کو ٹھکرا دیا۔ اسی طرح سرمایہ داری کی جاہلیت جدیدہ نے اللہ کے نازل کردہ احکام کو ماننے سے انکار کر دیا۔

دونوں جاہلیتوں میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہے کہ محنت کشوں کی کمائی صاحب اقتدار لے اڑیں۔!

---

(۱) تاریخ کا مادّی فلسفہ یہی کہتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ تیرہویں صدی میں یورپ کے کسانوں نے اپنی غلامی کے خلاف احتجاج شروع کر دیا تھا۔ قدرت کے اس حکم کے مطابق کہ عوام ایک طویل مدّت تک ظلم برداشت کرتے کرتے آخر اس ظلم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حالاں کہ ذرائع پیداوار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جب تیرہویں صدی میں کسانوں نے زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا اس وقت سرے سے کسی نئے اقتصادی نظام کا وجود ہی نہ تھا۔

ایک ہی ''طاغوت ہے جو ہر جاہلیت کے لوگوں سے اپنی اتباع کراتا ہے۔ کیوں کہ لوگ اللہ کی اتباع نہیں کرتے۔''

بے شک یہ ''طاغوت'' مسلمانوں میں بھی تھا اور جس قدر مسلمان اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے بھٹکتے گئے۔ ان پر طاغوت کی گرفت مضبوط ہوتی گئی —— لیکن چوں کہ مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کے قانون کو نافذ کیے ہوئے تھے اس لیے ''طاغوت'' اس طرح نہ چھا سکا جس طرح اس نے یورپ پر چھا کر لوگوں کی زندگیوں کو جہنّم بنا دیا۔

مسلمانوں میں جاگیرداری کبھی بھی اس شکل میں ظاہر نہیں ہوئی جس بدترین شکل میں وہ یورپ پر چھائی ہوئی تھی اور اسلام ہی اس قابل بھی تھا کہ وہ سرمایہ داری کے ''طاغوت'' کا بھی راستہ روک لیتا۔ اگر مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کے قانون کو نافذ کیے ہوتے۔

خیر! ہم یورپ کی جاہلیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس کی کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

جو کچھ ہوا وہ ''اقتصادی جبری تغیر'' نہیں تھا۔ جیسا کہ مارکسی جاہلیت کہتی ہے۔ بلکہ طاغوت کا اپنی سرکشی جاری رکھنے اور لوگوں کو مزید غلام بنائے رکھنے کے لیے ایک نیا اقدام ہے۔

اور جو کچھ ہوا وہ جبری بھی نہیں تھا بلکہ اس وقت کے حالات کا طبعی نتیجہ تھا۔ یا ایک حیثیت سے جبری بھی کہا جا سکتا ہے اور وہ یہ جب لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کی تعمیل نہیں کرتے تو انھیں ذلّت وغلامی کا مزا چکھانے کے لیے ''طاغوت'' مسلّط ہو جاتا ہے۔

اُبھرتے ہوئے سرمایہ دار طبقہ کا، گرتی ہوئی جاگیرداری کا اقتدار چھین لینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ موجودہ تبدیلی میں ''طاغوت'' مسلّط نہیں ہے۔ 'طاغوت' تو جاگیرداری میں بھی مسلّط تھا اور اب سرمایہ داری میں بھی مسلّط ہے۔ کیوں کہ طاغوت کسی شخص معیّن یا کسی خاص طبقہ کا نام نہیں ہے بلکہ طاغوت تو جابرانہ اقتدار کا نام ہے۔ جس کو چند افراد اپنے ہاتھ میں لے کر باقی تمام لوگوں کو غلام بنا لیتے ہیں —— پھر اقتدار کے لیے رسّہ کشی شروع ہو جاتی ہے اور جس گروہ کو معاشی حالات سہارا دیں وہ اس اقتدار کو اُچک لیتا ہے۔ جیسا کہ جزیرہ نمائے عرب میں قریش اور دیگر قبائل میں اقتدار کی رسّہ کشی جاری تھی۔ حتّٰی کہ قریش کے ہاتھ میں ''طاغوتی'' اقتدار آ گیا اور اقتصادی حالات نے اس اقتدار کو مضبوط تر کر دیا۔ چناں چہ قریش نے دوسرے لوگوں کو مختلف طریقوں سے غلام بنا لیا۔

''تاریخ کا مادّی فلسفہ'' طاغوتوں میں اقتدار کی تبدیلی تو بیان کرتا ہے لیکن خود طاغوت کے پیدا ہونے کے اسباب کا پتہ چلانے سے قاصر ہے اور نہ ہی اسے یہ علم ہے کہ اگر لوگ چاہیں تو روئے زمین سے طاغوت کے وجود کو ختم کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلی فلسفہ ہے اور جاہلیت کی تشریح کر رہا ہے۔

شروع میں اس نئی غلامی (سرمایہ داری) کی نشانیاں واضح نہیں تھیں۔ بلکہ سرمایہ داری آزادی کا جھنڈا لیے ہوئے سامنے آئی تھی۔ چناں چہ مزدور زمین کی غلامی سے اور عوام جاگیرداری کی غلامی سے آزاد ہوئے۔

کچھ سیاسی اور اجتماعی تبدیلیاں آئیں۔ جن پر آزادی کی مُہریں لگی ہوئی تھیں اور ان سب تبدیلیوں کا نام ''جمہوریت'' رکھ دیا گیا۔!

حقیقت یہ ہے کہ جاہلیت جدیدہ نے کچھ آزادی دی اور کچھ عوام کی بھلائی کے کام کیے، جس سے لوگ دھوکہ کھا گئے اور نیا طاغوت انہیں آہستہ آہستہ اپنی غلامی میں لیتا گیا۔

اگر آپ کسی ایسے آدمی کو لیں ــــ جو قانونی طور پر زمین سے بندھا ہوا ہو اور زمین کو چھوڑنے سے بہت سی مادّی اور معنوی رُکاوٹیں پیش آتی ہوں یا آپ ایسے شخص کو لیں جو سوسائٹی کی اخلاقی اور سماجی بندشوں کو توڑنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو۔ (اگر چہ خود اس سوسائٹی کے لوگ ان بندشوں کی اپنے دل میں کوئی اہمیت نہ سمجھتے ہوں) یا ــــ آپ ایسے شخص کو لے لیں، جو کلیسا کے اقتدار کے خلاف آواز نہ اُٹھا سکے اور اگر ایسا کرنے لگے تو اُسے بے دین اور ملعون سمجھا جائے۔

اگر آپ ایسے شخص کو کسی شہر میں لے جا کر چھوڑ دیں جہاں وہ گلی کوچوں میں اخلاقی بے راہ روی پھیلاتا پھرے اور کوئی اُسے روکنے والا نہ ہو اور کلیسا کے اقتدار کی پرواہ نہ کرے اور کوئی اسے بے دین کہنے والا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت یہ شخص اپنے آپ کو آزاد ہی سمجھے گا۔!!

بہر کیف انسان کو کچھ ایسی آزادیاں ملیں، جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا۔ آزادیِ نقل... آزادیِ عمل... آزادیِ اجتماع... آزادیِ رائے اور آزادیِ صحافت...

کچھ ایسی ضمانتیں ملیں، جن کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا... مثلاً اتہام، تحقیق اور عدالت کی ضمانتیں! ان آزادیوں اور ضمانتوں کو دیکھتے ہوئے انسان کو یہی سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ آزاد ہو گیا ہے۔!

پھر پارلیمان وجود میں آئی۔

آزادانہ انتخابات، عوامی نمائندگی، عوام کی نمائندہ حکومت اور عوام کی مرضی سے چلائی جانے والی حکومت کے ڈھونگ رچائے گئے۔

اور لازمی طور پر انسان نے یہی سمجھا کہ وہ آزاد ہو گیا ہے!!

ان خوش کن نعروں کے ساتھ، دور سرمایہ داری میں جاہلیت جدیدہ وجود میں آئی، جس کی ظاہری شکل واقعی حد درجہ تابناک ہے۔!

علمی اور مادّی ترقیات نے اس تصویر میں مزید رنگ کاری کی اور انسان نہ صرف یہ کہ زمین کی غلامی سے آزاد ہو گیا، نہ صرف یہ کہ اخلاقی بندشوں سے چھوٹ گیا، نہ صرف یہ کہ کلیسا کے اقتدار سے نجات مل گئی اور نہ صرف یہ کہ اسے نمائندگی اور قانون سازی کا اختیار مل گیا بلکہ انسان محنت و مشقت سے بھی آزاد ہو گیا ہے۔ کیوں کہ علمی اور مادّی ترقیات نے انسان کو تھکا دینے والی محنتوں سے نجات دلا کر، یہ سارے کام مشینوں کے سپرد کر دیئے اور انسان بالکل ہلکا پھلکا خوش باش ہو کر اپنے سرمایۂ زندگی کو محفوظ کر کے بیٹھ گیا۔!

یہاں پر ہم جاہلیت جدیدہ کے اجتماعی، اقتصادی، اخلاقی اور فکری بگاڑ کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ صرف سیاسی بگاڑ کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ (اگر چہ زندگی باہم مربوط ہے) اور سیاسی زندگی کا اجتماعی، اقتصادی، اخلاقی اور فکری زندگی سے علیٰحدہ ہو کر کوئی وجود نہیں ہے۔

جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔ تو جہالت جدیدہ جس نے کلیسا کے اقتدار سے فرار اختیار کر کے عوامی رائے اور مرضی کا سہارا لیا تھا۔ حقیقت میں یہ جاہلی سیاست عوام کی مرضی سے حکومت نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ ساری سیاست کی بنیاد ایک ایسے وہم پر تھی جس کا حقیقت واقعیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیوں کہ جاہلیت جدیدہ نے جب اللہ کے نازل کردہ احکام کو ٹھکرا دیا تو اس کے سامنے اِس کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا کہ وہ طاغوت کی مرضی کے مطابق حکمرانی کرے۔ گویا عوام کی رائے اور مرضی سے جاہلی حکومت جاہلی سیاست کی تصویر کا وہ رُخ تھا، جو لوگوں کے سامنے تھا اور طاغوت کی حکمرانی اس گندی جاہلیت کا اندرونی اور حقیقی رُخ تھا۔!!

''تاریخ کا مادّی فلسفہ'' جاہلیتوں کی تعبیر میں بڑی صداقت سے کام لیتا ہے۔ کہ ''جس طبقہ کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار ہوتا ہے۔ وہ بقیہ تمام طبقات کے مفادات کے خلاف اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر حکومت کرتا ہے۔''

گویا، انتخاب، پارلیمان اور دستور، ان سب تنظیمات کے پسِ پردہ طاغوت ہی حکمران ہے!!

ابتداءً یہ سب امور اتنے واضح نہ تھے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ میں زندگی گزارنے والے کچھ خوش فہم یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ نئی زندگی کو بہتر، اعلیٰ، بلند اور انسانی برتری کے لائق بنیادوں پر استوار کر رہے ہیں!! اور جاہلیت کے پُرشکوہ مظاہر بھی ان کے اس گمان کی تائید کر رہے تھے۔ کیوں کہ یہ بیچارے سمجھ رہے تھے کہ اس جاہلی نظام سیاست میں عوام اپنے نمائندوں کو منتخب کرتے ہیں اور یہ عوامی نمایندے لازمی طور پر عوام کی مرضی اور ان کے مفادات ہی کو مدنظر رکھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ تھی کہ سرمایہ داری کا طاغوت ان کے سروں پر حکمراں بنا بیٹھا تھا۔!

اور اب تو یہ تمام امور اتنے واضح طور پر لوگوں کے سامنے آ چکے ہیں کہ مزید بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ گزشتہ چند سالوں میں سرمایہ داری کے عیوب اور اُس کی برائیوں پر نہایت کثرت سے لکھا گیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سرمایہ داری نظام میں کس طرح محنت کشوں کا خون چوسا گیا ہے حتّٰی کہ سچی آزادی، حقیقی انصاف چاہنے والوں اور طاغوت کی حکمرانی سے نجات چاہنے والوں کے لیے سرمایہ داری ایک کھلا ہوا ظلم و ستم بن گئی۔

ذیل میں اس ظلم و ستم کی ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

> ''۱۹۲۶ء میں انگلستان میں ہونے والی ہڑتال کو کچلنے کے لیے حکومت نے تمام ذرائع اختیار کیے۔ سرمایہ داروں کے قانون نے اعلان کر دیا کہ ہڑتال غیر قانونی ہے۔ چناں چہ پولس اور فوج ہڑتالیوں پر ٹینک اور توپیں لے کر حملہ آور ہوگئی۔ ہڑتال کو ختم کرنے کے لیے صدہا طریقے اختیار کیے گئے۔ یونیورسٹی کے نوجوان طلبہ نے بسیں اور ٹرکیں جلائیں۔ ریڈیو اور اخبارات سے کام لیا گیا۔ ساری حکومتی مشینری مل مالکوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ عوام اور مزدوروں کی انجمنوں کو حسابات پیش کرنے اور ان کے لیڈروں کو گرفتار کرنے کی دھمکیاں دی گئیں...''

مندرجہ بالا واقعات جمہوریت کے پیدائشی وطن انگلستان میں پیش آئے اور بیان کرنے والا بھی کوئی انگریز دشمن نہیں بلکہ خود انگریز ہے(۱)''

امریکہ کا حال انگلستان سے بھی بدتر ہے۔ وہاں کے پیشہ وروں کی پارٹیاں نام نہاد

---

(۱) ہنری فورڈ ـــــ ترجمہ عصام الدین حفنی ناصف۔

جمہوریت کے لیے راہیں ہموار کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص سرمایہ داری کے خلاف بغاوت کرے تو اسے جیلوں میں ڈال کر سزائیں دیتے ہیں۔ اور اگر ضروری سمجھیں تو قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ہارولڈ لاسکی اپنی کتاب ''دورِ جدید کے انقلابات'' میں کہتے ہیں:

''مناسب ہے کہ لوگ مؤثق تفصیلات کا مطالعہ کریں۔ مثلاً انجمن ''لافلوت'' کا فیصلہ جس کو امریکی لارڈز کی مجلس نے اس لیے متعیّن کیا تھا کہ یہ انجمن شہری آزادی میں دخل اندازی کا جائزہ لے تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ یہ دخل اندازی کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ رشوت، جاسوسی، دھوکہ، دھاندلی اور عدالتی بدعنوانیاں تو ایسے امور ہیں، جن کے امریکی لیڈر اور کارکن اچھی طرح عادی ہیں۔

بڑی بڑی صنعتی انجمنوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ ٹریڈ یونین کے مزدوروں کو کچلنے کے لیے بندوقوں اور آنسو گیس سے مسلّح لشکر رکھ سکیں۔!

اس کے علاوہ سینیٹر لانگ کے زمانے میں لویزانا، جرسی اور کیلیفورنیا کے بعض علاقوں میں ''اعلانِ حقوق'' کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ کیوں کہ تاجر اور سرمایہ دار ہر قسم کے مفادات اپنے لیے ہی خاص سمجھتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ معیشت کے سرچشمے انہی کے ہاتھوں میں تھے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ ۱۹۴۰ء تک امریکی تاجروں اور سرمایہ داروں کے ذہن میں فاشیت بُری طرح سرایت کر چکی تھی۔ البتہ ایک باریک سا پردہ جمہوریت کا ڈالے رکھا۔[۱]''

بہرکیف امریکہ کی کیفیت اتنی ظاہر ہے کہ اس کے لیے کتابوں کے اقتباسات دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

امریکی سرمایہ داری اس حد تک گئی گزری ہے کہ رات دن کھلّم کھلاّ جرائم ہوتے ہیں اور سرمایہ داروں کے اشاروں پر ہوتے ہیں۔ حتّٰی کہ سرمایہ داروں کو خوش کرنے کے لیے دن دھاڑے امریکی صدر کنیڈی کو قتل کر دیا گیا۔ کیوں کہ سرمایہ دار ڈرتے تھے کہ کنیڈی کی عالمی کھچاؤ کو کم کرنے کی صلح پسندانہ کوششوں کی بنا پر صنعتوں کا رُخ جنگی سامان سے ہٹ کر تمدّنی سامان کی

---

(۱) تاملات فی ثورات العصر ''دورجدید کے انقلابات''— ہارولڈ۔ لاسکی۔ ترجمہ عبدالکریم احمد ص ۱۸۴۔

طرف منتقل ہو جائے گا اور تمدّنی صنعتوں سے سرمایہ دار اتنا زیادہ منافع نہیں کما سکتے، جتنا وہ جنگی ساز و سامان میں کما لیتے ہیں۔

یہ تو سرمایہ داری کے جرائم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ تخریبِ اخلاق، لوگوں کی معیشت پر قبضہ اور مختلف قوموں کو غلام بنانے کے لیے ''سامراجی توسیع پسندی'' اس کے علاوہ ہے۔

بہر کیف یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ''خیالی جمہوریت'' اب سرمایہ داروں کی آمریت بن گئی ہے۔ اور یہ آمریت ایک طاغوت بن کر لوگوں کو غلام بنا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ جاہلیت اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتی کہ یہ سب خرابیاں اللہ کی راہ سے روگردانی کی بنا پر پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ جاہلیت تو نہ اللہ کے راستے کو پہچانتی ہے اور نہ اس پر یقین رکھتی ہے۔ جاہلیت تو زندگی کی بنیاد اللہ کی وحی سے انحراف پر رکھتی ہے۔ اس کے غور و فکر کے پیمانے ''زمین کی کش مکش'' مفاد پرستی کی لڑائی'' اور ''طبقاتی جنگ'' ہیں۔

جاہلیت کے متوالوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب سود اور ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا تو اس کو انسانوں کے بارے میں ان امور کا علم تھا جن کو انسان نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایسی بھلائی اور خیر کا ارادہ کر رہا تھا جو ان کے وہم و گمان سے بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایسا راستہ متعین کیا جس میں مصلحتوں کا توازن ہے، جس میں عدل و انصاف ہے ظلم و سرکشی نہیں ہے۔

''سیاست'' کے زیرِ عنوان ہم سود کے بارے میں تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے۔ بلکہ اس کا تفصیلی بیان اقتصادیات کے زیرِ عنوان ہوگا۔ لیکن اتنی بات کہتے چلیں کہ اگر سود اور ذخیرہ اندوزی نہ ہوتی تو اپنے دامن میں ہزاروں مصیبتیں سمیٹے ہوئے ملعون سرمایہ داری بھی نہ ہوتی۔ سود اور ذخیرہ اندوزی سرمایہ داری کے دو ستون ہیں اور یہی دونوں اللہ کے قانون میں حرام ہیں۔

سیاست ہو یا اقتصادیت اللہ کا قانون ہی انسانوں کی گردنیں طاغوت کے ظالم پنجے میں جانے سے بچا سکتا ہے۔

اب ہم تاریخ کے ساتھ ساتھ چند قدم اور چلتے ہیں۔

اشتراکی آمریت

جب سرمایہ داری کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہیں رہی تو لوگ اس کے خلاف جہاد کے لیے

اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن باوجودیکہ لوگ سرمایہ داری نظام سے جہاد کر رہے تھے۔ پھر بھی وہ جاہلیت ہی میں تھے۔ پھر بھی وہ اللہ کے راستے سے دور ہی تھے۔ چناں چہ جب انتہائی محنت و مشقت کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سرمایہ داری کے طاغوت سے چھڑایا تو اس طویل عذاب کے بعد بھی ان کو کوئی آرام وسکون نہیں ملا، بلکہ جوں ہی وہ سرمایہ داری کے طاغوتی پنجے سے نکلے، انھیں ایک نئے طاغوت نے اُچک لیا۔ اس نئے طاغوت کے چہرے پر جمہوریت کا نقاب بھی نہیں تھا۔ بلکہ مزدوروں کی آمریت تھی۔

لوگ سرمایہ داری کی آمریت سے نکلے اور مزدوروں کی آمریت میں آ پھنسے! ایک طاغوت سے نجات ملی، دوسرے طاغوت کا شکار ہوگئے۔ مگر اللہ کے راستے سے پھر بھی روگرداں رہے۔

تاریخ کی جاہلی تعبیر بعید از عقل اسباب اور ان کے نتائج پر ایک طویل بحث کرنے کے بعد طبقاتی کش مکش کا تذکرہ کرتی ہے۔ اس کے بعد کہتی ہے کہ یہی وہ وقت ہے جب لازمی طور پر اشتراکیت کو وجود میں آنا چاہیے۔ پھر جاہلیت کے متوالے افیون اور بھنگ کا نشہ پی کر ''پرولتاری آمریت'' کے زیر سایہ حاصل ہونے والی (یوٹوپیا) جنت گم گشتہ کا خواب دیکھتے ہیں۔ یہ جنت جب حاصل ہوگی جب سارے طبقات ختم ہوجائیں گے۔ اور صرف پرولتاری طبقہ رہ جائے گا۔!!

مزدوروں اور سرمایہ داروں کی جنگ حق و انصاف کے نام پر نہیں ہوتی جس حق و انصاف کا فریڈرک اینجلز مذاق اُڑاتا ہے—— بلکہ اس جنگ کی بنیاد ''جبری تناقض'' ہے!

سرمایہ دار ہر قسم کے قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے مزدوروں کا خون چوستا رہتا ہے لیکن آخر کار تاریخ کا لازمی نتیجہ سامنے آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ مزدور حکومت پر قبضہ کرکے ''پرولتاری آمریت'' قائم کردیتے ہیں —— پھر ''پرولتاری آمریت'' —— ''انفرادی ملکیت'' ختم کرکے تمام ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں دے دیتی ہے۔ تمام طبقات ختم ہوجاتے ہیں اور حکومت پرولتاریوں کے مفاد کو سامنے رکھ کر نظامِ حکومت چلاتی ہے۔ (اس لیے نہیں کہ یہ حق وانصاف کا تقاضا ہے بلکہ اس لیے کہ پرولتاری ہی طبقہ حاکم ہے) چناں چہ پرولتاری طبقہ ہر شخص سے بقدرِ طاقت

دولت چھین کر ہر شخص کو بقدر ضرورت دے دیتا ہے۔ آخر کار خود حکومت بھی ختم ہو جاتی ہے اور بھنگ اور افیون کے نشہ میں جنت گم گشتہ سامنے نظر آتی ہے۔

''تاریخ کے مادّی فلسفہ نے'' اس موضوع پر جو ''دیو مالا'' گھڑی ہے۔ وہ بھی قابل داد ہے۔

مارکس نے پیشین گوئی کی تھی کہ سب سے پہلے ''اشتراکی ریاست'' انگلستان میں قائم ہوگی کیوں کہ انگلستان صنعتی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اسی جگہ تاریخ کا وہ لازمی ٹکراؤ ہوگا، جس کے نتیجہ میں حکومت سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکل کر مزدوروں کے ہاتھ میں آجائے گی۔ حالاں کہ اشتراکیت جن ممالک میں قائم ہوئی۔ وہ صنعتی لحاظ سے دنیا کے پس ماندہ ملک تھے۔ یعنی روس اور چین اور انگلستان مارکس کی پیشین گوئی کے اسی برس بعد اس بیسویں صدی میں بھی سرمایہ دار ہی ہے۔

اِس میں ان خرافات کا بھی اضافہ کر لیجیے کہ مستقبل بعید میں حکومت ختم ہو جائے گی اور تمام انسان فرشتے بن جائیں گے کہ نہ ان کے دل میں کوئی کھوٹ ہوگا اور نہ کوئی لالچ۔

اس کے علاوہ اشتراکیت اپنے چالیس سالہ عملی تجربات کے بعد لینن اور اسٹالن کے اصولوں سے بہت کچھ ہٹ گئی ہے۔ کیوں کہ اب کچھ پابندیوں کے ساتھ انفرادی ملکیت کی بھی اجازت ہے۔ اُجرتوں اور تنخواہوں میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ اور اجتماعی کاشت کے نقصانات سامنے آئے تو اب اشتراکیت یہ بھی چاہتی ہے کہ زمین کی انفرادی ملکیت بھی بحال کر دی جائے۔

ان کہانیوں سے صرف نظر کر کے ہم صرف سیاست کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔ اور خروشچیف کی اس تقریر کا حوالہ دیں گے، جو اس نے اشتراکی پارٹی کے ۲۲ ویں اجلاس میں کی تھی۔

خروشچیف نے کہا تھا:

> ''اسٹالن کے دَور میں پارٹی لیڈر شپ، حکومت اور اقتصادیات میں بہت کچھ خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ بس احکامات جاری ہوتے تھے، نقائص پر پردہ ڈالا جاتا، ڈر ڈر کے کام کرتے تھے اور ہر نئی چیز سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ اس قسم کے حالات میں بہت سے چاپلوس اور خوشامدی پیدا ہو گئے۔''

شاید لوگ ابھی بھولے نہ ہوں کہ اسٹالن کے مرنے کے بعد روس کے اخبارات نے اسے قاتل، مجرم اور اشتراکیت کے غدّار القاب سے نوازا تھا۔!!

بے شک پرولتاری آمریت، اپنی سختی، قشاوت اور وحشت میں اتنی آگے بڑھ گئی ہے کہ انسان کو اس کے تصوّر سے بھی کپکپی آتی ہے۔

جب جی چاہا ــــ غیر معینہ مدّت کے لیے قید کر دیا اور ایسی ایسی سزائیں دیں کہ ان کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ایسی عدالتیں قائم کی جاتی ہیں جن کا ہر فیصلہ سزائے موت اور عمر قید ہوتا ہے۔ یہ تمام امور اشتراکی دُنیا میں بالکل عام ہیں۔ جن سے ہر شخص کو واسطہ پیش آسکتا ہے، جس کے ذہن میں اشتراکی لیڈر کے خلاف خیال بھی گزرے۔

پورا نظامِ حکومت ایک بدترین جاسوسی پر قائم ہے۔ جس میں لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور انسانی شرافت کو خاک میں ملا کر حکومت کا وفادار بنایا جاتا ہے۔

اور اِس سارے ظلم وستم پر انتخابات، عوامی نمائندگی اور سوویت یونینوں کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں!!

اشتراکی آزاد صحافت، اشتراکی لیڈروں کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہتی ہے اور جب وہی لیڈر مر جاتا ہے تو اُس پر لعنت کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔!!

یہ ہے ''پرولتاری آمریت'' میں سیاسی صورت ــــ یہ صورت حال ہر اشتراکی ملک میں پائی جاتی ہے اور اس کے سوا، اشتراکیت میں اور کچھ ممکن نہیں ہے۔

خوش عقیدہ اور سادہ مزاج لوگ، جو معاملات پر سطحی نظر رکھتے ہیں اور جو فکری جاہلیت میں زندگی گزارتے آرہے ہیں۔ وہ حقیقت کی تلاش اور علاج سے قاصر ہیں۔

اب یہ خوش عقیدہ سمجھتے ہیں اور ان کی تمنّا بھی یہی ہوتی ہے کہ سرمایہ داری آمریت اور پرولتاری آمریت کی خرابیوں اور بُرائیوں کا علاج بس اتنا ہی ہے کہ کچھ آزادی اور جمہوریت پیدا ہو جائے ــــ بس یہی انتہائے مقصود ہے۔

اللہ کی ہدایت اور اللہ کے راستے سے ہٹ کر جاہلیت کی زندگی گزارنے والے جاہلیت کے سارے نظام کی خرابیاں نہیں دیکھ سکتے۔ ان کو یہ علم نہیں کہ جاہلیت طاغوت کی پیروی کرتی ہے اور جاہلیت اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں چلتی اور نہ ہی اللہ کے قانون پر عمل کرتی ہے۔

راہ نجات

طاغوتوں کا وجود کوئی سہل العلاج مشکل نہیں ہے کہ کچھ آزادی اور جمہوریت سے اس

کا علاج کرلیا جائے۔ بلکہ طاغوت اپنے دامن میں ایک پورا نظام رکھتے ہیں، جس کی بنیادیں نہایت گہری ہوتی ہیں۔

سرمایہ داری بھی لازمی طور پر آمریت ہی ہے اور اشتراکیت بھی لازمی طور پر آمریت ہے اور اللہ کے حکم کے سوا ہر نظامِ حکومت طاغوت ہے۔ کسی بھی طاغوتی نظام میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اگر اس میں آزادی اور جمہوریت کا امتزاج کردیا جائے تو طاغوتی نظاموں کی خرابیاں تو دور ہوجائیں اور آزادی اور جمہوریت کے فوائد حاصل ہوجائیں۔ کیوں کہ خرابی ان نظاموں کے وسائل نفاذ میں نہیں ہے۔ بلکہ خرابی ان کی جڑ بنیاد میں ہے۔ چناں چہ اس بنیادی خرابی اور اساسی بگاڑ کا علاج آزادی اور جمہوریت کے امتزاج سے نہیں ہوسکتا —— اگرچہ ان نظام ہائے جاہلیت کے ساتھ آزادی اور جمہوریت کا امتزاج بذاتِ خود ناممکن العمل ہے —— بلکہ علاج صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ نظام ہائے جاہلیت کو جڑ و بنیاد سے اُکھاڑ پھینکا جائے —— اور ان کی جگہ نیا نظام قائم ہو۔ جس کی بنیاد اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور اللہ کا نازل کردہ قانون ہو۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں آمریتیں آزادی کو کچلنے اور لوگوں کا گلا گھونٹنے کی یہ تاویل کرتی ہیں کہ ہم اس قت مقدّس جنگ میں ہیں۔

سرمایہ داری تو اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتی کہ وہ آمری نظام ہے بلکہ سرمایہ داری تو سو فی صدی جمہوری نظام ہے اور عوامی ارادے اور خواہشات پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن جب سرمایہ داری سے اس کی خرابیوں کے بارے میں سوال کیا جائے۔ مثلاً مزدوروں اور ان کی انجمنوں کو خوف زدہ کرنا۔ ان لوگوں کو اپنے راستے سے الگ ہٹانا جو حقیقی آزادی کے خواہاں ہیں۔ ایسے لوگوں کو یا تو کلیدی مراکز سے ہٹادیا جائے یا ان کی زندگی کا ہی خاتمہ کردیا جائے۔ سرمایہ داری ان سب باتوں کا یہ جواب دیتی ہے کہ وہ اشتراکی بنیادوں کو کچلنے کے لیے یہ سب کچھ کررہی ہے۔

''پرولتاری آمریت'' بھی اسی وہم میں مبتلا ہے کہ اس کا نظام جمہوری ہے۔ اگرچہ اس کا مذہبی اور علمی نام آمریت ہے، لیکن جب اشتراکیت سے عوام کو خوف زدہ کرنے اور مخالفین کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ بھی نہایت مجبوری سے یہ جواب دیتی ہے کہ وہ ''رجعیت'' اور ''سرمایہ داری'' کے خلاف جہاد کررہی ہے۔

میدانِ جنگ کے دونوں ہی لشکر مقدّس جنگ لڑرہے ہیں اور ہر گروہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے دشمن اس کے نظام کو توڑنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ اس نظام کی خاطر ایسے لوگوں کی نہایت

سختی سے اور شدّت سے پکڑ کرنی چاہیے۔ تا کہ عوامی فائدے اور عوام کے وجود کا تحفظ ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ دلیل کسی قسم کی تنقید برداشت نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ کسی قائم شدہ نظام کے خلاف بیرونی یا داخلی دشمن پیدا ہو گئے، جو اس نظام کو توڑنے اور تباہ کرنے کے لیے دیگر محاربین کے کیمپ میں جمع ہو گئے تا کہ متحدہ کوششوں سے اس نظام کو ختم کر سکیں۔

لیکن اس سلسلہ میں بھی جاہلیت اور اسلام کے موقف میں فرق ہے۔ اسلام کو پہلے ہی دن سے دشمنوں کی نہایت سخت اور تند و تیز مخالفت سے واسطہ پڑا تھا۔ پھر اسلام اور جاہلیت کی جنگ زندگی کے کسی ایک گوشے میں ہی نہیں تھی۔ بلکہ زندگی کے ہر حصہ میں ایک شدید کش مکش برپا تھی۔

عقیدے میں بھی جنگ تھی، جس طرح سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی میدان میں جنگ تھی۔ اخلاق میں بھی جنگ تھی، جس طرح افکار میں جنگ تھی۔ غرض اسلام کی صفیں اُلٹنے کے لیے جاہلیت کی تمام طاقتیں متحد ہو گئی تھیں۔

مسلمانوں کو سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ بھوکا رکھا گیا اور سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی مقاطعہ کیا گیا۔

یہ ساری جنگ عقیدے کے اختلاف کی بنا پر تھی۔

پھر جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو اسلام اور جاہلیت کی جنگ اور بھی شدید ہوگئی۔

اب منافقین کو مالی اور جنگی امداد دی جانے لگی، فتنے اور ہنگامے برپا کیے گئے اور اقتصادی جنگ لڑی گئی۔

اور جب اسلام پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گیا۔ اور جاہلیت اس نئی دعوت کا سر نہ کچل سکی تو اب جنگ میں اور بھی سختی اور تندی آ گئی۔

ادھر رومی سلطنت اسلام کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے تیاریاں کر رہی تھی۔ اور اُدھر ایرانی سلطنت گھات میں بیٹھی ہوئی تھی۔

اور درحقیقت ٹکراؤ ہو بھی گیا۔ جنگ شدید سے شدید ہوتی چلی گئی۔ اور اسلام بھی مقدس جنگ کے لیے میدان میں آ گیا۔

یہ جنگ اس لیے مقدّس تھی کہ یہ اللہ کے راستے میں اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے لڑی جارہی تھی۔

لیکن اس شدید ٹکراؤ اور خوفناک جنگ کے باوجود، ذرا آپ دیکھیے کہ خود اسلامی ریاست میں حکومت کا کیا رنگ تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت ہے۔ وہ عمرؓ جن کے دورِ حکومت میں اس وقت کی دو عظیم سلطنتوں سے جنگیں لڑی گئیں، جو ہر وقت اسلام کو جڑ و بنیاد سے اُکھاڑنے کی فکر میں لگی رہتی تھیں۔

ذرا حضرت عمرؓ کا طرزِ حکومت ملاحظہ فرمائیے:

حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ ''سنو اور اطاعت کرو۔'' تو حاضرین میں سلمان فارسیؓ کھڑے ہوئے۔ (واضح رہے کہ سلمان عرب نہیں۔ بلکہ ایرانی ہیں) اور کہنے لگے۔

''نہ ہم آپ کی کوئی بات سُنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ غصّہ ہوئے اور نہ انھوں نے یہ کہا کہ جب میں ایسے دشمنوں سے مقدّس جنگ لڑ رہا ہوں، جو ہمارے مقام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ مجھ سے اس قسم کے سوالات کرے اور میری رائے کے خلاف کرے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے نہایت اطمینان وسکون سے حضرت سلمانؓ کی بات کا جواب دیا اور تمام صورتِ حال ان کو بتائی تو حضرت سلمانؓ کہنے لگے۔ کہیے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں ـــــ اب ہم سُنیں گے اور اطاعت بھی کریں گے (۱)''

---

(۱) مسلمانوں میں کچھ لمبی چادریں تقسیم کی گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے حصّہ میں بھی ایک چادر آئی۔ حضرت عمرؓ چوں کہ طویل القامت تھے۔ اس لیے ایک چادر سے آپ کا پورا بدن پوشیدہ نہ ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ نے دو چادریں اوڑھی ہوئی تھیں، جس پر حضرت سلمانؓ نے سوال کیا کہ لوگوں کو تو ایک ایک چادر ملی ہے آپ کے پاس دو چادریں کہاں سے آئیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحب زادے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ وہ جواب دیں۔ چناں چہ انھوں نے کہا کہ چوں کہ میرے باپ طویل القامت ہیں۔ اس لیے میں نے اپنے حصّہ کی بھی چادر انہی کو دے دی ہے۔ چناں چہ ایک چادر وہ میری اوڑھے ہوئے ہیں اور ایک وہ اپنے حصّہ کی پہنے ہوئے ہیں۔

یہ بھی حضرت عمرؓ ہی تھے کہ جب ایک نماز کے دوران آپ خطبہ دینے لگے تو ایک عورت نے آپ کو ٹوکا کہ اے عمرؓ آپ کیا کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ فوراً متنبہ ہو گئے اور کہنے لگے۔ ''عمر غلطی پر ہے لیکن یہ عورت ٹھیک کہتی ہے۔''

حضرت عمرؓ نے مستقبل میں آنے والی نسلوں کا خیال کرتے ہوئے مسلمان فاتحین پر فئے تقسیم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت بلالؓ —— جو عرب نہیں تھے بلکہ ایک حبشی غلام تھے —— نے حضرت عمرؓ کی رائے کی نہایت سختی سے مخالفت کی اور دیگر مخالفت کرنے والوں کو بھی اپنے ساتھ جمع کر لیا اور اتنی شدید مخالفت کی کہ حضرت عمرؓ کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔

''اے اللہ! تو مجھے بلالؓ اور اُس کے ساتھیوں کی طرف سے کافی ہو جا۔''

یہ تھی اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور یہ تھا اس کا وہ عملی نمونہ جو جاہلیت کے طاغوت کے بدنما چہرے سے پردہ ہٹاتا ہے۔

نہ جاہلی کش مکش کوئی مقدّس جنگ ہے اور نہ یہ کش مکش آمریت کے وجود کے لیے کوئی دلیل ہے۔ یہ تو سراسر غیر مقدّس اور نہایت غیر پاکیزہ جنگ ہے —— اس جنگ کا مقصد تو یہ ہے کہ طاقتوں کا سر چشمہ طاغوت بنا رہے۔!!

سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں ہی آمریتیں ہیں اور وہ نظام جس میں انسان، انسان پر حاکم ہو، آمریت کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک لوگ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر نہیں چلیں گے، طاغوت ان پر اسی طرح مختلف شکلوں میں حکمرانی کرتا رہے گا۔

سرمایہ داری جب تک حکمران ہے —— اور جب تک وہ جاہلیت میں رہتے ہوئے اللہ کے نظام کو ٹھکراتی رہے گی۔ وہ کبھی بھی اپنی حکمرانی سے دست بردار نہیں ہو سکتی اور نہ ہی دوسرے طبقے کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ اس سے اس کی حکمرانی چھین لے۔ اور نہ ہی وہ اپنے مقابل آنے والے کسی طبقہ کو اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ وہ آزادی اور جمہوریت کے ساتھ اپنے آپ کو طاقت ور بناتا رہے۔ بلکہ سرمایہ داری ایسے قوانین بناتی رہے گی، جس سے اس کی آمریت مضبوط ہو اور اس کے مفادات کا تحفّظ ہو اور یہ سب کچھ اس لیے کہ سرمایہ داری نظام کے قیام کے لیے یہ لازمی اور ضروری ہے۔!!

سرمایہ داری نظام میں یہ سب کچھ ہونا اس لیے لازم نہیں ہے کہ سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہی یہی ہے ـــــ جیسا کہ ''تاریخ کا مادّی فلسفہ'' کہتا ہے ـــــ بلکہ یہ اس لیے لازم ہے کہ اللہ کی سنّت ہی یہی ہے کہ اگر لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتے تو لازمی ہے کہ طاغوت ان پر حکمرانی کرے ـــــ سرمایہ داری نظام میں لوگوں نے ابتدا ہی سے اللہ کی اس صراطِ مستقیم پر عمل نہیں کیا، جس نے سود اور اجارہ داری کو حرام کیا ہے ـــــ حالاں کہ سود اور اجارہ داری، سرمایہ داری کی بنیادیں ہیں ـــــ اللہ کی صراطِ مستقیم نے اس بات کو بھی حرام قرار دے دیا کہ سرمایہ سمٹ کر چند ہاتھوں میں آجائے ـــــ لیکن جب اللہ کے اس قانون پر لوگوں نے عمل نہیں کیا تو لازمی طور پر طاغوت ان پر حکمراں بن بیٹھا اور وہ طاغوت کے غلام ہو گئے۔

سرمایہ داری کے طاغوت سے لوگ دو ہی شکلوں میں نجات پا سکتے ہیں، یا تو لوگ اللہ کی صراطِ مستقیم کو اپنا لیں اور اس طرح طاغوت ہی ختم ہو جائے یا کوئی دوسرا طاغوت آئے اور سرمایہ داری پر ایک کاری ضرب لگا کر لوگوں کو اپنا غلام بنا لے۔ اور جاہلیت جدیدہ میں بھی دوسری شکل رونما ہوئی۔ کیوں کہ یہ بہر حال جاہلیت تھی اور جاہلیت سے جاہلیت ہی جنم لیتی ہے۔ چناں چہ نیا طاغوت آیا اور وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بن بیٹھا۔ جب تک جاہلیت باقی ہے نیا طاغوت بھی حکمراں ہے اور جب تک لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام پر عمل نہیں کرتے اُس وقت تک نیا طاغوت بھی اپنی بادشاہت سے دست بردار نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی مقابل آنے والے طبقہ کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اس سے اس کی حکمرانی چھین لے۔ نہ کسی کو آزادی اور جمہوریت دے کر یہ موقع فراہم کر سکتا ہے کہ وہ اس کے مفادات کو نقصان پہنچائے یا طاغوت کے ہاتھوں سے قانون سازی کے اختیارات چھین لے۔ یہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

آمریت سرمایہ داری ہو یا پرولتاری آمریت ہو یا کوئی اور نام ہو۔ یہ آسانی سے ٹلنے والی مصیبت نہیں ہے۔ جاہلی نظام میں لوگوں کو آزادی اور جمہوریت ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ خواہ حکمرانی سرمایہ داری کے طاغوت کی ہو یا پرولتاری آمریت کے طاغوت کی۔

''تاریخ کے مادّی فلسفہ'' کی نظر میں بڑی مشکل ''انفرادی ملکیت'' اور اس کے سیاسی نتائج کی ہے۔ سرمایہ داری کی آمریت انفرادی ملکیت کو غیر محدود اور ہر شکل میں جائز قرار دیتی ہے۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ تمام طاقت سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے۔ نہ صرف جمع ہو جاتی ہے بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ کیوں کہ سود جس پر سرمایہ دارانہ آمریت کی بنیاد قائم ہے ـــــ دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ اجارہ داری کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ اس وقت پوری سرمایہ داری دُنیا میں یہی ہے۔ سود اور اجارہ داری سے تمام طاقتیں سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور یہ چند افراد کی جماعت اچھی طرح جانتی ہے کہ وہ عوام کا خون چوس رہی ہے اور اسے بہ خوبی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام کو پوری پوری آزادی مل جائے تو وہ اسی مختصر سی جماعت کا خاتمہ کر کے اپنے مال، محنت اور خون پسینہ کا بدلہ لے لیں اس لیے سرمایہ داروں کا ٹولہ قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے مفادات کے تحفّظ کی فکر کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کی مشینری پر قبضہ کر کے یا سیاسی پارٹیاں تشکیل کر کے قانون کے تنقیدی اختیارات بھی خود ہی حاصل کر لیتا ہے۔ اور عوام کو کچھ فائدوں، کسی قدر معاشرتی انصاف اور چند دلچسپیوں میں اُلجھا کر اپنی حرکتوں سے غافل کر دیتا ہے۔

سرمایہ داری عوام کو ناچ گانے اور اباحیت پسندی کی خوشیاں اور مسرّتیں دلاتی ہے کہ جاؤ جو تمہارا جی چاہے، کرو۔ تم آزاد ہو، تمہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ جس قدر جی چاہے پہنو اور جس قدر جی چاہے برہنگی اختیار کرو۔ اپنے جنسی تعلقات جس طرح چاہو استوار کرو، کیوں کہ تم آزاد ہو۔!!

یہ ہیں وہ ذرائع، جن کے سہارے سرمایہ داری کا طاغوت لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے۔

اس کے برعکس اشتراکیت قطعاً انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام افراد سے قوت و طاقت سمٹ کر حکمراں ٹولے کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ جب صورتِ حال یہ ہو کہ کوئی بھی شخص کسی چیز کا مالک ہی نہ ہو اور کوئی فرد ایک لقمہ بغیر حکومت کی مرضی و منشا کے حاصل نہ کر سکے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ ہر فرد ایک لقمہ روٹی کے لیے حکومت کے سامنے ذلیل ہو جائے گا اور اس میں حکمراں ٹولہ سے مخالفت کی ہمّت باقی نہیں رہے گی۔ کیوں کہ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ بھوکا مر جائے۔

پھر اس سے کوئی بحث نہیں کہ پرولتاری آمر نیک و صالح ہے جیسا کہ اشتراکی اخبارات ہر اس حاکم کو نیک و صالح بتاتے ہیں، جو اس وقت حکومت کرتا رہا ہوتا ہے... یا پرولتاری آمر وحشی، قاتل، مجرم اور خائن ہو جیسا کہ اشتراکی صحافت ہر اُس آمر کو کہتی ہے، جو مر چکا ہو، یا جس

کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی ہو۔ کیوں کہ آمریت کسی ایک شخص میں تو پوشیدہ نہیں ہوتی۔ بلکہ آمریت تو اس نظام کی بنیاد اور اساس ہے۔ تمام ملکیتیں حکومت کے قبضہ میں دے کر اور لوگوں پر روزی کے تمام ذرائع بند کر کے، ان کو ایک ایک لقمہ کا محتاج بنا دینا آمریت نہیں تو اور کیا ہے۔؟

پرولتاری آمریت کہتی ہے کہ اُس نے اُن غریبوں کو آزادی دلائی جو دو روٹی کے لیے جاگیرداری یا سرمایہ داری کے غلام بنے ہوئے تھے۔ لیکن جس غلامی اور ذلّت سے ان غریبوں کو چھڑایا تھا۔ دوبارہ ان کو اسی غلامی اور اسی ذلّت میں جکڑ لیا۔ ـــــ بس اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ مالک بدل گیا ـــــ غلام اپنی جگہ رہے۔ طاغوت بدل گیا لیکن لوگ بدستور جاہلیت کا شکار رہے۔

اشتراکیت بھی عوام کو اپنے آمرانہ نظام سے غافل رکھنے کے لیے سرمایہ داری کی طرح اشتراکیت بھی عوام کو کچھ مفادات، تھوڑا سا معاشرتی انصاف اور چند خوشیاں دے دیتی ہے۔

وہی ناچ گانے وہی اباحیت پسندی ـــــ اشتراکیت بھی عوام سے کہتی ہے کہ ـــــ ''جو تمہارا جی چاہے کرو۔ اب تم آزاد ہو۔''

اس طرح عوام کو ان آمریتوں کے زیر سایہ بھی کچھ معاشرتی انصاف اور چند خوشیاں نصیب ہو جاتی ہیں۔ جیسے کتوں کے سامنے ہڈی ڈال دی جائے اور عوام کو اس طرح غافل کر کے تاریخ کی شدید ترین طاغوت کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے اور خود حکمران ٹولا ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے۔

سرمایہ داری نظام میں چند گنے چنے لوگوں کو اتنی دولت و طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی زندگیوں میں اتنا تعیش اور چمک دمک آجاتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اور اشتراکیت میں حکمران ٹولہ اور اشتراکی پارٹی کے لیڈر دنیا کی ساری لذتیں خود ہی سمیٹ لیتے ہیں اور غربت و افلاس میں مجبور عوام میں مساوات کے ساتھ تقسیم کر دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد دونوں آمریتوں کے تمام نشر و اشاعت کے ذرائع یہ بتانے پر لگ جاتے ہیں کہ عوام کو کیا کیا سہولتیں مہیّا کی گئی ہیں ـــــ اور حکمراں ٹولے کے تمام جرائم پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور ان کے اس جرم پر بھی پردہ ڈال دیا جاتا ہے کہ انھوں نے انسانوں کو جانور بنا کر حقوقِ انسانیت سے بھی محروم کر دیا!

اور تاریخ کے جاہلی تعبیر میں یہ سب کارنامے انقلاب و ترقی قرار دیئے جاتے ہیں۔

اقتصادیت کا بگاڑ

گزشتہ باب میں ہم نے مسئلۂ ملکیت کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی سماج کی سیاسی صورت حال پر ملکیت کے اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اس موضوع پر غور وفکر کے دوران جاہلی طرز کے کلمات کا استعمال بھی روا رکھا۔ حالاں کہ جاہلی اسلوب کی پیروی ہماری خواہش نہیں رہی۔ کیوں کہ یہ انداز ''سبب'' اور ''نتیجہ'' دونوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتا ہے یا بالفاظ دیگر سلسلہ کی ایک کڑی پر تو گرفت رہتی ہے لیکن انسانی حقیقی زندگی کے فطری تسلسل سے اس کا ربط باقی نہیں رہتا، اس لیے کہ وہ سیاسی صورت حال کو اقتصادی رنگ میں بیان کرتا ہے ـــــ مگر ـــــ خود اقتصادی حالات کی تفصیل انسانی افکار وخیالات کی عینک سے نہیں کرتا کیوں کہ انسان ـــــ تاریخ کی جاہلی وضاحت کے مطابق ـــــ اقتصادی حالات کے تابع ہے، اقتصادی حالات انسان کے تابع نہیں۔

''اجتماعی پیداوار میں شریک لوگ کچھ ایسے محدود تعلّقات میں بندھ جاتے ہیں جن سے نہ گریز ممکن ہے نہ ارادوں کا اس میں کوئی دخل ہے۔ کیوں کہ مادّی زندگی میں پیداوار کے طریقے ہی زندگی کی معنوی، سیاسی اور اجتماعی کارگزاریوں کی شکلیں متعیّن کرتے ہیں۔ اس میں لوگوں کا شعور ان کے وجود کی تشخیص نہیں کرتا بلکہ ان کا وجود ہی ان کے احساسات ورجحانات کی تعیین کرتا ہے۔'' (کارل مارکس)

اس سے پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ فکری بگاڑ اور جاہلی تصورات میں پنہاں اس فساد کے متعلّق گفتگو ہوگی جو انسان کی قدر وقیمت اور اس کی فعّال ایجابی قوت کو نظر انداز کر کے اسے اس مشین کا موجد ماننے سے انکار کرتا ہے جس سے تاریخ کی مادّی تشریحات وابستہ ہیں۔

مشین نے اپنی ایجاد کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا جو

ایجاد کے وقت موجد کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔لیکن مادّی اشارات کے لحاظ سے اس تبدیلی کا انسانی ارادہ سے باہر ہونا ممکن نہیں کیوں کہ تغیّر وانقلاب خود انسانی مزاج کے نشیب وفراز کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔

اور یہ تبدیلی نفسِ انسانی کے ساتھ ان تمام مرحلوں کو طے کرتی ہے جن کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں کیوں کہ وہ ہوا میں کام نہیں کرتی بلکہ نفس اور انسان کے لحاظ سے جدو جہد اور حرکت کرتی ہے۔

جب انسان نے ہوائی جہاز ایجاد کیا تو اس وقت کوئی ایسا مادّی سبب نہ تھا جو انسانی عقل کی توجّہ اس جانب مبذول کراتا اور یہ کہتا کہ ''ہوائی جہاز ایجاد کرو۔'' بلکہ قابل ذکر وجہ قدیم فطری تمنّا اور ترقی کی آرزو، آگے بڑھنے کا ولولہ وحوصلہ ہے جس نے انسان کو فضا میں پرندوں کے مانند اُڑنے کا جذبہ عطا کیا۔ ابتدائی کوششوں کے دوران انسانی شوق، حقیقی روپ میں اُس وقت نظر آیا جب انسان کی معلومات اور واقفیتوں نے اسے اپنے خیال کو تجربی شکل دینے کا موقع فراہم کیا، جس کے پسِ پشت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا فطری جذبہ کام کر رہا تھا جس کی ابتدا دوڑنے سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ راکٹ ایجاد ہو جاتا ہے۔

ہوائی جہاز کی ایجاد نے سماج میں ایک عظیم تبدیلی پیدا کی اور صلح و جنگ دونوں میں مساوی کردار ادا کیا۔

مگر یہ تبدیلی کیوں کر آئی؟ کیا یہ تبدیلی کسی ایسی راہ سے آئی جو انسانی احساسات و جذبات سے مختلف ہے؟ کیا ایسا اقدام اس کے حدّ امکان میں ہے۔؟

ہوائی جہاز نے قوموں کے باہمی اختلاط، میل جول کے ذریعہ رجحانات وخیالات، تہذیب وثقافت کے خوب صورت سنگم کو آسان وممکن بنا دیا۔ تو کیا جہاز کا یہ کوئی عجوبہ کارنامہ ہے یا یہ قدیم بشری ترقی کی سمت میلان کا نتیجہ ہے جس کے لیے مختلف دور میں کوششیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ آج وسائل مہیّا ہو جانے کی وجہ سے ان کاوشوں کا ثمرہ نگاہوں کے سامنے ہے۔

جہاز کے جنگی استعمال نے تہذیبوں پر تسلّط حاصل کرنے یا اُسے فنا کر دینے کا بھی موقع دیا تو کیا یہ کوئی نئی بات ہے؟ جب کہ انسانی تاریخ میں اس سے پہلے کی شہادتیں موجود ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاز نے انسانی وسائل وقوت کو ہر مرحلہ میں ترقی دینے کی کوشش کی، مگر

اس کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے وسائل کے ساتھ انسان کی نہاں خواہشات کی تکمیل و حصولیابی میں تعاون کیا، مگر خود جہاز نے کوئی ایسی چیز تخلیق نہیں کی جو انسان میں پہلے سے موجود نہ تھی۔ خواہ وہ پوشیدہ ہو یا ظاہر، اور نہ ہی اس نے ایسا نیا انسان جنم دیا جو مادّی تشریح سے تصور میں آتا ہے۔

اب معاشیات کی تشریح انسان کی اولویت و اہمیت برقرار رکھ کر کی جائے گی نہ کہ معاشیات کی عینک لگا کر انسان کے بارے میں گفتگو کی جائے۔

معاشیات کی دُنیا میں ملکیت کا مسئلہ بنیادی موضوع ہے مگر کیسی ملکیت؟ اور اس کے نتائج واثرات کیا ہوں گے؟ مادّی حیثیت سے ملکیت تاریخ کے مختلف ادوار کی چند حتمی تصویروں کے ایک خاکے کے سوا کچھ نہیں جسے ملکیت حتمی شکلوں کی روشنی میں پیش کرتی ہے۔ حالاں کہ تاریخ نے اس اقتصادی اور تاریخی قیمت کا کھوٹ ثابت کر دیا ہے۔ چناں چہ پہلی بار یہ کھوٹ نمایاں طور پر اس وقت سامنے آیا جب اسلام اپنے دستور کے ساتھ ان حتمی ناقابل گریز صورتوں کے بغیر رونما ہوا، جنہیں تاریخ کی مادّی تشریح نے تراش لیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ غلاموں نے آزادی کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی ایسے مساعد حتمی اقتصادی حالات تھے جو آزادی سے ہمکنار کرتے، جیسا کہ یورپ میں ساتویں صدی عیسوی میں ہوا۔

عورتوں نے بھی آزادی کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ایسے حتمی اقتصادی حالات تھے جو ان کی آزادی کی راہ میں معاون ہوتے اور آزاد شخصیت کا روپ دیتے، اسی طرح بہت سارے حقوق مثلاً حق ملکیت، حق تصرف، حق طلاق، حق زواج وہ ہیں جنھیں یورپ سخت ترین تصادم و کشمکش اور ہولناک اخلاقی فساد کے بعد انیسویں اور بیسویں صدی میں دے سکا۔

عوام نے بھی آزادی کا مطالبہ نہیں کیا کہ وہ قبیلہ کے حاکم وفرماں رواسے آزادی کے خواہاں ہیں۔ جو ان کی خواہشات وجذبات پر قدغن لگائے ہوئے ہے اور نہ ان کی آزادی کے لیے حتمی اقتصادی مساعد حالات تھے، جہاں تک مالی اور حکومتی سیاست میں جدید تعبیرات کے داخل ہونے کا تعلق ہے تو یورپ نے اس کی بعض شکلوں کو انیسویں اور بیسویں صدی میں اس وقت اختیار کرنے کی جرأت کی جب کہ مالکوں اور غیر مالکوں کے درمیان خونریز تصادم ہونے لگا۔

لیکن ان سب حالات میں کوئی ایک چیز بھی حتمی نہ تھی۔

ہم نے دوسری بار حتمیت کا کھوکھلا پن اس وقت دیکھا جب اشتراکیت، اقتصادی حیثیت سے پسماندہ دو جاگیردار ملکوں ـــــ روس و چین میں قائم ہوئی، مگر انگلینڈ جہاں حتمیت کی وجہ سے کمیونزم کا قیام یقینی تصور کیا جاتا رہا۔ کیوں کہ وہ صنعتی لحاظ سے ترقی کی شاہراہ پر ہے۔ ہنوز سرمایہ دار ہی ہے۔

لہٰذا حتمیت کے بس میں یہ ہرگز نہیں کہ وہ ملکیت کی ان شکلوں کو اختیار کرے جنھیں جدید جاہلیت نے اپنایا ہے، چاہے وہ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ میں ہوں یا سرمایہ دارانہ آمریت میں۔ بلکہ یہ سب سراسر حرص و ہوس ہیں۔

یورپ میں سرمایہ داری اس جاہلیت کے زیر سایہ پھلی پھولی جس نے اس سے قبل جاگیرداری قائم کرنے کی اجازت دی تھی، خود سرمایہ داری بھی ان جاہلی بنیادوں پر ہی قائم ہے جن پر اس سے پہلے جاگیرداری قائم ہوئی۔ یعنی غیر محدود ملکیت کی آزادی خواہ وہ کسی طریقہ سے حاصل ہو۔

مغربی جاہلیت کا اس قسم کی اجازت دے دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے حتمی کہا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ سب خود بہ خود ہوگیا کیوں کہ اسے اُبھرنے کی قوت حاصل تھی، مگر یہ دعویٰ ثبوت کا محتاج ہے۔

سرمایہ دارانہ جاہلیت میں جو انقلاب رونما ہوا وہ ظاہری انقلاب ہے جسے طاغوت نے لوگوں پر مسلّط کردیا۔ یہی وہ طاغوت ہے جو اس سے پہلے لوگوں کو زمین کے لیے غلام بنایا کرتا تھا، مگر اب ان کو کارخانوں اور سرمایوں کے لیے غلام بنانے لگا ہے، لیکن بنیادی طور پر سرکشی کی روح ایک ہی ہے، غلام بنانے والوں، نیز ذلیل کرنے والوں کے لحاظ سے غلامی کا مزاج بھی وہی ہے، ہاں، اقتصادی میدان میں سرمایہ کا مزاج زمین سے مختلف ہے۔ حالاں کہ یہ دونوں اقتدار پسندی اور حصول ملکیت کے جذبہ میں یکساں ہیں۔

جب مشین ایجاد ہوئی تو اس کو چلانے کے لیے سرمایہ کی ضرورت پیش آئی اور بظاہر یہ آسان نظر آرہا تھا کہ جاگیردار، صنعتی سرمایہ دار کا روپ دھارلیں گے اس لیے کہ ’’انسیت و عادت‘‘ کو نفس پر قابو حاصل ہے، اسی وجہ سے جاگیردار ان طریقوں پر زیادہ اعتماد کرتے جن کے

ذریعہ وہ مال و اقتدار تک پہونچتے تھے اور جن کا انھیں صدیوں سے تجربہ بھی تھا۔ طاغوتی جاگیرداری کے بنائے ہوئے قوانین صدیوں سے نافذ رہنے کی وجہ سے ایک عام عرف کی شکل تو اختیار کر گئے تھے لیکن بذات خود ان کی کوئی حقیقت و قیمت نہ تھی، لوگ اس کی طرف مائل رہے مگر اسے خدائی اصول وطریقہ سے کوئی تعلّق نہ تھا۔

یہ ضروری سمجھا گیا کہ جاگیرداروں کے طریقے کے علاوہ کسی اور تدبیر سے سرمایہ حاصل کیا جائے۔ چناں چہ ایسے موقعے پر یہودی ساہوکار آگے بڑھے تاکہ اُبھرتی ہوئی سرمایہ داری کی کارگزاریوں میں سرمایہ لگا سکیں، اور ساہوکاروں کا قرضے دینا کوئی ایسی نئی بات نہیں جس کی سرمایہ داری نے تخلیق کی ہو، بلکہ یہودیوں کا یہ کردار تاریخ کے ابتدائی دَور سے رہا ہے اور سود تو ان کے خمیر میں خون کے مانند رواں رہتا ہے، باوجودیکہ خداوند نے اُنہیں توراۃ میں اس سے باز رہنے کا حکم دیا، مگر اس پر وہ عمل پیرا نہ ہو سکے۔ اور روئے زمین پر سودی جاہلیت کو مسلسل پھیلاتے رہے۔

توریت نے ان سے کہا کہ اپنے بھائی کے لیے سود روا نہ رکھو مگر انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ توریت میں لَا خِیْکَ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی یہودی سے سودی لین دین حرام ہے، غیر یہودی کا خون چوسنے میں کوئی حرج نہیں۔ ''ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ج'' قرض دینے والے ساہوکار اپنے قرض وسود کی ضمانت لینا بھی ضروری تصور کرتے جیسا کہ قرض لینے والے کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ سود قرض کی ادائے گی کے سلسلہ میں ضمانت فراہم کرے تاکہ ذاتی فائدے کے حصے باقی رہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سے سرمایہ داری اپنے اس جذبہ کی وجہ سے نمایاں ہوتی گئی کہ اسے زیادہ سے زیادہ طلبِ فائدہ کی ہوس ہے۔

لیکن یہ کوئی تاریخی یا اقتصادی حتمیت نہیں اور نہ یہاں کوئی ایسی رکاوٹ تھی جو سرمایہ داری کو سرمایہ کاروں کا تعاون کرنے سے باز رکھتی کیوں کہ اس زمانہ میں یورپی سوسائٹی کے تاجر اس قدر مال رکھتے تھے جس سے صنعت چل سکتی۔

اگر لوگ چاہیں تو خدا کے عطا کردہ اس طریقہ پر عمل کر سکتے ہیں جس میں سود کی کوئی گنجائش نہیں، مگر صاف ستھرے، سیدھے سادھے تعاون کے لیے راہ کھلی ہے۔ مگر اس موزوں راستہ سے جاہلیت انحراف کرتی ہے۔

جس لمحہ جاہلیت نے معاشی معاملات میں سود کے استعمال کو جائز بتایا۔ اسی وقت سے خوفناک مصیبت کا آغاز ہوا، وہ اقتصادی حالات کیا رہے ہوں گے جن میں لوگوں کے اخلاق و کردار روح و نفس کے چشمہ سے الگ نہ تھے جیسا کہ تاریخ کی جاہلی تعبیر کا بیان ہے۔

وہ جاہلیت جس نے خدائی اصولوں کی پامالی کی اجازت دی اسی نے اس سے قبل سرمایہ داری کے زیر سایہ لوٹ کھسوٹ، غصب، دھوکہ دہی کی اجازت دی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سرمایہ داری کے سایۂ عاطفت میں سودی لین دین کی اجازت دے دی گئی۔

وہ جاہلیت جو کسان کو اس قدر مشغول رکھتی کہ اس کی تمام تر محنت چند لقموں کے عوض چھین لی جاتی۔ ایسی جاہلیت نے مزدور کو فیکٹری میں اس قدر لگائے رکھنے کی اجازت دی کہ وہ اپنی ساری قوت و انرجی چند لقموں کے بدلے صرف کر دے۔

سرمایہ داری نے ایسا کوئی طریقہ و کردار وضع نہیں کیا جو اس سے قبل مغربی جاہلیت میں نہیں پایا جاتا، یہ صرف توسیع پسندی کا جال ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سود اپنے مزاج کے لحاظ سے زمین سے حاصل ہونے والے فوائد کے مقابلہ میں اضافہ کا خواہاں رہتا ہے، اس طرح سرمایہ داری کے ہاتھوں جاگیرداری جاہلیت قباحت و تنزل کی راہ پر بڑھتی چلی گئی۔

سرمایہ داری اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتی رہی۔ مزید براں سائنس نے جب اس کے وسائل کو قوت پہنچائی تو اُس کی شقاوت اور راستہ کی تمام رکاوٹوں کو پیس ڈالنے کی طاقت بڑھتی ہی چلی گئی۔

یہ نہ تاریخی حتمیت ہے نہ اقتصادی!

شمالی یورپ —— جاہلی روش پر گامزن ہونے کے باوجود —— مشترکہ سرمایہ داری پر قائم ہے، کیوں کہ وہاں عوام نے اسی کو پسند اور نافذ کیا۔ چناں چہ سرمایہ کے مزاج میں انھیں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ملی جو اشتراک و تعاون کے راہ میں حائل ہو، یا ان پر یہ فرض کر دے کہ سرمایہ ان کے ہاتھوں میں استحصال و خوں ریزی کی علامت بن جائے۔

یہ تبدیلی حتمی نہیں بلکہ انحراف کا نتیجہ تھی۔

سرمایہ داری کی بڑھتی ہوئی وسعت اور رواں دواں سائنسی ترقی نے بڑے سرمایہ جات کو چھوٹے سرمایوں کے بالمقابل علمی ذرائع کی بنیاد پر نفع کی حصولیابی میں زیادہ قابل بنا دیا۔ چناں چہ بڑے سرمایہ نے چھوٹے سرمایہ کو ہضم کرلیا یا اسے اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ بڑے سرمایہ کی یونین میں شامل ہوجائے جس کا آخری نتیجہ ذخیرہ اندوزی ہے، جب تمام کارآمد سرمائے کسی ایک صنعت کے اجارہ دار بن جاتے ہیں اور پھر اس صنعتی میدان میں کوئی دوسرا سرمایہ مسابقت ومقابلہ کی جرأت نہیں کر پاتا۔

جس طرح شمالی یورپ کے افراد کے درمیان عملی تعاون برپا ہوا۔ اسی طرح ایک جیسی سوسائٹیوں نے ذخیرہ اندوز اور صارف کے بہ نسبت قیمت کے انضباط کے لیے نہیں بلکہ تمام حصہ داروں کو نفع پہنچانے کے لیے اپنے سرمایہ کے ذریعہ آپس میں تعاون کیا۔ اسی لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ جب تک حصہ دار، سرمایہ کار خود صارف ہوں گے تو نتیجہ ایک ہی رہے گا۔ یعنی قیمت بڑھانے سے نہ فائدہ ہوگا اور نہ نقصان۔

صنعتیں بڑھ گئیں اور پیداوار میں بے انتہا اضافہ ہوا، یہاں تک کہ کثیر پیداوار کی کھپت کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ چناں چہ سرمایہ دار ممالک نے سامراجیت کا راستہ اپنایا اور امپریل کالونیاں بنانی شروع کی تاکہ کثیر پیداوار کے لیے مارکٹ مل سکے —— تاریخ کی مادّی توضیح نے کہا کہ یہ ایک تاریخی واقتصادی حتمیت ہے۔ حالاں کہ یہ سفید جھوٹ کے سوا کچھ نہیں، کیوں کہ سامراج وسرمایہ داری کثیر پیداوار سے وجود میں نہیں آئے ورنہ تاریخ کے مشہور رومی سامراج کے کیا معنی ہوں گے، دراصل سامراج جاہلی معاشرہ کے منحرف جذبات کا ایک پرتو ہے۔ کیوں کہ ہر جاہلی سوسائٹی اپنے ہاتھوں میں قوت واقتدار دیکھنے کی خواہش مند ہوتی ہے۔

دوسری حیثیت سے کثیر پیداوار وہ واحد راستہ نہیں جسے سامراج کی رہبری کی ضرورت ہو۔ اس لیے کہ تجارت فطری لحاظ سے کثیر پیداوار کے استعمال کی قدرت رکھتی ہے اور اس کی پیداوار سے دوری وعلیحدگی کثرت کو قلّت میں بدل سکتی ہے۔ وہ کثرت جس کا صرف پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ ساری شکلیں اور حتمیات سرمایہ داری کے زیر سایہ ابھریں اور اس جاہلیت کی

پشت پناہی میں نشو ونما پاتی رہیں جس کی سرمایہ داری نے اجازت دی، جس کے نتیجہ میں تمام اصول سرکشی کی راہ پر جا پڑے۔

مگر اس کج روی سے باز رکھنے کی کوشش دھیرے دھیرے ہونی چاہیے۔ اور اگر یہ بے راہ روا اپنے موجودہ خیالات کے برعکس غور وفکر کریں اور اللہ کے دستور کی پیروی کریں تو قرآنی وعدہ ان کا نصیبہ بنے گا۔ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط

پھر جاہلیت نے ایک دوسرا موڑ لیا اور تمام لوگوں سے ملکیت کا حق چھین لیا۔ جاہلیت نے سوچا کہ انفرادی ملکیت ہی زمین میں فساد کا سبب ہے، جاہلیت یہ نہ سمجھ سکی کہ فساد کا اصل ذمّے دار انسان ہے۔ اسی کی اصلاح کی جانی چاہیے اور انسان اس وقت تک راہِ راست پر نہیں آسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے قانون پر عمل نہ کرے۔ کیوں کہ اسی صورت میں انسان اپنے آپ کو پہچان سکتا اور اپنی صلاحیتوں، طاقتوں سے آگاہ ہوسکتا ہے۔ نیز کائنات میں اپنے مقام سے روشناس ہوسکتا ہے۔

جاہلیت نے سوچا کہ انسان کے زوال وکمال کا نسخۂ کیمیا معاشیات کے پاس ہے، اقتصادی حالات درست ہوں تو بڑا انسان خود بہ خود تعمیر ہوتا ہے کیوں کہ مشینی بنیادوں پر چل رہی زندگی بغیر کسی مداخلت کے واقعاتی نتائج مشینی طرز ہی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اگر لوگوں سے حق ملکیت چھین لیا جائے تو پوری کائنات میں سدھار آجائے۔

یہ کوئی سائنسی نظریہ یا علمی استدلال نہیں بلکہ جاہلی حماقت ہے جو بدترین جاگیرداری و سرمایہ داری کا ردعمل ہے کیوں کہ وہ تمام تر جاہلی ردِعمل کے صفات کا آئینہ دار ہے، مثلاً انتہا پسندی، مجنونانہ حرص وہوس —— اس کے ساتھ اس جہالت کا بھی اضافہ کردیا جائے جو نفسیاتی عوامل کے زندگی وکائنات کے ساتھ ربط ضبط اور حرکت وعمل سے بالکل ناآشنا ہے۔

بہرحال اقتصادیات خواہ اس کی اپنی اہمیت کچھ بھی ہو وہ انسانی زندگی کا ایک جز تھا —— ایک حقیقی جز بلکہ ایک ضروری حصہ ہے لیکن وہ مکمل زندگی نہیں اور نہ ہی ایسا یگانہ موثّر عنصر ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہو، جب جدید جاہلیت نے اقتصادیات کی طرف اس طرح توجہ کی تو اس سے انسانی زندگی میں بڑے خلل پیدا ہوئے، جس کا کم سے کم نقصان انسان کی تباہی ہی نہیں جب کہ

وہ عام طور پر پیداواری مشین سا ہو کر رہ گیا ہے، جس کی قیمت مادی دُنیا میں پیداوار کے لحاظ سے لگائی جاتی ہے۔ بلکہ اس کو انسانی پیمانہ سے نہ سمجھا جاتا ہے۔

اس ہمہ گیر فساد و خلل کے ساتھ ساتھ جو سوسائٹی اخلاق اور جنسی تعلقات میں موجود ہے ایک نمایاں حل جس کی جدید جاہلیت نے نشان دہی کی۔ وہ یہ کہ انفرادی ملکیت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ حالاں کہ اس حل سے وہ نتائج برآمد نہ ہو سکے جو ان ناواقفوں کے ذہن میں ہے۔

بھٹکی ہوئی جاہلیت نے انسانی فطرت کی دیوانہ وار مخالفت کی تاکہ انفرادی ملکیت کے سلسلہ میں اس کے تمام احساسات ٹھنڈے کر دیئے جائیں۔ اسی مقصد کے لیے علمی بحثیں بھی کیں تاکہ کسی طرح یہ ثابت کیا جا سکے کہ ملکیت کی محبت کوئی فطری جذبہ نہیں، بلکہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ سماج سے ورثہ میں ملنے والا ایک نظریہ ہے، فطرت انسانی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ دل چسپ بات تو یہ کہ جاہلیت کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ طرز کلام غیر تسلی بخش ہے تو وہ مباحثہ میں بہت دور جا نکلی۔ چناں چہ انسان کی کسی فطرت ہی کا انکار کر دیا اور مارکس و انجلز کے مانند یہ تصور کر لیا کہ انسان فطری جذبات و میلانات کے بغیر پیدا ہوا ہے اور بذاتِ خود ملکیت کی جانب اس کو کوئی رغبت بھی نہیں۔ دراصل سوسائٹی نے اس کے دل میں یہ منحوس تخم بونے کا گناہ کیا ہے جس کا جڑ سے اکھاڑ دینا اس لیے ضروری ہے کہ وہ انسانیت کے لیے آفتوں کا سبب کہیں نہ بن جائے۔

مگر ان ناواقفوں نے مباحثہ کے دوران اس سوال پر بحث نہیں کی کہ سوسائٹی نے اس احساس کو کیوں جنم دیا؟ اور خود سوسائٹی کیا چیز ہے جس نے یہ کارنامہ انجام دیا؟ کیا وہ انسان کے علاوہ کوئی چیز ہے؟ سوسائٹی فرد سے الگ رنگ و روپ کی ہو سکتی ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ سوسائٹی ایسے صفات و امتیازات کا پرتو ہو جس سے فرد خالی ہو۔ مگر اس کے باوجود کیا وہ انسان کے علاوہ کوئی چیز ہے؟

اگر مارکس وڈرکایم کے اس خیال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اجتماعی مزاج ہی فرد پر کچھ چیزیں عائد کرتا اور اس کے دل میں اچھی اور بُری باتوں کے بیج ڈالتا ہے (اس کے ارادہ و شعور کے بغیر ہوتا ہے) تو کوئی شخص یہ نہیں سوچتا کہ فرد ہی صرف انسان ہے؟ اور مجموعہ؟ کیا سماج ''انسانی مجموعہ'' نہیں؟ یا وہ انسانوں کے علاوہ کوئی اور جنس ہے؟

ہرگز نہیں! ناواقفوں نے اس سوال پر بحث کی ہی نہیں بلکہ اس کوشش میں لگے رہے کہ

فرد کے دل میں موجود انفرادی ملکیت کے نظریہ کو اُکھاڑ پھینکنا ہے بلکہ یہ بھی گمان کرلیا کہ ابتدائی دَور کا انسان انفرادی ملکیت کو جانتا ہی نہ تھا۔ چناں چہ ذرائع پیداوار سبھوں میں عام تھے۔ اس طرح پیداوار بھی عام تھی، ملکیت کا نام تو اس وقت سے آنے لگا جب زراعت تمام کا وجود ہوا جس کے نتیجہ میں لوگ زمین اور ذرائع پیداوار کی ملکیت کے لیے کوشاں رہنے لگے۔ پیداوار کرنے والے لوگوں کی ملکیت تین مراحل سے گزری ـــــ غلامی کا دَور ـــــ جاگیرداری کا دور ـــــ سرمایہ داری کا دور ـــــ

مختصر سی بات ان ناواقفوں کو راہ راست تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔

ابتدائی دور میں کون سی چیز ملکیت کے لائق تھی، کیا چھری کی شکل کا پتھر کا ٹکڑا؟ جو شخص اس کا مالک بنے گا اس کو اس سے کیا فائدہ ہوتا، وہ تو عام طور پر صرف سخت گوشت کاٹنے میں کام آتا تھا، مگر بذاتِ خود وہ گوشت یا مچھلی کس طرح ملک بن سکتی ہے، جو لوگوں کی ضرورت سے فاضل ہو، کیوں کہ وہ خراب ہوکر استعمال کے قابل نہ رہے گی۔ ایسی چیز کو کیوں پس انداز کیا جائے گا اور کیسے حفاظت سے رکھا جائے گا۔ اس مقام پر ملکیت کا عمل بنیادی طور پر باطل ہے، کیوں کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو ملکیت دے سکے۔ اس لیے نہیں کہ انسان ملکیت کے میلانات سے خالی ہے، ورنہ یہ سمجھ لیا جائے گا کہ تاریخ کے ابتدائی مرحلہ میں کسی ملکیت کے بارے میں مطلقاً کش مکش ہی نہ ہوئی۔ حالاں کہ عورت کی ملکیت کے مسئلہ پر وحشیانہ تصادم کا مزاج گرم ہوتا اور قبیلہ کا سردار یا فولادی قوتوں کا مالک دلاور نوجوان اس خوب صورت عورت کو اپنے لیے خاص کرلیتا تھا۔

کیا قبیلہ کا سردار اپنے ایک عمامہ کی وجہ سے دوسروں کے مقابلہ میں اپنی ذات کو ممتاز نہ سمجھتا تھا، اور دوسروں پر اس کا پہننا حرام قرار دیتا؟

یہ سب معمولی ملکیتیں تھیں ـــــ ہاں ـــــ لیکن وہ سب ملکیت تھی اور اس ابتدائی دور کے لوگوں کے معیار نیز ان کے مالک بننے کی صلاحیتوں کے لحاظ سے انفرادی ملکیت کے دائرہ میں آتی تھیں۔

جب انھوں نے ترقی کی، نفسیاتی پہلو سے پختہ ہوگئے، ان کے مادّی وسائل بڑھ گئے، اور ان کی سائنسی طاقت وسیع تر ہوگئی تو وہ بڑے پیمانے پر مالک بنے، زمین اور ذرائع پیداوار دونوں کے مالک بن گئے۔

مگر وہ پھر بھٹکے ـــــ!

لیکن ان میں یہ انحراف اس وجہ سے نہ آیا کہ وہ مالک بن گئے تھے کیوں کہ اس سے قبل وہ اپنے علمی، مادّی، نفسیاتی معیار کے حدود میں ملکیت رکھتے تھے۔

پھر ان کے انحراف کی ابتدا اس وقت نہ ہوئی جب کہ وہ زمین اور ذرائع پیداوار سے واقف ہوئے ـــــ بلکہ یہ قدیم انسانی انحراف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت کے مسئلہ پر جنگ، قبیلہ کی سرداری کے سلسلہ میں تصادم، ریاست و قیادت کا خونریز اختلاف، شیخ قبیلہ کی امتیازی ٹوپی پر جھگڑے وغیرہ کے فیصلے جسم کی قوت سے ہوتے اور غالب کو اقتدار حاصل ہوجاتا، یہ سب انحراف اور سرتاسر شہوت تھی جو لوگوں کے عقل پر غالب آجاتی تھی، یہی شہوت و خواہش ابتدائی انسانی دور سے انحراف کا ایک دوسرا نام ہے۔

انحراف کسی بھی دَور میں کوئی حتمی قوت نہیں رہا ہے، نہ ہی وہ انسان کی منفرد شکل ہے، بلکہ انحراف ـــــ ہرلمحہ ـــــ ایک بشری احتمال کی حیثیت سے آتا ہے جس طرح اعتدال اس کے پہلو بہ پہلو نظر آتا ہے۔

احتمال و اعتدال دونوں کا مرجع انسانی فطرت ہی ہے جس کی گہرائیوں میں ہدایت و گُمرہی کی صلاحیت پوشیدہ ہے۔ وہ اعتدال و استقامت کی طرح انحراف کو بھی قبول کرلیتی ہے، یہ سب کچھ ان ہدایات و تعلیمات کی بنا پر ہوتا ہے جسے انسانی فطرت حاصل کرتی ہے یا خود متعیّن کردہ کسی سمت کی جانب چلنے سے ہوتا ہے۔

تاریخ کی جاہلانہ تشریحات کا تراشیدہ افسانہ ـــــ جس کے مطابق انفرادی ملکیت کا وجود ہی زراعت و باغبانی کے انکشاف کا رہینِ منّت ہے اور یہی ملکیت انحراف کا سبب بھی ہے ـــــ ایک ایسا جاہلی فسانہ ہے جو انسان کی طبیعت سے ذرا بھی میل نہیں کھاتا۔

پوری تاریخ میں انفرادی ملکیت نے ایک گمراہی کا راستہ دیکھا ـــــ جو بذاتِ خود ملکیت میں نہ تھا ـــــ حالاں کہ اصلاً وہ ایک غیر جانب دار صورت حال تھی، اگر اسے خیر کے راستہ میں استعمال کیا جاتا تو تعمیری عنصر ثابت ہوتا اور اگر شر کے لیے استعمال کیا تو تباہ کن مخرب عنصر بن جاتا۔

انفرادی ملکیت نے جاگیرداری و سرمایہ داری کی راہ نہیں دکھائی بلکہ وہاں تک اس خواہش وحرص کے ذریعہ رسائی ہوئی جس نے ملکیت کو لوگوں کے غلام بنانے اور ان پر زیادتی کرنے کا ذریعہ بنالیا اور اسی مقام پر انسانیت کا انحراف قدیم زمانہ سے مخفی نظر آتا ہے۔

جب مارکسی جاہلیت نے انفرادی ملکیت کو بالکل ختم کرنا شروع کیا ـــــ یہ تصور کرکے کہ وہی فساد کی جڑ ہے، مگر اس انسان میں فساد وخرابی نہیں جو جاہلی یورپ میں زندگی گزار رہا ہے ـــــ تو اس دور کی نصف صدی میں مذکورہ تجربہ کا عملی نتیجہ کیا کیا برآمد ہوا؟

کیا انفرادی ملکیت سلب کرتے وقت مارکسی جاہلیت نے اقتدار کی ہوس کا خاتمہ کردیا؟

ہم خود اس موضوع پر کچھ کہنا پسند نہیں کریں گے کیوں کہ خرشچوف نے اپنے سابق رہ نما کے بارے میں اس کی موت کے بعد کہا کہ وہ ایک خوں ریز مُجرم تھا جس کا جرم تاریخ کے بدترین ڈکٹیٹرشپ کی صورت میں نمایاں ہے۔

انفرادی ملکیت کا خاتمہ ہوگیا لیکن اس گمراہ انسان میں مخفی انحراف بدستور موجود رہا جو خدائی دستور سے رہ نمائی حاصل نہیں کرتا۔

اس انحراف کے نتیجہ میں بدترین ڈکٹیٹرشپ وجود میں آئی خواہ مقدس رہ نما کی تاناشاہی ہو یا بذات خود کسی نظام کی مطلق العنانیت جس نے عوام سے ان کے حقوق چھین لیے اور روٹی کے چند لقموں کے عوض انہیں غلام بنالیا تاکہ دیس کے اس ظالم حکمراں کی تسکین سامانی ہوسکے جس کے ہاتھوں میں طاقت سمٹ آئی ہے۔

یہ جاہلیت نقائص کا مجموعہ ہے، مثلاً انسانی وجود پر اقتصادی عنصر کو ترجیح دینا۔ اور اس ہمہ گیر بنیادی حقیقت کو نظرانداز کرنا جس کا دائرۂ عمل معاشیات تک محدود نہیں بلکہ وہ ہر اس حرکت و سرگرمی پر مشتمل ہے جسے انسان انجام دیتا ہے، جیسے جسم کی سرگرمیاں، عقلی سرگرمیاں، روح کا عمل ـــــ یہ سب کے سب اصل و جوہر ہیں۔

بذات خود طریقۂ ملکیت میں بھی خلل ونقص ہے، خواہ اُسے مغربی سرمایہ داری کی طرح بغیر کسی حدوحساب یا کسی بھی شکل میں جائز قرار دیا جائے یا کمیونزم کے مطابق طریقۂ ملکیت کو بالکل ختم کردیا جائے ـــــ کم از کم اصولی لحاظ سے ایسا ہی ہو، اگرچہ انسانی فطرت اور بعض حالات کے دباؤ کے تحت اشتراکیت لینینی مارکسیت سے چند قدم پیچھے ہٹ گئی ہے، چناں چہ اس

نے بعض انفرادی ملکیت اور اُجرت و مزدوری میں کمی بیشی کو جائز قرار دیا ہے۔ ممکن ہے آئندہ کل اشتراکیت کاشت کار کی اجتماعی ملکیت کو معطّل کر دے۔ کیوں کہ وہ اس میں ناکام ہو چکی ہے جیسا کہ خرشچوف کا خیال ہے ــــ

ان سب مشکلات کا علاج ایک ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ دونوں نقص اس بنیادی ضابطہ کو درست کیے بغیر نہیں ہو سکتے جس سے ان کا تعلق ہے۔

اس مشکل کا موضوع ترین حل یہ ہے کہ طریقۂ ملکیت میں اعتدال پیدا کیا جائے۔ ملکیت نہ تو بالکل ختم کر دی جائے جیسا کہ اشتراکیت چاہتی ہے اور نہ ہی بغیر کسی حدوحساب کے جائز کر دی جائے، جیسا کہ سرمایہ داری کی خواہش ہے۔

واقعاتی دنیا کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی مناسب ہوگا کہ انسانی زندگی میں معاشیات کے مقام کو بدلا جائے تاکہ وہ پوری زندگی کو محض اقتصادی و مادّی اقدار کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ اقتصادیات کو جائز مقام دیتے ہوئے اس کے پہلو بہ پہلو انسان کے روحانی وجود کو بھی جگہ دی جائے تاکہ وہ غالب اور تنظیم میں موثر کردار ادا کرتا رہے جسے ڈارونی جاہلیت نے انسان سے الگ کر دیا اور جس کے نتیجے میں انسان حیوان بن گیا ــــ لہٰذا انسان کو خدائی دستور اختیار کرنا چاہیے کیوں کہ خدائی اصول ہی نجات کے پیامبر و ضامن ہے۔

اجتماعیات کا بگاڑ

فرد اور معاشرے کا درمیانی تعلق آج کے علم اجتماعیت کا اہم موضوع ہے کیوں کہ جاہلیت جدیدہ میں سیاست اور معاشیات بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں اس لیے فرد اور معاشرے کے درمیانی تعلق میں بھی اختلال آ گیا۔ اور اجتماعیات کے اصولوں کی واقعاتی دنیا پر تطبیق بھی بگاڑ سے ہمکنار ہو چکی ہے۔ کیوں کہ سیاست معاشیات اور اجتماعیات آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ سیاست اور معاشیات کس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اب ہم دیکھیں گے کہ زندگی کے یہ دونوں پہلو اقتصادیات سے کس طرح مربوط ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس ارتباط کی بنیاد وہ نہیں ہے جو جاہلیت جدیدہ کے سامنے۔ ہے کہ معاشیات ایک طرف معاشرے کی صورت متعین کرتی ہے اور دوسری جانب سیاست کی شکل مقرر کرتی ہے بلکہ اس ارتباط کی بنیاد یہ ہے کہ یہ سارے پہلو انسانی وجود کے مظاہر ہیں اور یہ ساری شاخیں ایک ہی اصل سے پھوٹتی ہیں اور وہ اصل خود ''انسان'' ہے۔[۱]

ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ جاہلیت جدیدہ فرد اور معاشرے کے درمیانی تعلق کے بارے میں بگاڑ کا شکار ہے اور اس بگاڑ کی بنیاد یہ ہے کہ جاہلیتِ جدیدہ کا نفس انسانی کے بارے میں غلط تصور ہے... کیوں کہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے بھٹک کر جاہلیت اعتدال اور توازن کھو بیٹھی ہے ـــــ اب جاہلی تصور میں فرد اور معاشرے کو علیٰحدہ علیٰحدہ رکھ کے غور کیا جاتا ہے۔ چناں چہ وہ معاشرہ جو فرد کی حیثیت کو سامنے رکھ کر وجود میں آیا ہے۔ اس معاشرہ کا خاصہ یہ ہے کہ

---

(۱) دیکھیے ''دراسات فی النفس الانسانیة'' میں باب طبیعة مزدوجة۔

وہ فرد کی اہمیت میں مبالغہ سے کام لیتا ہے اور فرد کی ذات کو حد درجہ مقدس بنا دیتا ہے فرد جو جی چاہے کرے۔ جس قدر چاہے اور جس طرح چاہے ملکیت پیدا کرے جو جی چاہے اپنے عقائد اور افکار رکھے اور جس قسم کے اخلاق و روایات جی چاہے اپنا لے۔ غرض فرد جو جی چاہے کرے معاشرہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ معاشرہ فرد کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ صحیح ہے یا غلط! کیوں کہ معاشرے کو کیا حق ہے کہ وہ فرد کے معاملے میں مداخلت کرے۔

فرد تو ایک دیوتا اور الٰہ ہے اور ہر دیوتا جو من بھائے وہ کرتا ہے اور شخصی آزادی ان تمام دیوتاؤں کا حق ہے!!

اس کے برعکس جو نظام معاشرے کی اہمیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تشکیل پاتا ہے۔ وہ معاشرے کو مبالغے کی حد تک مقدس بنا دیتا ہے اور فرد میں کوئی خوبی باقی نہیں رہتی نہ فرد کسی شے کا مالک ہے۔ نہ وہ اپنے افکار، عقائد، اخلاق اور روایات خود وضع کر سکتا ہے۔ فرد معاشرے پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں بات صحیح ہے اور فلاں غلط ہے۔ فرد کون ہوتا ہے معاشرے کے بارے میں گفتگو کرنے والا۔

اس نظام میں معاشرہ ہی الٰہ ہے، جو اس کا جی چاہے کرے۔ فرد تو معاشرے کے اقتدار کے سامنے ایک عاجز غلام ہے!

باطل پرستوں کے خیال میں یہ دونوں ہی نظام علمی اور سائنٹیفک بنیادوں پر قائم ہیں۔ اس خیال کے غلط ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے کے مقابل اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان دونوں میں اتحاد و یگانگت کا کوئی پہلو نہیں ہے تو دونوں ایک ساتھ کس طرح درست ہو سکتے ہیں یا تو ان میں ایک غلط ہے یا دونوں ہی غلط ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی غلط ہیں۔

''فرد کی تقدیس'' کی کہانی یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے بعد کی ترقی سے شروع ہوتی ہے۔

قرون وسطٰی کی جاہلیت میں یورپ کے لوگ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔

ایک طرف تو عوام کے کاندھوں پر کلیسا اور مذہبی لوگوں کے اقتدار کا بوجھ تھا کیوں کہ اس وقت انسان بلا واسطہ اللہ سے تعلق قائم نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ ضروری تھا کہ کاہن اور قسیس کا واسطہ درمیان میں ہو۔ بغیر کاہن اور قسیس کے واسطہ کے کسی کی مغفرت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کوئی

شخص خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا چاہے تو اس کی صورت یہی تھی کہ کاہن کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔ غرض ایسی کوئی صورت نہ تھی کہ انسان اپنی انفرادی حیثیت میں بغیر کسی واسطے کے اللہ سے رابطہ قائم کر سکے۔

دوسری طرف امراء اور لارڈز کا اقتدار عوام کو کچلے دے رہا تھا۔ معاشرے میں سارا وزن اور اہمیت امراء کو حاصل تھی اور ان کا سارا دباؤ عوام ہی پر تھا۔ وہ عوام جن کے کوئی حقوق نہ تھے۔ ہاں ان پر اَن گنت ذمہ داریاں تھیں۔

ہاں اس معاشرے میں فرد کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ نہ وہ کسی چیز کا مالک تھا۔ بلکہ ہر شے کا تن تنہا مالک جاگیردار تھا۔ فرد کسی بھی معاملے میں بذات خود دخیل نہیں تھا اور نہ ہی فرد کا حکومت سے کوئی تعلق تھا۔ اس کا تو مالک جاگیردار تھا اور وہ چاہتا تو اس کا وجود تسلیم کر لیا جاتا۔ ورنہ اس کا وجود اور عدم وجود برابر تھا۔ بس جس طرح کاہن اور قسیس فرد کے اور خدا کے درمیان حائل تھے اسی طرح جاگیردار فرد اور حکومت کے درمیان نقطۂ اتصال تھا۔

رہ گئے سیاسی حقوق تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بلکہ عوام کے لیے تو زندگی اور زندگی میں انصاف کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیرداری نظام بذاتِ خود (اپنی اس جاہلی شکل میں جس میں وہ یورپ میں تھا) جاگیردار کے علاوہ کسی اور فرد کی شخصیت پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔

بلکہ اس کی ساری توجہ کا مرکز وہ معاشرہ تھا، جس میں فرد کا کوئی مستقل وجود نہ تھا۔ اور جس کا نظام بہت کم قابل تغیر تھا۔ دیہاتی زندگی ایک جگہ ٹھہری ہوئی اور جامد سی زندگی تھی۔ ایک فرد آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ نہ آنے والے کی کوئی اہمیت اور نہ جانے والے کا کوئی افسوس! ایسے ماحول میں فرد اپنے وجود کا کس طرح احساس کر سکتا ہے۔ بس وہ توریت و روایت کے بندھن میں جکڑا چلا آتا تھا کہ اس طرح اس کی شخصیت ممتاز ہوتی۔ بلکہ مجبوراً روایات کے ساتھ گھسٹ رہا تھا جیسے کولھو کا بیل اپنے ہی گرد چکر لگا رہا ہو۔

جب یورپ کا صلیبی جنگوں اور مغرب اور اندلس کی درس گاہوں میں مسلمانوں سے واسطہ پڑا تو یورپ کے مردہ جسم میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور عوام کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے کاندھوں سے بوجھ اتار پھینکیں اور سب سے پہلے انھوں نے کلیسا کا بوجھ اتار پھینکا۔

کلیسا اور کلیسا کے جبری نظام سے چھٹکارا پا کر لوگ ''نیچر پرستی'' کی طرف لپکے تا کہ خدا کا رشتہ بغیر واسطہ کے قائم ہو جائے۔

یہاں ہم کچھ تاریخی واقعات، کا تذکرہ کریں گے ــــ اس لیے نہیں کہ ان تاریخی واقعات کی کوئی صفائی پیش کریں۔ کیوں کہ کلیسا کے 'الٰہ' کو چھوڑ کر طبیعت کو خدا بنا لینا ایسی بڑی حماقت ہے کہ نہ اس کی کوئی علمی صفائی پیش کی جا سکتی ہے اور نہ منطقی! بس ایک بے دلیل منحرفانہ راہ فرار تھی اور کچھ نہ تھا۔ حالاں کہ لوگوں کو چاہیے تھا کہ کلیسا کے اقتدار سے نکل کر نئے خدا تراشنے کی بجائے اللہ کی صحیح عبادت کی طرف لوٹ آتے۔

جب عوام کلیسا کے اقتدار سے چھٹکارا پا چکے تو انھوں نے جاگیرداری اور اُمراء کا بوجھ بھی اپنے کاندھوں سے اتار ڈالا اور فرانسیسی انقلاب ملکیت زمین اور جاگیرداری کے خاتمہ کا پیش خیمہ بن گیا۔

کلیسا اور جاگیرداری سے نجات پا کر فرد کو اپنی شخصیت کا احساس تو ہوا لیکن اس خدانا شناس، جاہلیت میں فرد سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے وجود کا احساس اللہ کی ہدایت کے مطابق کرے۔ اس نے یہ کوشش نہیں کی کہ کاہن اور قسیس کے واسطے کے بغیر براہِ راست اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ بلکہ کلیسا اور کلیسا کے خدا دونوں ہی سے متنفر ہو گیا۔

اس نے یہ کوشش نہیں کی کہ معاشرے کی ساری روایتوں کو چھان پھٹک کر قیمتی اور بہتر روایات کو اپنا لیتا اور اس طرح اس کی ایک ممتاز شخصیت وجود میں آتی بلکہ اس نے تمام روایات اور تمام مجموعۂ اخلاق کو نکمّا اور بیکار سمجھ کر پھینک دیا۔

فرد نے اپنی اس مجنونانہ روِش میں تعقل پسندی کا ثبوت نہیں دیا۔ بلکہ اپنا وزن ہلکا کرنے کے لیے جو شے بھی سامنے آئی اسے اٹھا کر پھینک دیا۔

صنعتی انقلاب نے پرانی بنیادوں کو ڈھا کر نئی سوسائٹی کی تشکیل کی اور انسان کی فردیت کو اہم ترین مقام دے دیا۔

مزدور دیہاتوں سے ایک ایک کر کے آتے تھے۔ ان میں آپس میں کوئی تعارف نہ ہوتا تھا۔ پھر شہر میں آ کر اسی طرح علیٰحدہ علیٰحدہ رہتے۔ صرف کارخانوں میں ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ اس لیے ان میں وہ تعلقات تو ہو نہیں سکتے جو دیہات میں کسانوں میں ہوتے ہیں۔

دیہات میں تو لوگ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں پاس پڑوس کا بھی خیال ہوتا تھا اور ہمیشہ کا میل جول بھی ہوتا ہے اور ریت روایتوں کے ایک ہونے کی بنا پر جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے افکار و احساسات سے واقف ہوتے ہیں۔

غرض دیہاتوں سے شہروں میں آنے والے مزدور تنہا ہوتے تھے۔ وہ جب تک شہر کے ماحول سے مانوس نہ ہو جاتے اپنے اہل و عیال کو بھی نہ لاتے بلکہ زیادہ تر تو غیر شادی شدہ آزاد نوجوان ہوا کرتے تھے۔

اس طرح شہر میں آنے والوں پر اجتماعی بندھن سے زیادہ انفرادیت کا احساس چھایا ہوا ہوتا تھا۔ پھر عورت بھی میدانِ عمل میں آئی اور اسے بھی اپنی فردیت کا احساس ہوا۔ جب کہ پہلے عورت کا کوئی مستقل وجود ہی نہ تھا۔ بلکہ عورت تو مرد کے تابع تھی۔ جس طرح مرد زندگی گزارتا تھا اسی طرح عورت بھی گزارتی تھی۔ اقتصادی، اجتماعی، نفسیاتی، فکری، غرض زندگی کا کوئی بھی معاملہ ہو اس میں عورت کی اپنی کوئی فکر نہ تھی۔ عورت کی فکر وہ ہی ہوتی تھی جو اس کے باپ کی، بھائی کی اور شوہر کی ہوتی۔ اس کو معاشرے کی کوئی فکر نہ تھی۔ اگر کچھ سوچتی تو وہ بھی شوہر کے انداز فکر کے مطابق جو اس کے پاس تمام اشیاء تیار شدہ لاتا اور ان کی تیاری میں عورت کا کوئی حصہ نہ ہوتا۔ پھر عورت نہ کسی چیز کی مالک ہوتی تھی اور نہ کسی چیز میں بذات خود کوئی تصرف کر سکتی تھی۔ مرد ہی ہر شے کا مالک ہوتا وہ ہی جو چاہتا سو کرتا۔ عورت کی زندگی تو روایات کے زیر سایہ گزرتی تھی اور روایات کی گرفت بھی مرد سے زیادہ عورت پر ہی ہوتی اور مرد بالکل آزاد ہوتا۔ عورت بے سوچے سمجھے معاشرتی روایات پر چلتی رہتی اور اپنے مقصد کا لکھا سمجھ کر جیسے تیسے زندگی گزارتی رہتی۔

لیکن جب عورت نے کام شروع کیا تو ایک انقلاب برپا ہو گیا۔

اب عورت کے ہاتھ میں پیسہ تھا۔ جس کو وہ جس طرح چاہتی خرچ کرتی۔ اب معاشرہ میں، کارخانہ میں، بازار میں، راستے میں ہر جگہ وہ اپنے معاملات کی خود مختار تھی۔

اب اس نے مرد سے اپنے معاملات کی ابتدا کی۔ کیوں کہ اب اگر وہ مرد کی ہمسر نہیں تھی تو اس کی تابع محض بھی نہ رہی تھی۔ بلکہ اب تو اس کی کوشش یہ تھی کہ مرد سے ٹکر لے اور اقتدار میں اپنا حصہ لگائے۔

اس طرح عورت کی وہ فردیت اُبھر آئی جس کا پہلے کوئی وجود نہ تھا۔

عورت کے ساتھ ساتھ بچے بھی میدان عمل میں آگئے اور عمل کی رزمگاہ اور اپنی کمائی ہوئی پونجی سے بچوں میں فردیت نمایاں ہوتی چلی گئی۔

غرض اب عوام افراد تھے اور ان کی فردیت ممتاز تھی۔

'فردیت' اپنے دامن میں ایک خطرناک بگاڑ کو لیے ہوئے آئی۔

اگرچہ فردیت بذات خود کوئی بگاڑ نہیں ہے۔ کیوں کہ فردیت تو انسانی تشخص کا لازمہ ہے۔ لیکن فردیت میں بگاڑ اس لیے پیدا ہو گیا کہ وہ اللہ کے راستے سے بھٹکی ہوئی جاہلیت میں پیدا ہوئی اور جاگیرداری میں صدیوں تک فرد کے عدم وجود کے سخت اور غیر متوازن ردّ عمل کے طور پر وجود میں آئی۔

عوام نے فردیت نامناسب راستے سے حاصل کی۔ صحیح راستہ یہ تھا کہ ایک متوازن فردیت بھی ہوتی اور اس کے ساتھ ساتھ حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس بھی ہوتا۔

شہر کے یہ نئے باسی رفتہ رفتہ دین اخلاق اور روایات کے بندھن سے آزاد ہوتے گئے۔ کیوں کہ وہ گاؤں کی سخت اور پابند زندگی سے نکل کر شہر کی آزاد اور سہل زندگی میں داخل ہو چکے تھے۔ اور مذہب کے بندھن بھی آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے تھے۔ اس کے علاوہ ڈارون کی حیوانی تعبیر اور فرائڈ کے جنسی مسلک نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ پھر دیہات سے جو نوجوان آتے تھے انھیں کوئی خاندانی بندش بھی گناہ سے بچانے والی نہ تھی۔ چناں چہ شہر کی بدکاریوں میں وہ اپنی جوانی کے مسائل کا سستا حل تلاش کرتے تھے۔

عورت جو رفتہ رفتہ اپنی فردیت سے روشناس ہو رہی تھی وہ اب اس حالت سے نکل رہی تھی جس میں اس کے ذاتی تشخص کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جب اسے اپنی ذات کا احساس ہوا تو وہ ہر بندش ختم کرنے پر آمادہ ہو گئی اور ساتھ ہی مذہب، اخلاق اور روایات سے بھی برسرِ پیکار ہو گئی کیوں کہ انہی ہتھیاروں کو مرد نے جنگ آزادی میں اس کے خلاف استعمال کیا تھا تاکہ عورت اس کے مدّ مقابل نہ آسکے۔ حالاں کہ خود مرد ہر قسم کی مذہبی، اخلاقی اور روایاتی بندشوں سے آزاد تھا۔

پھر جب مرد نے عورت کی کفالت سے ہاتھ اُٹھالیا اور عورت کو میدان عمل میں آنا پڑا تو

اس نے محسوس کیا کہ اس کا اخلاق اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ کیوں کہ حیوانی سرشت والا جاہل انسان، جس کے ساتھ اسے مزدوری کرنا تھی۔ وہ اسے اس وقت تک مزدوری نہیں کرنے دے گا جب تک وہ اس کے حیوانی جذبات کے سکون کا سامان نہ کرے۔ پھر عورت مساوات بھی چاہتی تھی اس کا مطالبۂ مساوات جہاں اُجرت کے معاملے میں تھا وہاں وہ بے راہ روی، اباحیت پسندی اور اخلاقی بندشوں سے آزادی میں بھی مساوات کی طالب تھی۔

ان تمام اسباب کے پس پردہ مکار یہودی بھی غیر یہودی کا اخلاق تباہ کرنے میں لگا ہوا تھا۔

مارکس، فرائیڈ اور ڈرکایم نصیحت کر رہے تھے کہ:

''اخلاق ایک بے معنی قید ہے۔ انسانی وجود سراپا جنس ہے اور جنسی اختلاط ہی صحیح راہِ عمل ہے...(۱)''

سارا معاشرہ تباہ کن حلت پسندی کا شکار ہوگیا۔ معاشرتی بندھن ٹوٹ گئے، خاندانی روابط منقطع ہو گئے بلکہ خود جنس پرستی میں بھی کوئی رابطہ اور تعلق باقی نہ رہا۔ اگر اخلاق سے صرف نظر بھی کرلیا جائے تو بھی عورت مرد کے طویل مدت کے میلانات اور عواطف اور مشترکہ شعور جنس کے لیے رابطہ کا کام دیتا ہے —— اب یہ رشتہ بھی باقی نہ رہا۔ اب تو انسان صرف ایک شہوت پرست جسم تھا۔ جب اس کی شہوانی خواہشات پوری ہوجاتیں، جنسی رابطہ ٹوٹ جاتا اور جب شہوانی خواہشات دوبارہ بیدار ہوتیں، جنسی رابطہ پھر سے استوار ہوجاتا۔ اخلاق سے قطع نظر کر کے بھی میلانات اور احساسات کو پرانی سڑی گلی رومانوی اصطلاحیں خیال کرلیا گیا، جن کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ واقعتا جو کچھ تھا سو وہ یہ تھا کہ انسان حیوان تھا اور اس کے ساتھ شہوت پرست جسم تھا۔ بالکل ڈارون، فرائیڈ اور اس کے متبعین کی تعلیمات کے مطابق۔!

عورت مرد دونوں ہی کا انسانی تشخص ختم ہوگیا۔ اب وہ مرد و زن نہیں رہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا۔

مرد تو سارے اجتماعی، خاندانی اور جنسی رابطے ٹوٹنے کے بعد انسان کے بعد انسان کے بہ جائے مشین کا پرزہ بن کر رہ گیا۔ اب اس میں فکر اور احساس کا شائبہ تک نہ تھا۔ اب اس مشینی انسان کے سامنے نہ تو زندگی کا کوئی مقصد باقی رہ گیا تھا اور نہ ہی اسے اپنی انسانیت کا کوئی

---

(۱) انسانی زندگی میں جمود وارتقاء۔

احساس باقی رہا تھا۔ جب یہ انسان اپنے زندہ تشخص کو کچلنے والی اور شمع روح کو بجھانے والی مادی پیداوار سے فارغ ہوتا تو وہ اپنے حیوانی جذبات کی تکمیل میں لگ جاتا۔ اب اس کی زندگی کے دو مقاصد تھے ـــــ مشینی پیداوار اور حیوانی آزادی!

رہ گئی عورت تو بگاڑ اس کی اندرونی فطرت تک سرایت کر گیا۔

مصر کے روزنامہ 'الاہرام' میں ڈاکٹر بنت شاطئی اپنے مضمون ''تیسری جنس ظاہر ہونے والی ہے۔'' میں لکھتی ہیں:

''میں ایک ہفتے تک لائبریری میں پرانی ادبی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہی۔ اس محنت طلب مطالعہ کے بعد میں نے اتوار کے روز اپنی ایک سہیلی سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ میری یہ سہیلی ''فینا'' کے نواحی علاقے میں خاتون ڈاکٹر ہے۔ میرا خیال تھا کہ اتوار ملاقات کے لیے مناسب دن ہے۔ لیکن میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب میری سہیلی نے میرے لیے دروازہ کھولا تو اس کے ہاتھ میں آلو تھا اور وہ آلو چھیل رہی تھی۔ وہ مجھے باورچی خانہ میں لے گئی اور ہم وہاں بیٹھ گئے۔

میری سہیلی نے میرے تعجب کو بھانپتے ہوئے کہا۔

''غالباً تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ ایک خاتون ڈاکٹر اتوار کے دن باورچی خانہ میں گھسی ہوئی ہے۔''

میں نے ہنستے ہوئے کہا:

''خیر اتوار کے دن مصروف ہونا تو سمجھ میں آ سکتا ہے لیکن تعجب اس بات کا ہے کہ تم اپنے محنت طلب پیشہ کے باوجود بھی باورچی خانہ میں گھسی ہوئی ہو۔''

اس نے کہا۔ ''اگر تم اس بات کو اُلٹ لیتیں تو شاید کچھ صحیح بات ہوتی۔ کیوں کہ ہمارے یہاں قابلِ تعجب اتوار کو کام کرنا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے مجھے اتوار ہی کو فرصت ملتی ہے۔ رہ گیا باورچی خانہ کا کام تو یہ تو حقیقت میں اس بے چینی کا علاج ہے جس کا میں اور مجھ جیسی دوسری قومی خدمات کرنے والی خواتین شکار ہیں۔''

میں نے سوال کیا۔ ’’آخر اس بے چینی کی وجہ —— حالاں کہ اجتماعی زندگی بالکل مغربی عورت کے مزاج کے مطابق ہے۔‘‘

کہنے لگیں۔ ’’اس بے چینی کا جدید مشرقی عورت کی نئی ذمّے داریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تو آنے والے انقلاب کی صدائے بازگشت ہے۔‘‘

ماہرین اجتماعیات فزیالوجی اور بیالوجی کہتے ہیں کہ عورت کے تشخص میں تبدیلی پیدا ہورہی ہے۔ کیوں کہ اعداد وشمار بتارہے ہیں کہ گھر سے باہر کی زندگی میں حصہ لینے والی عورتوں کے یہاں پیدائش کم ہوتی جارہی ہے۔ پہلے پہل تو یہ خیال کیا گیا کہ بیرونی زندگی گزارنے والی عورتیں حمل، ولادت اور دودھ پلانے کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتیں، کیوں کہ اس طرح ان کی عملی زندگی متاثّر ہوتی ہے۔ لیکن جب زیادہ غور وفکر سے اعداد وشمار کا جائزہ لیا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ پیدائش کی کمی میں عورتوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ پیدائش کی کمی بانجھ پن کی وجہ سے ہے اور یہ بانجھ پن عورت کے ظاہری اعضاء کی خرابی کی بنا پر رونما نہیں ہوا۔ بلکہ درحقیقت گھر سے باہر کام میں مصروف رہنے والی عورت کا تشخص ماں بننے کی صلاحیت کم کررہا ہے۔ اور مادّی ذہنی اور اعصابی لحاظ سے وہ اپنے ناری تشخص سے کٹ گئی ہے۔ اور مرد کے ساتھ مشابہت کی کوشش، اور اس کے ساتھ میدانِ عمل میں شرکت نے بھی عورت کے ماں بننے کی صلاحیتوں کو متاثّر کیا ہے۔

علمائے حیاتیات مندرجہ بالا کی صحت کے لیے مشہور طبعی قانون کا حوالہ دیتے ہیں کہ ’’عمل اعضاء کی تخلیق کرتا ہے۔‘‘ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کا مادری عمل، جو مؤنث کی خاصیت کے طور پر جو امیں خاصیت کے طور پر پیدا کیا گیا تھا۔ وہ عورت کے مادری عمل سے کٹ جانے اور مردوں کی دُنیا میں گھس جانے کی بنا پر لازمی طور پر رفتہ رفتہ ختم ہوجائے گا۔

علماء نے مزید غور وفکر کیا تو تجربات اُنہیں اس سے بھی آگے لے گئے۔ اب علماء بڑے اطمینان سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ ایک تیسری جنس ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ جس میں صنف نازک کے وہ چند خصائص باقی رہ جائیں گے جو طویل ممارست کی بنا پر عورت کے تشخص میں راسخ ہوچکے ہیں۔

اس رائے پر کافی اعتراضات کیے گئے، پہلا اعتراض یہ ہے کہ بہت سی گھر سے باہر زندگی گزارنے والی عورتیں، بانجھ پن کو ناپسند کرتی ہیں اور اولاد کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ماں بننے والی عورت کو کام میں سہولت دی جاتی ہے اور قانونی طور پر عورت کو

اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے فطری فرائض سے عہدہ برآ ہو جائے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عورت کو اپنی مخصوص دُنیا سے نکلے ہوئے چند نسلیں نہیں گزریں، جب کہ عورت میں ماں بننے کی صلاحیتیں ہزاروں سالوں سے موجود ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اولاد کی خواہش مند عورت کو بچہ پیدا ہونے کی مشقتوں کا بھی دھڑکا لگا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ بچے کی پیدائش و پرورش اس کے کام میں رکاوٹ بنے گی۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عورت کو بچے کی پیدائش و پرورش کی اجازت قانون کے شکنجے میں کسی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اکثر اصحابِ عمل ایسی خواتین کا انتخاب کرتے ہیں جن کے پیدائش کا جھگڑا قصہ نہ ہو۔

تیسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ باوجودیکہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا زمانہ کم ہے، لیکن عورت نے چوں کہ مرد کے ساتھ مساوات اور مشابہت اختیار کرنے میں حد درجہ دل چسپی کا مظاہرہ کیا اور یہ فکر عورت کے اعصاب پر سوار اور اس کے ضمیر میں راسخ ہوگئی۔ اس لیے حیاتیاتی تبدیلیاں بھی ظہور پذیر ہوگئیں۔

اب اس موضوع کا بطور خاص مطالعہ کرنے والے صنف نازک میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا گہرا جائزہ لے رہے ہیں اور اس بارے میں اعداد و شمار کا مطالعہ کیا جا رہا ہے کہ کام کرنے والی عورتوں میں بانجھ پن، سینہ میں دودھ خشک ہونے اور ماں بننے کی صلاحیتوں کے فقدان کے کیا اسباب ہیں۔"

رہ گئے بچے جنھوں نے حلّت پسندی کے اس طوفان میں اپنی "فردیت" کا احساس کیا تو ان کا احساس بھی انحراف سے خالی نہ رہا۔

مرد اور عورت تو کارخانے اور تجارت میں لگ گئے۔ پھر اس پراگندہ خاندانوں میں بچوں کے لیے عطف و وجدان کا کون سا ربط باقی رہ گیا تھا، جو ان کے دلوں میں پیار و محبت کا بیج بو سکتا۔

یہ خاندانی ربط اور پیار و محبت کا رشتہ ہی تو ہے جو بچوں کی اس طرح نشو و نما کرتا ہے کہ ان کی فکر میں توازن اور ان کے شعور میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ ان میں جنسی آداب ہوتے ہیں، ان میں اس تعلق کا احترام ہوتا ہے جو افزائش نسل کا ذریعہ ہے۔ جنس صرف شہوت رانی کا نام نہیں رہتا۔ بلکہ انسانیت کے مقام کے مطابق تعلّقات استوار ہوتے ہیں۔

خاندان سے ماں کا رشتہ ٹوٹا، تو گویا وجدان کا رشتہ منقطع ہوگیا۔ اور جب رشتہ منقطع ہوجائے تو بس گھر ایک ہوٹل ہے جس میں مرد اور عورت ٹھہرے رہتے ہیں اور ظاہری طور پر اپنے ماں باپ ہونے کے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں جیسے کوئی ملازم اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہو۔

اب بچے خواہ ایک پراگندہ خاندان میں نوکروں کے ہاتھوں میں پرورش پائیں یا پرورش گاہوں میں اپنے جیسے ماں باپ سے بچھڑے ہوئے بچوں کے ساتھ نشوونما حاصل کریں۔ بہرکیف وہ بگاڑ کا شکار ہوہی گئے۔

الکسیس کارل کہتا ہے:

''دورِ جدید کے معاشرے نے عورتوں کی تربیت اسکولوں کے سپرد کرکے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو پرورش گاہوں میں چھوڑ دیتی ہیں اور خود یا تو اپنے کاموں پر نکل جاتی ہیں یا اجتماعی دلچسپیوں میں لگ جاتی ہیں، ادبی اور فنّی ذوق کی تسکین میں مشغول ہوجاتی ہیں، برج کھیلتی ہیں اور سنیما جاتی ہیں۔ غرض اس طرح تفریحات میں رہتی ہیں۔ یہ خاندان کی وحدت پارہ پارہ کرنے، اور مل بیٹھنے کے ان مواقع کو کھودینے (جن میں بچہ بڑوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے) کے بارے میں جواب دہ ہیں۔ کتّے کا بچہ اگر اپنے ہم عُمر پلّوں کے ساتھ ایک گھر میں بند کردیا جائے تو اس کی نشوونما اتنی تیز نہیں ہوسکتی۔ جتنی اس پلّے کی ہوتی ہے، جو اپنے ماں باپ کے ساتھ آزاد پھرتا ہے۔ یہ ہی فرق ہے اُن بچوں میں جو اپنے ہم عمروں میں گھرے رہتے ہیں اور ان بچوں میں جو بڑوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ کیوں کہ بچہ فزیالوجی، عقل اور جذباتی لحاظ سے وہی سیکھتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں ہوتا ہے اور اپنے ہم عمر بچوں سے بہت کم سیکھتا ہے۔ خصوصاً جب کہ مدرسہ میں تنہائی ہو تو بچہ نامکمل رہ جائے گا اور ایک فرد کے مکمل قوت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے کچھ تنہائی بھی ملے اور خاندان میں مل بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوتا رہے۔[۱]''

امریکی فلسفی دل ڈیورانٹ کہتا ہے:

''کیوں کہ عورت مرد کی شادی موجودہ دور میں صحیح معنی میں شادی نہیں ہے، اور بجائے باپ ماں کا رشتہ ہونے کے ایک جنسی تعلق ہے۔ اس طرح تمام زندگی ساری بنیادیں ڈھہ جاتی ہیں اور ازدواجی رشتہ کم زور ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ اس کا زندگی سے کوئی

---

(۱) الانسان ذالک المجهول ''انسان مجہول'' ص ۳۱۸-۳۱۹۔

تعلق نہیں ہوتا، اور میاں بیوی اس طرح تن تنہا رہ جاتے ہیں۔ جیسے ان میں آپس میں کوئی رشتہ ہی نہ ہو(۱)''

اس تمام عرصہ میں نیا پیدا ہونے والا ''بورژواطبقہ'' فرد کو مزید آزادی دلانے کی فکر میں رہا۔ پہلے تمام اقتدار جاگیرداروں کے پاس تھا۔ وہ جس طرح چاہتے تھے عوام کا خون چوستے تھے۔ کلیسائی نظام بھی جاگیرداروں کا حامی تھا۔ کیوں کہ خود کلیسا کے مفادات اسی سے وابستہ تھے اور کلیسا چاہتا تھا کہ عوام اس کے روحانی اقتدار کے سامنے جھکے رہیں، تاکہ پادری اور مذہبی لوگ اپنی حاکمیت منوا سکیں اور آرام وراحت کی زندگی گزار سکیں۔

جب شہری آبادیاں بڑھیں اور ملازموں، صنعت کاروں اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کا طبقہ وجود میں آیا —— تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے حقوق کی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔ 'پارلیمان' پر جاگیرداروں کی اجارہ داری ہے اور آزادی رائے اور آزادی اجتماع کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ چناں چہ جاگیرداروں سے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے نیا طبقہ ایک شدید طبقاتی جنگ میں مصروف ہو گیا۔

اس طبقاتی جنگ میں جمہوریت کو فتح حاصل ہوتی رہی اور فرد کو آزادی ملتی رہی۔

مارکسی فلسفہ کہتا ہے کہ یہ طبقاتی جنگ تھی۔ نیا اُبھرنے والا بورژوا طبقہ سے جنگ آزما تھا! اگر اس خیال کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی اس بات سے انکار مشکل ہے کہ بورژوا طبقہ (یعنی شہریوں کے باسی) محسوس کر رہا تھا کہ یہ دونوں طبقوں کی فردیت کی جنگ ہے۔ ہر فرد اپنے ذاتی تشخص کو ممتاز کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے تاکہ یہ محسوس کرا دے کہ وہ اپنا مستقل وجود رکھتا ہے اور کسی دوسرے کا تابع نہیں ہے۔

جاگیرداری نظام سے جتنی آزادی ملتی تھی اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ فرد کی حریت کو ایک نیا میدان مل گیا، اب وہ کچھ امور اپنی شخصی رائے کے مطابق انجام دے سکتا ہے۔

یہ آزادی صرف سیاسی آزادی نہ تھی، بلکہ مذہب، اخلاق اور روایات کے بھی سارے بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹ چکے تھے اور اس چھوٹ اور اباحیت پسندی کو شخصی آزادی کے نام سے قانونی اور عدالتی تائید بھی حاصل ہو گئی تھی۔

---

(۱) مباہج الفلسفہ ''فلسفہ کی نیرنگیاں'' ص ۵۔

جاگیرداری نظام سے سیاسی اور اقتدار کی جنگ میں بورژوا طبقہ نے فرد کی آزادی پر زور دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی اور زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل ہو۔

فرد کی آزادی کی جدو جہد میں انسان اپنے وجود کو 'الٰہ' بنا بیٹھا اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے وجود کی پرستش شروع کر دی۔

فرد کی آزادی کے پردے میں سرمایہ داری میدان پر میدان فتح کرتی جا رہی تھی۔ سرمایہ داری کی بنیاد یہی تھی کہ ہر فرد آزاد ہو، جس قدر چاہے وسائل کا مالک بن جائے۔ جتنا اُس سے ہو سکے وہ لوٹ کھسوٹ لے اور جتنا اُس کی طاقت ہو وہ مزدوروں کو اپنا غلام بنا لے۔

سرمایہ داروں نے فرد کی آزادی کا خوب پرچار کیا اور فرد کے انسانی حقوق اور اُس کی ہمہ گیر آزادی کے بارے میں بڑے خوب صورت فلسفے تراشے، یہ بھی کہا گیا کہ فرد کی تقدیس تسلیم کی جائے تا کہ وہ اپنی زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے۔ نیز یہ کہ معاشرے کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ فرد کی آزادی میں رکاوٹیں کھڑی کرے۔

فرد کی آزادی کے سلسلے میں سرمایہ داروں کا نعرہ یہ تھا کہ فرد بغیر کسی مزاحمت کے جو چاہے کرے اور بغیر کسی رکاوٹ کے جس طرف سے چاہے گزر جائے۔'' (Laissez Faire, Laissez Passer) گویا ہر قید سے چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

لیکن 'فرد کی آزادی، فرد کی تقدیس اور فرد کے حقوق کے بارے میں یہ خوب صورت جملے اور یہ خوش نما الفاظ اللہ کے لیے نہیں تھے۔ بلکہ شیطان طاغوت کے لیے تھے جو سرمایہ داری کے بھیس میں جلوہ گر ہو رہا تھا۔ کیوں کہ اگر فرد کو اتنی ہمہ گیر آزادی اور اتنی کھلی چھوٹ نہ ہو تو سرمایہ داری کو بھی اپنی من مانی کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔

سرمایہ داری نے اپنے سرکش اقتدار کے لیے بس یہ کیا کہ آزادی کا صور پھونک دیا۔ جس آزادی کے نتیجے میں معاشرے میں مذہب، اخلاق اور روایات کے بندھن ڈھیلے ہو گئے۔ عورت، مرد، بچّے اور خاندان پراگندگی کے شکار ہو گئے۔ سرمایہ داری کا مقصد یہ تھا کہ عوام کو آزادئ عمل اور آزادئ رائے کا خوگر بنا کر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے۔ بلکہ معاشرے

کی پراگندگی سرمایہ داری کے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔ کیوں کہ اس طرح پیسہ کو خواہشاتِ نفس میں خرچ کرنے کے زیادہ مواقع فراہم ہو جاتے ہیں اور سرمایہ داری دو چند منافع کماتی ہے۔

سرمایہ داری نے فرد کی آزادی، اور اس کے راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے با قاعدہ فلسفہ گڑھ کر کھڑا کر دیا، جس کی اشاعت کے لیے اسکول، استاد، مؤلّفین، صحافی اور فن کاروں نے مل جُل کر حصہ لیا۔

اس فلسفہ کی روشنی میں معاشرے کی تصویر نہایت بھیانک بنائی گئی اور بتایا گیا کہ معاشرہ فرد کے تشخص کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے فرد کو بھی چاہیے کہ وہ معاشرے کو توڑ پھوڑ کر اپنا بدلہ پورا پورا چکا لے۔!

مگر کبھی ان فلسفیوں، مفکّروں، ادیبوں، صحافیوں، مولّفوں، مصنّفوں اور فن کاروں نے یہ نہیں سوچا کہ "آخر فرد کی آزادی کے لیے جس معاشرے کی توڑ پھوڑ کی جارہی ہے۔ وہ ہے کیا؟ کیا معاشرہ انسانوں کا مجموعہ نہیں ہے؟ کیا انسان فرد اور معاشرہ دونوں کو شامل نہیں ہے؟ کیا معاشرہ فرد کی اس خواہش کی تکمیل نہیں ہے کہ فرد اپنے ہم جنس افراد کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتا ہے؟ اور اگر معاشرہ ختم ہو جائے تو فرد کہاں رہے گا؟ زندگی کا کون سا نقشہ ہوگا جس کے مطابق فرد زندگی گزارے گا؟

یہ سارے فلسفی، مفکّر، ادیب، صحافی، لکھنے والے اور فن کار، اللہ کی صراط مستقیم اور اللہ کے نور سے بہت دور جاہلیت کے اندھیاروں میں بھٹکتے رہے۔ ان کی عقل میں یہ بات نہ آئی کہ سرمایہ داری کا ہلاکت خیز طاغوت جو آج انہیں منحرفانہ آراء کے پرچار کی دعوت دے رہا ہے۔ کل جب سارے معاشرتی بندھن ٹوٹ جائیں گے تو اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہوگا اور وہ یہ کہ ان بکھرے ہوئے افراد کو جن کو کوئی رشتہ آپس میں نہیں جوڑتا، جن میں محبت و قرابت کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا۔ ان سارے انسانوں کے گلّہ کو طاغوت کا غلام بنا دیا جائے۔

یہ سارا گلّہ سرمایہ داری کے طاغوت اور سرمایہ داروں کے مفادات کا غلام بن کر ذلیل و خوار اور گم کردہ راہ ہو جائے اور پھر سرمایہ داری کا طاغوت اس کی رسّی پکڑ کر خواہشات اور شہوات کے بازار میں لیے لیے پھرے!

ایک طرف تو ''فردیت'' پر یہ ''انتہا پسندانہ'' اصرار تھا تو دوسری طرف اس کے ردِّعمل کے طور پر ''اجتماعیت'' نے سر اُٹھایا۔

''اجتماعیت پسندوں'' نے کہا۔ نہ فرد کا کوئی وجود ہے اور نہ فرد کے کوئی معنی ہیں۔ فرد کی زندگی کا سرچشمہ معاشرہ ہے اور فرد کے لیے ممکن نہیں کہ وہ معاشرے کی حتمی روش میں کوئی تبدیلی لا سکے۔

ڈرکایم نے انسانی زندگی کی اجتماعی تعبیر پیش کی۔ جب مارکس نے ''تاریخ کا مادّی فلسفہ'' سامنے رکھا، جس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ''معاشیات معاشرے کی شکل متعیّن کرتی ہے اور معاشرہ فرد کی تخلیق کرتا ہے۔''

ڈرکایم کہتا ہے:

> ''اجتماعی شعور سے اُبھرنے والے نفسیاتی حالات، قطعی طور پر ان حالات سے مختلف ہوتے ہیں جو فرد کے شعور سے پیدا ہوتے ہیں، بلکہ فرد کے شعور سے پیدا ہونے والے حالات ہوتے ہیں۔ نیز جماعتی عقل، بھی 'انفرادی عقل' سے مختلف ہوتی ہے۔ اور اس کے اپنے مخصوص قوانین ہیں۔(۱)''
>
> ''عمل اور اجتماعی فکر کی گونا گوں راہیں، افراد کے ضمیر سے باہر پائی جانے والی حقیقتیں ہیں اور افراد مجبور ہیں کہ زندگی کے ہر لمحہ میں ان حقائق کے سامنے سرنگوں ہیں۔(۲)''
>
> ''عملِ مشترک جس سے اجتماعی ظواہر پیدا ہوتے ہیں اور جو فرد کے شعور سے باہر اتمام پذیر ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ بہت سے افراد کے ضمائر کا نتیجہ ہوتا ہے۔(۳) یہی عمل مشترک، عمل اور فکر کی راہیں متعین کرتا ہے اور یہ راہیں ہمارے وجود سے باہر پائی جاتی ہیں اور فرد کے ارادے سے متاثر نہیں ہوتیں۔(۴)''

---

(۱) قواعد المنهج فی علم الاجتماع ''اجتماعیات کے اصول''۔ ترجمہ ڈاکٹر محمود قاسم، نظر ثانی ڈاکٹر سید محمد بدوی مقدمہ طبع دوم ص: ۱۵

(۲) بحوالہ سابق ص: ۲۲

(۳) تعجب ہے کہ ڈرکایم یہاں اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ ''اجتماعی ظاہر بہت سے افراد کے ضمیر سے پیدا ہوتا ہے۔'' لیکن پھر فوراً ہی فرد کے تشخص کا انکار کر دیتا ہے۔

(۴) بحوالہ سابق ص: ۲۵

''اجتماعی ظواہر کی جوہری خصوصیت، چوں کہ افراد کے ضمیر پر باہر سے اثر انداز ہوتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ظواہر افراد کے ضمیر کی پیداوار نہیں ہیں (۱)''

''دیکھ لیجیے... اجتماعی، خارجی ظاہر افراد کے داخلی شعور پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے (۲)''

مارکس اور انگلز اپنے مادّی فلسفہ میں انسانیت کی تعبیر میں بہت دور نکل گئے ہیں۔

''مادّی زندگی میں طریقہ پیداوار ہی، زندگی کی اجتماعی، سیاسی صورتوں کی تشکیل کرتا ہے ـــ'' (مارکس)

''پیداوار اور تبادلہ پیداوار ہی کی بنیاد پر سارے اجتماعی نظام کی عمارت کھڑی ہے ـــ'' (انگلز)

گویا مارکس اور انگلز کی رائے میں نہ تو انسان کا کوئی ذاتی وجود ہے نہ اس کے اپنے شعور و افکار اور جذبات ہیں۔ انسان تو بس اقتصادی نظام کا ایک پرتو ہے اور وہ اقتصادی نظام خود انسان سے باہر پایا جاتا ہے:

''جس اجتماعی پیداوار کے لوگ عادی ہو جاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ کچھ ایسے تعلّقات قائم کر لیتے ہیں جو ان کے ارادہ کے تابع نہیں ہوتے... حقیقت میں لوگوں کا شعور ان کے وجود کو متعین نہیں کرتا۔ بلکہ ان کا وجود ان کے شعور کی تشکیل کرتا ہے۔''

(مارکس)

''تغیرات اور اساسی تبدیلیوں کے آخری اسباب کا پتہ، لوگوں کی عقلوں اور ان کے حق و انصاف کے متبع ہونے سے نہیں چلتا، بلکہ ان اسباب کا پتہ ان تبدیلیوں سے چلتا ہے، جو پیداوار اور تبادلۂ پیداوار میں ہوتی ہیں'' (انگلز)

اہم بات یہ ہے کہ ''مادّی فلسفہ'' فرد کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کرتا، بلکہ مستقل اجتماعی شکلوں کے بارے میں کلام کرتا ہے، جیسے ان اجتماعی شکلوں میں فرد کا وجود اسے محسوس ہی نہ ہوتا ہو۔

مارکس اور انگلز کی رائے میں فرد کا کوئی وجود نہیں ہے۔ فرد ''طبقہ'' کا ایک جزو ہے اور جس طبقہ سے منسوب ہے اس کے مفادات کی تکمیل میں لگا رہتا ہے اور فرد کا کسی طبقہ سے منسوب ہونا ہی، اس کے شعور، افکار، اخلاق، روایات اور زندگی کے بارے میں اس کا موقف متعین کرتا ہے۔

---

(۱) بہ حوالہ سابق ص:۱۶۶

(۲) بہ حوالہ سابق ص:۱۶۶

رہ گیا یہ خیال کہ فرد کا اپنا ذاتی تشخص بھی ہوتا ہے اور اس کے اپنے ذاتی افکار و خیالات بھی ہوتے ہیں۔ مادّی فلسفہ کی نظر میں ایسا ہونا محال ہے اور تاریخی واقعات جن افراد کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو یہ لوگوں کی گڑھی ہوئی کہانیاں ہیں۔ (آخر کیوں؟) سائنسی مطالعہ سے جو حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ ہے کہ فرد کا ذاتی وجود کبھی بھی نہیں رہا۔ بلکہ فرد نے ہمیشہ اپنے طبقہ کی نمائندگی کی ہے۔ اور اگر آنے والے طبقہ کی طرف جھانک کر دیکھا جائے، جس کا آنا مادّی اور اقتصادی انقلابات نے یقینی قرار دے دیا ہے۔ تو بھی فرد ایک انسان ہے جو آنے والے جبری رُخ کی بشارت دے رہا ہے۔!

گویا انسانیت اقتصادی اور مادّی جبری انقلابات کی تابع ہے۔ فرد معاشرہ کا تابع ہے اور معاشرہ ان انقلابات کا تابع ہے۔!

انسان نے 'انفرادیت' سے اجتماعیت کی طرف آکر نئے ''اِلٰہ'' بنا لیے۔ اب اس کے اِلٰہ'' مادّی جبریتیں'' بن گئے۔!!

''اجتماعیت پسندی'' بھی ایک جاہلی بگاڑ ہے، جو اپنی انتہا پسندی میں سابقہ جہالت سے کس طرح کم نہیں۔ جس جاہلیت میں جماعت کے مقابلہ فرد کی اہمیت ہے۔!

اجتماعیت پسندی ہو یا انفرادیت پسندی دونوں اپنے سے پہلے بگاڑ کا ردِّ عمل ہیں۔ دونوں پر'' انتہا پسندی چھائی ہوئی ہے۔

دونوں جاہلیتیں یہ سمجھنے سے عاجز ہیں کہ فرد جماعت کا ایک حصہ ہے۔ فرد اور جماعت دونوں ہی حقیقت ہیں۔ اگر افراد کا مجموعہ نہ ہو تو معاشرہ کیسے تشکیل پائے۔

انسانی زندگی کو 'اجتماعیت' پر محمول کرنے میں سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ اس میں زندگی کا ایک ہی پہلو مدّ نظر رہتا ہے کہ فرد اپنی خواہشات کے علی الرغم ان امور کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے جو معاشرہ اس پر لاگو کر دیتا ہے۔

یہ اگرچہ ایک حقیقت ہے لیکن حقیقت کس بات پر دلالت کرتی ہے۔

ڈرکایم نے اقرار کیا ہے (اگرچہ اقرار کر کے فوراً پھر گیا) کہ اجتماعی ظاہر بہت سے افراد کے ضمیر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ فرد کسی نہ کسی شکل میں معاشرے کی نمائندگی کر رہا ہے اور اس کی اس زندگی کا معاشرے میں وزن ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ معاشرہ کچھ امور فرد پر لاگو کرتا ہے (چلیے مان لیتے ہیں کہ تمام امور معاشرہ لاگو کرتا ہے) تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

یا تو بہت سے صالح اور نیکوکار افراد کے ضمیر مل کر کوئی بات ایک منحرف شخص پر لازم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "دیکھو! تم ان حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔"!

یا کچھ غیر صالح افراد کے ضمیر مل کر صالح افراد کو اپنی بات ماننے پر مجبور کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یا تو ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔ ورنہ ہم تمہیں راستے سے ہٹا دیں گے۔"

دونوں صورتوں میں بہت سے افراد کے ضمیر ایک بات پر متحد ہو جاتے ہیں اور اس اتحاد کی بنا پر اُن کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی صورت میں بھی طبیعت انسانی سے رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔ فرد اور معاشرہ دونوں انسان ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ صرف فرد انسان ہے یا صرف معاشرہ انسان ہے۔

اجتماعی اور مادّی فلسفہ سارے مسئلہ کو غلط بحث میں ڈال دیتا ہے اور فرد کے ذاتی تشخص کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ کیوں کہ مادّی فلسفہ تو زندگی کے ایک ہی پہلو کو مدِ نظر رکھتا ہے کہ "فرد تمام حالات میں معاشرہ کا تابع ہے۔"

مادّی فلسفہ والوں کو جاہلیت کے اندھیارے میں یہ حقیقت سجھائی نہیں دیتی کہ اکثر افراد معاشرے کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور معاشرہ سے نبرد آزما ہو جاتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ معاشرے باغی افراد کو کچل سکتے ہیں تو یہ قول دلیل نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ فرد اپنے ذاتی تشخص کو اس حد تک اہمیت دیتا ہے کہ معاشرے سے بھی ٹکّر لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور معاشرے کے اقتدار کو چیلنج کر دیتا ہے۔

پھر بھی یہ صحیح نہیں کہ ہر مرتبہ معاشرہ افراد کو کچل دیتا ہے۔ یہ خیال نہ میدانِ خیر میں صحیح ہے اور نہ میدانِ شر میں۔ پہلے ہم شر کی مثال دیتے ہیں کہ کس طرح فرد کی رائے معاشرے پر چھا گئی۔

خروشچیف نے اسٹالن کے بارے میں کہا کہ اس نے اپنی انفرادی لیڈری پورے معاشرے پر عبادت کے درجہ میں مسلّط کر دی تھی۔

اب تاریخ کے مادّی فلسفہ کا کیا خیال ہے۔

اسٹالن معاشرے کی حقیقی مصالح کی نمائندگی نہیں کررہا تھا۔ نہ طبقہ حاکمہ اور پرولتاری طبقہ کی نمائندگی کررہا تھا۔ بلکہ اسٹالن اپنے انفرادی سرکش اور بے رحم اقتدار کی نمائندگی کررہا تھا... اب بتایئے اگر ہم فرد کی تاریخ کونظر انداز کردیں تو اس واقعہ کا کیا مطلب لیا جائے۔

خیر کی جانب انبیاء، پرہیز گار، داعی اور مصلحین ہیں جو سرکش معاشرے میں افراد کی شکل میں آتے ہیں۔ وہ سچائی، بھلائی، حق و انصاف کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ کبھی تو اُنھیں یہ کامیابی ان کی زندگی ہی میں نصیب ہوجاتی ہے اور کبھی ان کے افکار کی اشاعت ان کی کامیابی کی ضامن بنتی ہے۔

آخر آپ اس بارے میں کیا کہیں گے۔ اگر فرد کی تاریخ کونظر انداز کردیا جائے۔ نہ انسانی تاریخ کو صرف افراد کے گرد گھُمایا جاسکتا ہے اور نہ ہی صرف معاشرے کو مدنظر رکھا جاسکتا ہے۔ دونوں جاہلی افکار ہیں اور تاریخی واقعات کے خلاف ہیں۔

انسان کی تعبیر انسان ہی کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے، وہ انسان جو بیک وقت فرد اور معاشرہ دونوں کو شامل ہے اور فرد و معاشرہ زندگی کے میدان میں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی کبھی فرد نمایاں ہوجاتا ہے اور کبھی معاشرہ نمایاں ہوجاتا ہے۔ لیکن جس حقیقت سے جاہلی مکاتیبِ فکر ناآشنا ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں انسان کے دونوں حصے (فرد اور معاشرہ) عرصۂ حیات میں مل جل کر رواں دواں رہے ہیں، کبھی علیٰحدہ نہیں ہوئے۔ فرد معاشرے کے طور پر کام کرتا رہا اور معاشرہ فرد کے طور پر کام کرتا رہا، اور کبھی بھی ایک کا وجود دوسرے سے ہٹ کر نہیں پایا گیا (جیسا انفرادیت پسند جاہلیت اور اجتماعیت پسند جاہلیت کا خیال ہے۔)

اب جاہلیت جدیدہ کے زیرِ سایہ انسانیت کے سامنے صورتِ حال یہ ہے کہ وہ سرکشی اور طغیان کے کسی ایک رنگ میں رنگی جانے پر مجبور ہے۔

یا تو انسانیت فرد کی سرکشی کو اپنا لے اور انفرادیت پسند سرمایہ دار ملکوں میں شامل ہوجائے یا اجتماعیت کی سرکشی کو پسند کرلے اور اجتماعیت پسند ممالک کے ساتھ ہوجائے بشرطے کہ انسانیت کو انتخاب کا اختیار ہو۔ کیوں کہ جاہلیت کے زیرِ سایہ زندگی گزارنے والی انسانیت کو

کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر طاغوت کی حکمرانی ہوتی ہے جس کو حالات اقتدار سونپ دیتے ہیں۔

یہ تباہی نتیجہ ہے اللہ کی صراط مستقیم سے انحراف کا۔

اور ــــ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے انحراف کا نتیجہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنی حقیقت گم کر بیٹھا۔

فرد جو معاشرے سے جُدا ہے، وہ اپنے بڑے جز سے جُدا ہے۔ نتیجہ یہ کہ فرد اپنی ہی ذات کے خلاف جنگ میں مصروف ہے اور نوبت جنون، خودکشی اور بلڈ پریشر، اعصابی کھچاؤ اور نامعقولیت تک پہنچ چکی ہے۔

اور معاشرہ جو اپنے افراد کو کچل رہا ہے وہ آخر کار اپنے آپ کو کچل دے گا۔ ایسے معاشرے میں آبادی کی زیادتی بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ کیوں کہ سب لوگ اُس طاغوت حاکم کی سواری ہیں۔ جو جب تک حاکم رہتا ہے ''یگانہ لیڈر'' ہوتا ہے۔ اور جب مر جاتا ہے یا اقتدار ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو مجرم اور وحشی بن جاتا ہے۔ پھر بھی جاہلیت کا اپنے متعلق یہ خیال ہے کہ وہ انسانی ترقی کی چوٹی پر پہنچ گئی ہے اور خدائی احکامات سے بے نیاز ہو چکی ہے۔

اَخلاق کا بگاڑ

لوگ ایک بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ، وہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت جدیدہ اخلاق کی حامل ہے۔

مشرقی لوگ اشارے کر کر کے کہتے ہیں کہ ''ذرا اس مہذّب شخص کو دیکھو، یہ کتنا صاحبِ اخلاق ہے! نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ دھوکا دیتا ہے۔ سیدھی سیدھی بات کرتا ہے، اور ایمان داری سے معاملہ کرتا ہے۔ پھر اپنے کام میں مخلص ہے۔ سچّے دل سے وطن کی خدمت میں مصروف ہے۔ گویا ایک مثالی نمونۂ اخلاق ہے۔... جنسی مسائل کو رہنے دو، کیوں کہ مغرب میں جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں۔ کاش ہم بھی ان جیسے ہو جائیں، لیکن ہمارے پاس اخلاق آجائے۔''!!

ہم یہاں جاہلیتِ جدیدہ کے اخلاق کا تاریخی مطالعہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ مغربی اَخلاق ترقی پذیر ہے یا مسلسل انحطاط اور تنزل کا شکار ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف واقعاتی حقائق سامنے لاکر بتائیں گے کہ مغرب کا معیار اخلاق کیا ہے؟

تاریخی مطالعہ سے پہلے ہم اس بات کا دوبارہ ذکر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ ''تاریخ کی کوئی بھی جاہلیت بالکلیہ اخلاق سے خالی نہیں ہوتی۔'' پوری کی پوری انسانیت، زندگی کے ہر ہر گوشے میں فساد سے ہم کنار نہیں ہوتی اور نہ ہی نفسِ انسانی مکمل طور پر شر پسند بن جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں فساد کا بگاڑ خواہ کتنا ہی کیوں نہ سرایت کر جائے۔ پھر بھی چند بھلائیاں اور کچھ خیر باقی رہتی ہے۔ ہاں یہ بھی ہے کہ غیر مربوط سی خیر جاہلیت کو بگاڑ سے ہم کنار ہونے اور بگاڑ کے لازمی نتائج کا شکار ہونے سے نہیں بچا سکتی۔

جاہلیتِ عربیہ میں بھی بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں تھیں۔

عربوں میں بہادری اور جرأت تھی، وہ مقصد کی خاطر جان تک کی بازی لگانے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ ان میں کرم تھا، خودداری تھی، اور ایسے کاموں سے دور بھاگتے تھے، جن سے ان کی خودداری کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

لیکن یہ ساری خوبیاں عربوں کو جاہلیت اور جاہلیت کے نتائج سے نہیں بچا سکیں۔ چوں کہ ان خوبیوں کا رشتہ اللہ کی ہدایت سے قائم نہیں تھا۔ اس لیے یہ خوبیاں سیدھے راستے سے منحرف ہوتی چلی گئیں۔

بہادری، جرأت اور جان کی بازی لگا دینے کی صفات، خون کا بدلہ لینے اور گمراہ ساتھی کی مدد کرنے میں ضائع ہو گئیں۔ کیوں کہ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ان کی مدد حق کے مطابق ہے یا باطل کے۔ جب جنگ کا نقّارہ بجتا وہ خون کا بدلہ لینے نکل جاتے، نہ اس میں حق کو قائم کرنے کا عزم ہوتا اور نہ باطل کو مٹانے کا ارادہ!

چناں چہ باطل تہ بہ تہ جمتا چلا گیا۔ سخاوت فخر ومباہات ہو کے رہ گئی تھی۔ جانوروں کو اس لیے ذبح کیا جاتا اور مہمانوں کے لیے کھانے اس لیے تیار ہوتے تاکہ مسافر اور سواران کی مہمان نوازی کے قصّے سُنائیں۔ چاہے وہاں سے کسی مسافر کا گزر ہی نہ ہوتا اور ان کی مہمان نوازی کا کوئی قصّہ نہ سنایا جائے۔ پھر اگر کمزور اور محروم کی مدد صرف اللہ کے لیے کرنی پڑ جائے تو فوراً طبیعتوں میں بخل پیدا ہو جاتا تھا اور بخشش سے رک جاتے تھے۔ خودداری تکبّر کی شکل اختیار کر کے، اتباعِ حق سے مانع بن چکی تھی۔

گویا عربوں کی خوبیوں اور اخلاق کی بنیاد حق و انصاف نہیں تھا۔ بلکہ ان کی ''انا'' تھی۔ اگرچہ یہ انانیت پسند عرب اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ سراپا گمراہی ہے۔

اسی طرح مغربی جاہلیت بھی انفرادی معاملات میں کئی خوبیوں کی حامل ہے۔ مثلاً سچائی، خلوص، مستقل مزاجی، امانت اور پاکیزگی۔ لیکن چوں کہ یہ تمام خوبیاں اللہ کی صراطِ مستقیم سے دور ہیں۔ اس لیے ان خوبیوں میں بھی راہ راست سے انحراف پیدا ہو گیا ہے۔ اور راہِ راست سے انحراف کی بنا پر تمام خوبیاں، مادّی فوائد کا لالچ بن کر رہ گئی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان خوبیوں کو اپناتا ہے تو اس لیے کہ یہ خوبیاں انفرادی معاملات میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں اور

زندگی کی گاڑی کو بغیر دھچکے لگے، ایک ہموار سڑک پر رواں کر دیتی ہیں۔ اگر ان اخلاقیات کے یہ مادّی فائدے ختم ہو جائیں تو "مغرب کا مہذّب انسان" ان اخلاق سے فوراً دست بردار ہو جائے اور اس کی نظر میں یہ اخلاقیات ایک ناقابل عمل مثالی حماقتیں بن جائیں۔

اب ذرا مغربی اخلاق کے سلسلہ میں تاریخی حقائق کا مطالعہ بھی کرتے چلیے...

مغربی اخلاق کا سرچشمہ مذہب تھا۔ انسانیت کچھ عرصہ حق پر رہنے کے بعد اپنے عقیدے سے منحرف ہو جاتی ہے اور عقیدے سے انحراف کے ساتھ ساتھ اخلاق بھی منحرف ہوتا چلا جاتا ہے، لیکن اخلاق میں انحراف حد سے زیادہ سُست اور آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ اخلاق میں انحراف اِتنا زیادہ سُست رفتار ہوتا ہے کہ بعض اوقات اِس انحراف کے رونما ہونے میں کئی کئی نسلیں بیت جاتی ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے جس کی بنا پر جاہلیت جدیدہ کے متوالے دھوکہ کھا گئے ہیں۔ کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ عقیدے میں ظاہری اور کھلّم کھلاّ انحراف ہے لیکن اس کے باوجود اخلاق میں انحراف و بگاڑ نہیں پایا جاتا۔ اس صورتِ حال سے متاثّر ہو کر لوگ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ عقیدے اور اخلاق میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اور اگر لوگ عقیدے سے منحرف بھی ہو جائیں تو بھی اخلاق باقی رہ سکتا ہے۔

یہ حقیقت میں ایک بہت بڑا دھوکا ہے اور اس دھوکہ کا سبب عقیدہ اور اخلاق کی رفتارِ تنزّل کا اختلاف ہے۔

اخلاق بہت زیادہ سُست روی کے ساتھ تنزّل پذیر ہوتا ہے۔ کیوں کہ انسان عادات اور روایات کے ماتحت بہت طویل عرصہ تک اپنے اخلاق کو محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ عقیدے کے طور پر ایمان پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ بلکہ اخلاق کا ایمان اور عقیدے سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے جب کہ لوگ یہ سمجھتے ہوتے ہیں کہ اخلاق بذاتِ خود ایک شے ہے۔ جسے بہرحال موجود ہونا چاہیے۔ لیکن بہرحال اس حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کہ عقیدہ کا بگاڑ لازمی طور پر اخلاق میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور جب بھی اخلاق کا رشتہ عقیدہ سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اخلاق کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مغربی اخلاق بھی تدریجی تنزّل کا شکار ہوا۔ جس کے باقی ماندہ آثار نے لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیا کہ جاہلیتِ جدیدہ اخلاق کی حامل ہے۔

کسی زمانہ میں مغربی اخلاق کا سرچشمہ وہی تھا، جو ہر اخلاق کا ہوتا ہے۔یعنی مذہب اور مذہب کے سوا اخلاق کا کوئی سرچشمہ ہے نہیں!

مغربی اخلاق کے دو مصادر تھے۔ایک دین مسیحی اور دوسرا اسلام! کانسٹینٹائن، دین مسیحی کو یورپ میں لے کر آیا۔تو اس دین کے زیر سایہ مغربی زندگی نے چند معیّن اخلاقی نمونے اپنا لیے، جو ایک مدّت تک لوگوں کے دلوں میں قائم رہے۔ باوجودیکہ خود کانسٹینٹائن کے ہاتھوں مسیحی دین میں کئی انحراف پیدا ہو گئے تھے(۱)

دین مسیحی سے مغرب نے جو اخلاق لیا وہ زیادہ تر منفی انداز رکھتا تھا اور واقعات سے اس کا تعلق نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰؑ فرمایا کرتے تھے:

''جو تمہارے داہنے رخسار پر تھپڑ مارے، بایاں بھی اس کے سامنے کر دو۔''

اگرچہ حضرت عیسیٰؑ کا مقصد اِس نصیحت سے لوگوں کے باطن کی صفائی تھی۔لوگوں کے دلوں میں ذلّت اور بزدلی کا بیج بونا مقصود نہیں تھا۔لیکن قرونِ وسطیٰ کے مسیحی اخلاق پر سلبی اور منفی پہلو غالب رہا اور اس سلبیت کی وجہ اس وقت کی رومی بادشاہت اور اس کا جبر و فساد تھا۔

اس کے بعد صلیبی جنگوں میں یورپ کو اسلامی دُنیا سے واسطہ پیش آیا اور عیسائی اسلامی شہروں میں آئے اور شام کے بعض علاقوں میں اپنی ریاستیں بھی قائم کر لیں۔اس طرح مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور مسلمانوں سے انھوں نے اپنے اخلاق سیکھنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا مثبت نظریہ بھی لیا۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کے یہاں دیکھا کہ اگر مؤذّن نے اذان دے دی، تو مسلمان اپنی دوکانیں قیمتی سامان سے بھری ہوئی چھوڑ کر نمازوں کے لے دوڑ جایا کرتے تھے اور جب نمازوں سے واپس آتے۔اپنی دکانیں حسب سابق پاتے اور کوئی چیز چوری نہ ہوتی۔ کیوں کہ اسلام نے لوگوں کو ایمان دار بنا دیا تھا۔

مسلمان ایک مربوط قوم تھی کم از کم خطرات کے وقت ان میں ایک قوم ہونے کا شعور بیدار ہو جاتا تھا۔چناں چہ آپس میں تعاون کرتے، محبت کرتے، رحم کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ خلوص سے پیش آتے تھے۔

---

(۱) اسی کتاب کے صفحہ ۳۲ پر روبیر امریکی کا بیان دیکھیے۔

عیسائی دیکھتے تھے کہ مسلمان صنعت کار تن دہی، چستی اور امانت سے کام کرتے ہیں اور مسلمان صنعت کار کا سرمایہ اس کی امانت داری ہے اور اس کی جدوجہد ترقی کی ضامن ہے اس وجہ سے مسلمانوں میں صنعتیں ترقی پذیر تھیں اور پیداوار کی کثرت تھی۔

اس قسم کی صدہا خوبیاں عیسائیوں نے مسلمانوں میں دیکھیں۔ بالخصوص عیسائیوں نے مسلمانوں سے جو معاملات کیے، اس میں ان کے ایفائے عہد سے متاثر ہوئے اور صلاح الدین ایوبی کی وعدہ ایفائی تو مسیحی یورپ میں ضرب المثل بن گئی تھی۔

یہ مجموعی سرمایہ اخلاق اور علم وفن کا وہ ذخیرہ جو عیسائیوں نے مغرب اور اندلس کی درس گاہوں میں مسلمانوں سے حاصل کیا تھا، یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد بنا۔

لیکن یورپ کی نشأۃ ثانیہ (ان اسباب کی بنا پر جو پہلے بیان کر چکے ہیں) اللہ کی عبادت سے منحرف ہو کر شنوی، یونانی اور رومی بن گئی۔ اگر چہ عقیدہ کچھ دنوں ضمیر کے کسی گوشہ میں پوشیدہ رہا۔

اس مرحلہ پر آ کر مغربی اخلاق کے گزشتہ دو مصادر کے علاوہ ایک تیسرا مصدر بھی شامل ہو گیا۔ اور وہ تھا قدیم یونانی (ہلینی) فلسفہ —— ہاتھی دانت کی برجیوں والی ثقافت، جس کے اخلاقی نمونے فضا میں معلق تھے۔

یہیں سے مغربی اخلاق میں بگاڑ رونما ہونا شروع ہو گیا لیکن چوں کہ اخلاقی بگاڑ بڑا سست رفتار ہوتا ہے۔ اس لیے لوگوں کو صدیوں تک اس بگاڑ کا علم نہ ہو سکا۔

مغربی اخلاق میں یونانی اثرات سے یہ تصور پیدا ہو گیا کہ یہ ممکن ہے کہ اخلاقی نمونے، عاجی برجیوں اور فضا کی وسعتوں میں پائے جا سکتے ہیں۔ جب کے عملی زندگی ضرورتوں کے مطابق اخلاقی قیود سے آزاد گزاری جا سکتی ہے۔

فکر و عمل کا اختلاف جاہلیت جدیدہ کا پیدا کردہ خالص مغربی نقطۂ نظر ہے۔ اور آج ساری دنیا کی اخلاقیات اسی دورخی کا شکار ہیں۔ لوگ اخلاقی نظریہ کے بارے میں گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس اخلاق کی عملی زندگی میں تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ زندگی حالات کے مطابق چلتی رہتی ہے۔

فکر کی اس جاہلیت کے زیر سایہ میکیا ویلی فلسفہ وجود میں آیا اور ساری مغربی زندگی میکیا ویل فلسفہ سے متاثر ہوگئی اور یہ کہ اخلاقی نمونے سے کوئی فائدہ مطلوبہ حاصل نہیں ہوتا۔

پھر میکیا ویلی فلسفہ سیاسیات میں اثر انداز ہوا اور سیاست بھی فکر و عمل کے تضاد کا شکار ہوگئی۔

میکیا ویلی فلسفہ کے ماتحت مغربی سیاست نے یہ تصور اپنالیا کہ حصول مقصد کی خاطر خواہ کتنے ہی برے وسائل کیوں نہ اختیار کیے جائیں ان میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

غرض پوری مغربی سیاست پر میکیا ویلی فلسفہ چھا گیا۔

بادشاہوں، امراء اور مذہبی لوگوں نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے بدترین سے بدترین وسائل اختیار کیے۔ اس کے بعد سرمایہ داری نے اپنے غیر قانونی مفادات کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ بدترین وسائل اختیار کیے۔ حتیٰ کہ امریکی سرمایہ داری نے اپنے نفع کو بچانے کے لیے کینیڈی کے قتل سے دریغ نہیں کیا۔

یہ تو ان کے گھر کی بات تھی۔ بیرونی دنیا میں تو سامراج لوگوں کا خون چوسنے اور اپنے اقتدار کو مستحکم رکھنے کے لیے دنیا کے ارذل ترین وسائل اختیار کر رہا ہے۔ سامراج کو اس میں کوئی بگاڑ نظر نہیں آتا۔ کیوں کہ سامراج کے خیال میں حصول مقصد کی خاطر کوئی بھی وسائل اختیار کیے جاسکتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مقصد ہی پاکیزہ ہو۔ کیوں کہ پاکیزگی عالم مثال میں پائی جاتی ہے۔ اس دنیا میں نہیں — غرض اس طرح مغربی سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹ گیا۔ اور اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیاست ہے۔ اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا پورا اور مکمل بگاڑ نہیں تھا بلکہ بگاڑ کی ابتدا تھی۔

اصل میں لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہیں ہے کہ اگر اخلاق کا رشتہ ایمان باللہ سے ٹوٹ جائے تو نہ اخلاق قائم رہ سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مزاحمت برداشت کرسکتا ہے۔

لوگوں پر یہ حقیقت اس لیے منکشف نہ ہوسکی کہ وہ دیکھتے ہیں کہ بہت سی اخلاقی خوبیاں ابھی تک باقی ہیں اور ابھی تک فساد کا شکار نہیں ہوئیں اور انھوں نے خیال کیا کہ سیاست تابع اخلاق نہیں ہے اور موجودہ واقعات اخلاق کو ختم کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ اشیاء کی طرف واقعیاتی نظر ہے اور واقعات کا اخلاق پر منطبق ہونا ضروری نہیں ہے۔

لیکن اللہ کی سنت کبھی نہیں بدل سکتی اگر اخلاق کا رشتہ عقیدہ سے ٹوٹ جائے تو اخلاق بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ عقیدہ اخلاق کا طبعی اور حیات بخش سرچشمہ ہے اور عقیدہ اخلاق میں خلوص اور سچائی پیدا کرتا ہے۔

یورپ نے بجائے مذہب کے اپنی اخلاقیات کی بنیادیں فلسفہ میں تلاش کرلیں۔ یا یہ کہیے کہ مذہب بیزاری میں آکر رہے سہے اخلاق پر فلسفہ کا پردہ ڈال دیا۔ اب جو لوگ روایاتی اخلاق اپنائے ہوئے ہیں انھیں اخلاق کا مذہب سے تعلق ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ ''ضمیر'' اور ''فرض'' جیسے الفاظ کے سہارے لیتے پھرتے ہیں[1] لیکن یہ اخلاق جس کا رشتہ اپنے سرچشمہ سے منقطع ہو چکا ہے، زیادہ دیر باقی رہنے والا نہیں ہے۔

سیاسیات کا اخلاق سے رشتہ ٹوٹ جانے کے بعد معاشیات کا رشتہ بھی اخلاق سے منقطع ہو گیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کا اقتصادی نظام شروع ہی سے غیر اخلاقی بنیادوں پر قائم رہا ہے۔ مسیحیت سے پہلے، رومی سلطنت میں جاگیرداری نظام اپنی انتہائی برائیوں کے ساتھ لوگوں کو زمین کا غلام بنا کر چل رہا تھا۔ کانسٹینٹائن کے زمانے میں بعینہ یہی جاگیرداری نظام یورپ میں آگیا اور کلیسا نے اس نظام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا اور کلیسا کی مسیحیت اس نظام کو مذہبی اخلاق کا پابند نہ بنا سکی بلکہ خود کلیسائی نظام تھوڑے عرصہ بعد جاگیرداری بن گیا، کلیسا بھی اپنی جاگیر میں وہی مظالم کرتا تھا، جو دوسرے جاگیردار کرتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ کلیسا کا ظلم وستم مذہب کے نام پر تھا۔

اس کے باوجود بھی جاگیرداری معاشیات کا اخلاقی بگاڑ اسی دائرے میں محدود تھا۔ جس کی مسیحی کلیسا کوئی اصلاح نہ کرسکا تھا اور مسیحی تعلیمات نے باوجود تحریف کے سود کو ایک ناگوار کام قرار دیا اور بتایا کہ لوگ اپنے معاشی معاملات میں بدرجہ مجبوری سود کا لین دین کریں۔

جب صنعتی انقلاب آیا اور سرمایہ داری نے جنم لیا تو لوگ اخلاق وعقیدے سے

---

(۱) یہ تصوّر اسلامی مشرق میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ''میں شراب نہیں پیتا۔'' پھر جلدی سے کہے گا۔ جیسے کوئی بہت بُری تہمت دور کرنے کی فکر میں ہو۔ ''ایسا میں کسی دین داری کی بنا پر نہیں کرتا، بلکہ مجھے شراب پسند ہی نہیں ہے۔''

بہت دور ہو چکے تھے اور سرمایہ داری کو اخلاق کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔

سود مسیحیت اور یہودیت دونوں مذاہب میں حرام تھا۔لیکن سرمایہ داری کی بنیاد اسی سود پر قائم ہوئی اور سرمایہ داری اپنے ساتھ تمام برائیاں اور ظلم لے کر جلوہ گر ہوگئی۔غریبوں کی محنت پر ڈاکے پڑے اور سرمایہ دار جس نے کوئی محنت نہیں کی، آرام و راحت سے تمام آمدنی سمیٹ کر اپنے گھر لے گیا۔!

مزدوروں کی محنت و مشقت پر دو روٹی کے بدلے ڈاکہ ڈالا گیا۔ بلکہ اکثر اوقات تو انھیں دو روٹی بھی نصیب نہ ہوئی!

بچوں سے چند ٹکوں کے عوض کئی کئی گھنٹے کام لیا گیا!

جب مزدوروں نے اجرتوں میں اضافہ اور مزدوری کی بہتر شرائط کا مطالبہ کیا تو ان کے مقابلہ پر عورتوں کو لایا گیا، تا کہ ان کی ہمتیں پست ہو جائیں۔

پھر عورتوں کو مردوں کی خواہشات پر بھینٹ چڑھایا گیا اور ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایک لقمہ کے لیے اپنی عزت کا سودا کریں۔

تخریب اخلاق میں یہ مقصد پنہاں تھا کہ سرمایہ داری، کھیل کود، لذتیں، زینت ولباس، فیشن اور دنیا بھر کی بدعات پھیلا کر زیادہ سے زیادہ نفع کما سکے۔

نفع کمانے کی دھن میں نو آبادیات کے ہر قسم کے خام مواد لوٹے گئے اور اصلی مالکوں کو تنگ دستی، پس ماندگی، جہالت، مرض اور بے چارگیوں کا شکار بنا کر چھوڑ دیا گیا اور ساتھ ہی ان کو بے راہ روی بھی درآمد کر دی تا کہ اس راستے سے بھی سرمایہ دار نفع کما سکے!

داخلی سیاست میں برائیوں کی اشاعت اور ضمیر کی خریداری کا مقصد یہ تھا کہ سرمایہ دار کے مفادات محفوظ رہیں اور سامراج مسلط رہے۔!!

سرمایہ داری نے ان لوگوں کا مذاق اڑایا جو اخلاق کی دعوت کے علم بردار تھے!

پھر ایسے نظریات بھی سامنے آئے، جن میں کہا گیا کہ معاشیات کے اپنے خاص حتمی قوانین ہیں جن کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس طرح معاشیات بھی اخلاقیات سے بالکلیہ علیحدہ ہوگئی اور لوگ شانے لہرا کر کہنے

لگے —— ''یہ معاشیاتی مسئلہ ہے اس کا اخلاق سے کیا تعلق؟''!!

سیاسیات اور اقتصادیات کے بعد جنس کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا۔!

انسان کی حیوانی تعبیر، عمل کی جنسی تعبیر اور جاہلیت منحرفہ میں آنے والے صنعتی انقلاب نے انسان کو مجنونانہ جنس پرستی کی بھٹی میں جھونک دیا!

شروع شروع میں تو اس اخلاقی بگاڑ کو محسوس کرتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ سب باتیں بھول گئے یا شیطانوں نے بھلا دیں! مارکس، فرائڈ، ڈرکایم اور دوسرے شیاطین ایک دوسرے کو جھوٹ اور پُرفریب باتیں القاء کر رہے تھے۔(۱)

مارکس کہتا ہے:

''جنسی عفت تباہ شدہ جاگیرداری معاشرہ کی بچی کھچی چیز ہے اور اس کی وقتی قیمت اسی اقتصادی دور کے ساتھ تھی۔''

ہرگز نہیں! بلکہ اس کی اپنی ذاتی قیمت ہے اور معاشیات سے صرفِ نظر کر کے بھی انسان کو اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ کیوں کہ یہ صفت اس انسان کے ساتھ مخصوص ہے جو حیوان سے ممتاز ہے۔!

فرائڈ کہتا ہے:

''انسان بغیر جنسی بھوک رفع کیے ہوئے اپنے ذاتی وجود کو محقق نہیں کرسکتا۔ مذہب اخلاق معاشرہ اور روایات کی تمام بندشیں غلط ہیں اور انسان کی طاقت کو کچلنے والی ہیں۔ نیز یہ بندشیں غیر قانونی بھی ہیں۔''

ڈرکایم کہتا ہے:

''ماہرین اخلاق انسان کے اپنے نفس پر فرائض اخلاق کی بنیاد بتاتے ہیں، یہی مذہب کا بھی معاملہ ہے۔ کیوں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب ان خیالات کی پیداوار جو طبعی قویٰ پیدا کرتے ہیں یا جو بعض یگانہ شخصیتوں کے ذہن میں آتے ہیں (رسول اور انبیاء مراد ہیں) لیکن اس طریقے کا اجتماعی ظواہر پر منطبق کرنا ممکن نہیں سوائے اس کے کہ ہم ان ظواہر کی طبیعت ہی بدل ڈالیں(۲)''

---

(۱) دیکھیے ''انسانی زندگی میں جمود وارتقاء'' کا باب ''تین یہودی۔''

(۲) قواعد المنهج فی علم الاتباع ص:۱۶۵

مزید کہتا ہے:

''بعض علماء کہتے ہیں انسان میں ایک فطری مذہبی میلان ہے۔ آخری میلان کسی درجہ میں جنسی غیرت، والدین سے نیکی، بیٹوں کی محبت اور اسی قسم کے دوسرے جذبات سے کچھ ملا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں نے مذہب، نکاح اور خاندان کی بھی اس انداز سے تعبیرات کی ہیں۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان کے یہ تمام جذبات فطری نہیں ہیں(۱)''

مزید کہتا ہے:

''سابقہ رائے کو بنیاد بناتے ہوئے اب یہ کہنا ممکن ہے کہ قانونی اور اخلاقی قواعد سرے سے موجود ہی نہیں ہیں اگر یہ تعبیر درست ہو۔ اسی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہے کہ جن اخلاقی قواعد کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ وہی علم اخلاق کا موضوع بن جائیں(۲)''

جنسی تعلقات کے بگاڑ کے بارے میں ہم آئندہ باب میں گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم صرف تاریخی جائزہ پیش کررہے ہیں۔

ان فاسد اصولوں کی بنا پر لوگ جنس کی گہری کھائی میں گر پڑے۔ پھر یہ بھول کر وہ اخلاق سے منحرف ہوگئے ہیں۔ کہنے لگے کہ جنس ایک خالص حیاتیاتی عمل ہے۔ اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جیسے اس سے پہلے کہہ چکے تھے کہ سیاست بس سیاست ہے۔ اخلاق سے اس کا کیا تعلق؟ گویا لوگ جب اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح حقیقت واقعیہ بھی بدل جائے گی یا اپنے اوپر سے بگاڑ اور بگاڑ کے نتائج کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔!

بہرکیف جنس کا بھی اخلاق سے رشتہ منقطع ہوگیا۔ جیسے پہلے سیاسیات اور معاشیات کا منقطع ہوچکا تھا اور اخلاق کے اپنے حقیقی سرچشمہ یعنی مذہب سے تعلق ختم ہونے کے بعد اخلاق کا ایک ستون اور گر گیا حقیقت میں مذہب سے ہٹ کر اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔

کیوں کہ اخلاقی تنزل بہت سست رفتار ہوتا ہے اور چوں کہ اخلاقی سرمایہ صدیوں میں جا کر جمع ہوا تھا۔ اس لیے اس کے ختم ہونے کے لیے بھی صدیاں چاہیے تھیں اس لیے سیاسیات،

---

(۱) بحوالہ سابق ص: ۱۷۳

(۲) بحوالہ سابق ص: ۵۹-۶۰

معاشیات اور جنس کے اخلاق سے علیٰحدہ ہونے کے باوجود بھی اخلاق کا بہت کچھ سرمایہ باقی رہ گیا جو ابھی بگاڑ کا شکار نہیں ہوا ہے۔ اس لیے لوگوں کو اپنی جاہلیت میں یہ محسوس ہونے لگا کہ اخلاق عقیدہ سے جدا ہونے کے بعد بھی زندہ اور فعال رہ سکتا ہے۔ اور چوں کہ لوگوں کے ذہنوں میں شیاطین نے مختلف نظریات ٹھونس دیئے ہیں اس لیے وہ یہ بھی محسوس کرنے لگے کہ سیاسیات معاشیات اور جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس خالص غیر اخلاق اقتدار کے ماتحت ہیں۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس رشتہ ٹوٹ جانے کے باوجود بھی اخلاق بدستور زندہ اور فعال شکل میں موجود ہے اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اسے فساد نہ کہنا چاہیے۔ ہمیں اسے ترقی اور حتمی ضرورت کہنا چاہیے اور ترقی اور حتمیت میں تو کسی کو اختلاف ہو ہی نہیں سکتا نہ ان کو کسی میزان میں تولا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ یہ خود میزان ہیں۔ کسی خارجی شے سے ان کی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ یہ الٰہ اور دیوتا ہیں۔ ان کے کسی فعل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں ان کا حکم عاجزی سے قبول کرنا چاہیے۔

اخلاق بدستور تنزّل پذیر رہا اور جب اخلاق کا تنزّل شروع ہوتا ہے تو پھر رکنے میں نہیں آتا۔ یہاں تک کہ لوگ قعرِ مذلّت میں نہ گر جائیں۔

یورپ میں ابھی حقیقی اخلاق کا تھوڑا سا سرمایہ باقی تھا۔ کچھ پسندیدہ انسانی اخلاق مثلاً سچائی ایمان داری، مستقل مزاجی، کوشش پیہم، تنظیمی صلاحیتیں، پیداوار پر توجہ اور اس کے مقتدیات پر صبر اور زندگی کو حسین و جمیل بنانے کی جدوجہد!

اور یہ تمام خوبیاں یورپ نے اخلاق کے اصل سرچشمہ مذہب سے حاصل کی ہیں۔ خواہ وہ دین مسیحی ہو یا دین اسلام! البتہ اس اخلاق میں قدیم رومی مزاج بھی شامل ہو گیا۔ رومی مادہ اور مادّی پیداوار میں تن دہی سے کام لیتے اور ہر مسئلہ کو تنظیم اور خوب صورتی سے انجام دیتے تھے۔

لیکن حقیقتاً رومی مزاج ہی نے مغربی اخلاق کے اس باقی ماندہ سرمایہ کو خراب کیا ہے۔

جیسا کہ قدیم یونانی (ہیلینسی) تہذیب نے مغربی اخلاق کے ایک بڑے حصّے کو تباہ کر دیا تھا اور مثالیہ اور واقعہ میں فصل پیدا کر کے اس امر کو صحیح قرار دے دیا تھا کہ اخلاقی مثالیہ سے —— عاجزی برجیوں —— میں لطف اندوز ہوا جائے۔ خواہ عملی زندگی اس سے متاثر ہو یا نہ ہو!

(اسی سے سیاسی دنیا میں میکیاویلی فلسفہ پیدا ہوا) اسی طرح رومی مزاج بھی مغربی اخلاق کے باقی ماندہ سرمایہ پر دوطرف سے حملہ آور ہوا۔

رومی مزاج ایک طرف ''نفع پرست'' تھا!

اور —— دوسری جانب ''انانیت پسند!''

قدیم رومی جاہلیت کے ان دونوں بگاڑ سے، جاہلیت جدیدہ میں مغرب کا باقی ماندہ اخلاق متاثر ہوااور ''نفع پرست'' اور انانیت پسند بن گیا!

سچائی، خلوص وغیرہ بے شک خوبیاں ہیں۔ لیکن ان کے کئی معیار ہیں اور کوئی ایک صورت نہیں ہے۔

یہ تمام خوبیاں انسانیت کے معیار کے مطابق بھی ہوسکتی ہیں۔ جیسا کہ ہونا چاہیے اور مذہب کا سرچشمہ جس اخلاق کو سیراب کرتا ہے وہ بھی یہی ''انسانی اخلاق'' ہے۔

اخلاق قومی معیار کے مطابق بھی ہوسکتا ہے۔ یہ اخلاق قومیت کی حدود میں محدود ہے۔ قومی حدود سے نکلتے ہی اخلاق ختم ہوا اور انسانی حدود سے گزر کر صرف انانیت رہ جاتا ہے اور اس کے سہارے انسان چوری کرتا ہے لوٹتا ہے، دھوکا دیتا ہے اور چکر دیتا ہے۔ لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ کیوں کہ یہ اخلاق سرے سے انسانی بنیادوں پر قائم ہی نہیں ہے۔

پھر قومی حدود میں رہتے ہوئے بھی اخلاق اس لیے نہیں برتا جاتا کہ وہ خود مستقل اقتدار کا حامل ہے بلکہ اس لیے کہ اس اخلاق سے اخلاق والے نفع اٹھا سکتے ہیں۔

بس پھر جتنا نفع پہنچنے کی امید ہوتی ہے اتنا ہی اخلاق برت لیا جاتا ہے۔ اور فائدہ حاصل ہونے کی امید نہ ہو تو اخلاق کی بھی ضرورت نہیں۔

یہ ہے مغرب کا بچا کھچا سرمایۂ اخلاق، جو رومی جاہلیت کے دونوں بگاڑ کا شکا ہوگیا۔

جب مسلمان صلیبی دور میں، اور خاص کر صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں عیسائیوں سے معاملات کر رہے تھے تو انھوں نے اپنے وعدے وفا کیے اور جب وہ مجبور ہوتے تھے اور فائدہ بھی اس میں ہوتا تھا کہ معاہدہ کو توڑ دیں۔ اس وقت بھی مسلمانوں نے اپنے کسی معاہدہ کو نہیں توڑا۔ تو اس وقت مسلمانوں نے اخلاق کی ایک نمایاں مثال قائم کی۔

یہی اخلاق اپنی اصلی صورت میں تھا اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے مطابق تھا۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۝ (الانفال:۵۸)

''اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اور جب صلیبی مسلمانوں سے معاہدے توڑ رہے تھے اور ان کو دھوکے سے پکڑ کر مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا قتلِ عام کر رہے تھے۔ جس کو یورپ کا ضمیر ہی برداشت کر سکتا ہے اور جب نہتے مسلمانوں نے، اللہ کے گھر امن دینے والے حرم مقدس مسجد میں پناہ لے لی تو صلیبیوں نے مسجدوں میں گھس کر مسلمانوں کا اس قدر قتل عام کیا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹانگیں خون میں ڈوب گئیں۔ لیکن جب بعینہ یہی موقع مسلمانوں کو ملا اور وہ ان صلیبیوں پر کامیاب ہوئے تو انھوں نے صلیبیوں سے انسانی سلوک کیا اور اخلاق کی ایک دوسری نمایاں مثال قائم کی اور بتایا کہ ان کا اخلاق انسانی معیار پر قائم ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم اور ہدایت کے مطابق ہے۔

مگر اللہ کی ہدایت سے منحرف جاہلی یورپ کا اخلاق اپنے اصلی سرچشمہ سے مستفید ہونے کے بجائے یونانی اور رومی جاہلیتوں سے مستفید ہوا۔

قدیم رومی مزاج، ہمارے سامنے رومی قانون میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ جس رومی قانون میں عدل وانصاف صرف رومیوں کے لیے تھا۔ غیر رومی لوگوں کا عدل وانصاف میں کوئی حصہ نہ تھا۔ یہی خود پسندانہ مزاج جاہلیت جدیدہ میں مغربی اخلاق پر غالب آ گیا۔ اخلاق ان کے یہاں حدود قومیت میں تو قابل عمل ہے۔ لیکن قومیت کی حدود سے نکل کر اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر کسی فائدہ کی امید ہو تو قومیت سے باہر بھی اخلاق برتا جا سکتا ہے۔

سیاسیات کے دائرے میں تو مغربی اخلاق کی حقیقت ایک دنیا کو معلوم ہے۔ معاہدے کیے جاتے ہیں اور جونہی قومی مصالح میں کوئی تبدیلی آئی فوراً سارے معاہدے ٹوٹ گئے اور اس حرکت کے بعد بالکل سبک اور بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کیوں کہ یونانی جاہلیت کے مطابق نظریہ اور عمل میں مطابقت ضروری نہیں ہے۔

اس ''بلند اخلاق'' کی جولان گاہ صرف سیاست نہیں ہے۔ بلکہ کچھ اور میدان بھی ہیں!!

مسلمانوں نے ممالک کو فتح کیا، وہاں کے غیر مسلموں کے عقائد مسلم حکومتوں کی زیر نگرانی اور تحفّظ میں رہے۔ مسلمانوں نے کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ غیر مسلموں کو کسی حیلہ بہانے سے مسلمان بنالیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں مسلمانوں کو اسی اخلاق کی تعلیم دی تھی!

اس کے برخلاف مغربی اخلاق کی مثال دیکھیے...

جنوبی افریقہ میں انگلش جہاز راں کمپنی کے جہازوں پر افریقی مسلمان ملازم تھے اور انگریزی کمپنی انھیں کسی قیمت پر مسلمان نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ چناں چہ کمپنی نے مسلمانوں کی مزدوریوں کا ایک حصہ شراب کی بوتلوں کی شکل میں دینا شروع کر دیا۔ مزدوریوں اور اجرتوں کے سلسلہ میں یہ اپنی نوعیت کی علیٰحدہ مزدوری تھی۔

چوں کہ مسلمانوں کے یہاں شراب کا پینا اور فروخت کرنا دونوں حرام ہے۔ اس لیے یہ بے چارے مزدور شراب کی بوتلیں توڑ دیتے اور باقی ماندہ مزدوری پر گزارا کرتے تھے!

کسی قانون داں نے ان غریب مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ شراب کی شکل میں اجرت لینے سے انکار کر دیں اور اگر کمپنی اسی عجیب طرز پر اجرتوں کی ادائے گی پر اصرار کرے تو کمپنی پر مقدمہ کر دیا جائے۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی نے ان سب مسلمان مزدوروں کو ایک ہی دفعہ ملازمت سے علیٰحدہ کر دیا۔

یہ ہے مغربی اخلاق کا بلند اور اعلیٰ نمونہ!!

فرانس کے لوگ زیادہ ظریف اور مہذّب ہیں۔ جب پیرس والے ادب، روح، ظرافت اور ایٹی کیوٹ کے ساتھ آپ سے پیش آئیں اور آپ کے اوپر بڑی نرمی اور مہربانی کا اظہار کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ فرانس میں جتنا روپیہ خرچ کر سکتے ہیں کریں۔

لیکن اگر آپ خرچ نہ کر سکیں... تو سنیے!

مجھے ایک مصری نوجوان نے سنایا، جس نے کچھ عرصہ فرانس میں گزارا تھا اور شراب پینے اور نامناسب مقامات پر جانے کا عادی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہوٹل والے اس کے کمرے میں ''سامانِ تعیش'' فراہم کرتے تو وہ ان سے بھی لطف اندوز نہ ہوتا تو اس پاک بازی کے صلہ میں ہوٹل والوں نے اس کے استعمال کی اشیا میں قیمتوں کا اضافہ کر دیا اور اسے مختلف طریقوں سے تنگ کرنے لگے تاکہ وہ ہوٹل چھوڑ کر چلا جائے۔

حدود قومیت سے باہر بین الاقوامی تجارت میں جس نادر المثال ایمان داری سے معاملات کیے جاتے ہیں تو یہ ایمان داری اخلاق نہیں منفعت پرستی ہے۔

کیوں کہ دھوکہ دہی سے مارکیٹ ختم ہوجائے گی اور اس طرح نفع بھی جاتا رہے گا۔تو نفع کا شدید لالچ معاملات میں ایمان دار بننے پر مجبور کردیتا ہے۔

پھر اخلاق میں منفعت پرستی بیرونی معاملات تک موقوف نہیں رہی۔ بلکہ رفتہ رفتہ قومی زندگی میں بھی اخلاق کا محرک یہی مفاد پرستی بن گئی۔

گویا اوّلاً اخلاق انسانی معیار سے گر کر قومی معیار پر آیا...اور قومی معیار سے گر کر آپس میں لین دین کی منفعت بن گئی۔

سچائی قومی تنظیم میں فائدہ مند ثابت ہوئی ہے۔آپ سچ بولتے ہیں تو بدلہ میں دوسروں سے بھی توقع کرتے ہیں کہ وہ بھی سچ بولیں۔اس لیے نہیں کہ سچائی بذات خود کوئی خوبی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ آپ اور سب مل کر سچائی سے فائدہ اُٹھائیں۔ سچ بول کر آپ بہت سی محنت، کافی مال اور وقت کی بچت کر سکتے ہیں اور ان طاقتوں کو مزید فائدہ کمانے کے لیے صرف کر سکتے ہیں!

اگر سچائی میں کوئی فائدہ نہ ہو یا سچائی میں کوئی مادّی نقصان ہو تو اس سچائی کی کیا قیمت رہ جاتی ہے اور اس سچائی کو اپنانے کے لیے کون سا محرک باقی رہ جاتا ہے!؟

مجھے امریکہ میں کچھ عرصہ گزارنے والے ایک مصری نے سنایا کہ:

’’میں ایک ’اتوار کے اسکول‘ میں ایک استانی سے زبان سیکھا کرتا تھا۔ جب ہم ذرا مانوس ہوگئے اور استانی کو معلوم ہوا کہ میں اچھا خاصا دین دار مسلمان ہوں تو کہنے لگی۔ میں اسلام کے بارے میں کچھ ایسی باتیں جانتی ہوں کہ اس اسلام کی وجہ سے لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ تمہارے نبی محمدؐ نے شراب پی، نشہ ہوا تو آپ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور گر پڑے۔ پھر ایک سور نے آپ کو کاٹ لیا...(نعوذ باللہ)...اسی وجہ سے آپ نے شراب اور سور حرام کردیا!!

میں نے کہا: اب تو آپ کو حقیقت کا علم ہوگیا۔کیا آپ اب بھی بچوں کو یہی باتیں بتائیں گی۔ کہنے لگی اوہ! یہ دوسرا مسئلہ ہے مجھے یہی باتیں پڑھانے کی تنخواہ ملتی ہے۔!‘‘

کیوں کہ اخلاق اپنے اصلی سرچشمہ سے جدا ہوکر اور یونانی اور رومی جاہلیتوں سے متاثر ہوکر جاہلیت جدیدہ میں اپنا سرمایہ لٹا بیٹھا — تو اب اخلاق کے بس کی بات نہیں رہی تھی کہ کسی مزاحمت کو برداشت کرتا۔!

مغربی اخلاق سے لوگ بڑے دھوکے میں مبتلا ہو گئے۔ کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ سیاسیات، معاشیات اور جنسی تعلق میں بگاڑ پیدا ہوجانے کے باوجود بھی اخلاق اپنی جگہ پر قائم ہے۔ لیکن لوگوں نے اس اخلاق کی نفع پرستی اور انانیت پسندی کو نظر انداز کر دیا۔ چناں چہ یہ سمجھنے لگے کہ اخلاق اپنے مذہبی رشتہ سے منقطع ہونے کے باوجود بھی زندہ و فعال موجود ہے اور جو امور اخلاق سے علیحدہ ہو گئے وہ حقیقتاً اخلاق سے متعلق ہی نہ تھے۔ سیاسیات، معاشیات اور جنس میں خواہ کتنا ہی بگاڑ کیوں نہ پیدا ہوجائے (یا ترقی پذیر ہوجائیں یا حتمیت کے تابع ہوجائیں) اور خواہ مادّی نفع پرست، انانیت پسند مزاج انسانیت کے خلاف کتنی ہی سرکشی کیوں نہ اختیار کر لے۔

اخلاقی بندھن بہت آہستہ آہستہ ڈھیلے ہوتے ہیں۔ جس سے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید اخلاق کی گرفت ابھی تک مضبوط ہے۔

لیکن اس ربع صدی میں جو واقعات سامنے آئے ہیں وہ کسی اور ہی بات پر دلالت کر رہے ہیں۔

ہم مثالوں کے ضمن میں پہلے فرانس کو لیتے ہیں۔

فرانس میں جنسی تعلقات میں اخلاقی بگاڑ اس طرح سرایت کر رہا تھا جیسے کوئی کیڑا ہڈی کے اندر کا گودا کھا رہا ہو۔ حتیٰ کہ جب جنگ ہوئی تو پورا فرانس جنس کے گندے جوہڑ میں غرقاب تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس چند ہی دنوں میں ہار گیا۔ اس لیے نہیں کہ فرانس کے پاس اسلحہ نہیں تھا بلکہ جدید ترین اور مہلک ترین اسلحہ فرانس ہی کے پاس تھا۔ اور 'ماجینو' لائن کی قلعہ بندی مشہور تھی۔ لیکن چوں کہ فرانس کے پاس جذبہ جہاد نہیں تھا اور نہ ان کے پاس ایسی عزت تھی، جس کا وہ بچاؤ کرتے۔ بلکہ فرانس کو یہ خطرہ ہوا کہ جرمنی کی بمباری سے پیرس کی رقص گاہیں تباہ نہ ہوجائیں۔ چناں چہ دو ہفتہ کے اندر اندر فرانس نے ہتھیار ڈال دیئے۔!!

اور لوگ کہنے لگے... یہ تو حالات کا تقاضا تھا۔ اخلاق کا اس سے کیا تعلق؟

دوسری مثال امریکہ کی لیجیے:

کینیڈی نے ۱۹۶۲ء کے اہم بیان میں کہا کہ امریکہ کا مستقبل خطرہ میں ہے کیوں کہ نوجوان جنس پرستی میں اس قدر بہک رہے ہیں کہ وہ اپنی ذمے داریوں کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ فوج میں شمولیت کے لیے آنے والے ہر سات نوجوانوں میں سے چھ نا کام لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ کیوں کہ شہوت پرستی نے ان کی طبّی اور نفسیاتی حالت ابتر بنا دی ہے۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور بدترین مثال لیجیے:

امریکہ کی وزارت خارجہ نے اپنے ۳۳ ملازمین کو علیحدہ کر دیا۔ اس لیے کہ وہ جنسی بے راہ روی کے شکار تھے اور اس قابل نہ تھے کہ حکومت کے رازوں کے بارے میں ان کو قابل اطمینان سمجھا جاتا۔!!

انگلستان کی مثال لیجیے:

انگلستان کے وزیر جنگ پروفومیو نے ایک فاحشہ سے لذت اندوز ہونے کی خاطر لوگوں کے جنگی اسرار کو خطرے میں ڈال دیا۔

روس کو لیجیے:

خروشچیف نے ۱۹۶۲ء میں کنیڈی کی طرح بیان دیا کہ روس کا مستقبل خطرے میں ہے اور روس کے نوجوانوں کے مستقبل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ وہ شہوت پرستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔!!

پھر یورپ کے شمالی ملکوں کو لیجیے جو زیادہ ترقی یافتہ اور جاہلیت جدیدہ میں تمام ملکوں سے آگے ہے۔

پراگندہ حال، پریشان نوجوان... چرس اور افیون پیتے ہوئے... اپنی طاقتوں کو جنون اور پاگل پن میں صرف کرتے ہوئے... لوٹ مار... قتل اور اغوا کرنے والی ٹولیاں... حکومت اور ماہرین اجتماعیات کے سکون کو لوٹ رہی ہیں۔

یہ سب کچھ ایک جنس کے میدان میں ہے۔

اور مسئلہ اس حد پر آ کر ختم نہیں ہو جاتا... بلکہ گاڑی ڈھلوان راستہ پر پھسلتی جا رہی ہے۔

امریکہ میں بڑے بڑے مہذّب لوگوں کی انجمنیں ہیں۔ جن میں وکیل، ڈاکٹر، لکھنے والے اور قانون داں سبھی ہیں ــــ آپ کو معلوم ہے کہ یہ انجمنیں کیا کرتی ہیں۔؟

ان انجمنوں کا کام ہے لوگوں کو زنا کی سہولتیں مہیّا کرنا۔!!

کیوں کہ کیتھولک ریاستوں میں طلاق کی اجازت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ زوجین میں سے کوئی ایک زنا کا مرتکب نہ ہو جائے... اس کے بعد دوسرا طلاق کا مطالبہ کرے۔

اس لیے جو طلاق لینا چاہتا ہے ــــ خواہ وہ شوہر ہو یا بیوی ــــ وہ ان جماعتوں کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ چناں چہ یہ جماعتیں کسی نہ کسی طرح اس شوہر یا بیوی کو زنا کا ارتکاب کرا دیتے ہیں اور اسی حالت میں اسے پکڑوا کر طلاق کے حصول کے لیے ضروری کاغذات پیش کر دیتے ہیں اور اپنی کارگزاری کی مقررہ فیس لے لیتے ہیں۔!!

امریکہ ہی میں لڑکیوں کو فروخت کرنے والی جماعتیں بھی ہیں ــــ یہ جماعتیں لڑکیوں کو پکڑ کر یورپ کے دولت مندوں کی خواہشات پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں ــــ اور اپنا منافع حاصل کر لیتے ہیں۔

ایسی بھی جماعتیں ہیں جو ''جمہوری انتخابات'' میں علانیہ مخالفین کو دھمکیاں دیتی ہیں اور ضرورت پڑے تو قتل بھی کر دیتی ہیں۔ اور اس کارنامہ کا بھی ان کو معاوضہ ملتا ہے۔

مسئلہ اس حد پر بھی آ کر ختم نہیں ہو جاتا۔

یورپ کی نئی نسل انتہا درجہ کی اباحیت پسندی اور تنزّل کا شکار ہے۔

لوٹ مار اور اغوا کی انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔!

بچوں کی ٹولیاں، چلتی ہوئی ریلوں پر پتھراؤ کرتی ہیں۔!

بچوں کی ٹولیاں ریلوے لائن پر پتّھر رکھ دیتی ہیں تا کہ ان پر سے ریلیں گزر جائیں!

چرس، بھنگ اور منشیات کی ٹولیاں!

سواریوں کے کرائے ادا نہ کرنا!

غرض وہ ساری بُرائیاں جن کا ایک انسان تصوّر کر سکتا ہے، وہ سب موجود ہیں۔

بگاڑ اب بھی پوری اخلاقی زندگی پر محیط نہیں ہوا ہے ــــ اب بھی چند خوبیاں باقی ہیں ــــ جن کے سہارے ــــ اگر اللہ کی منشاء ہو ــــ یورپ بالکل تباہ ہونے سے پہلے اپنی

جاہلیت جدیدہ میں ایک نسل اور گزار سکتا ہے! دیکھنا یہ ہے کہ یورپ کس طرف جارہا ہے؟ ترقی کی طرف یا تنزّل کی طرف! بھلائی کی جانب یا برائی کی جانب!

پہلے پہل لوگوں نے اس پیش آمدہ خطرے پر تجاہل سے کام لیا اور ہنستے قہقہے لگاتے، اپنے سر ریت میں چھپا لیے اور پکار پکار کر کہنے لگے... ''دُنیا بہت اچھی ترقی کر رہی ہے۔''

اور —— عقل و ثقافت کا مظاہرہ کرنے والے اور ''معیار ترقی'' پر پورے اترنے والے لوگوں نے کہنا شروع کیا۔

''نئی نسل گزشتہ نسل سے زیادہ بہتر ہے۔ نئی نسل جری، کُھلے ذہن کی مالک، ترقی پسند اور اپنے زمانے کی عقل کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔ ترقی پسند نسل کے بارے میں، پس ماندہ نسل کی عقلیت سے کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ ہماری اخلاقیات زندگی کے جدید حالات کے مطابق نہیں ہیں۔ نئی نسل اپنے نو بہ نو بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے اخلاق خود بناتی ہے اور جو لوگ یہ چیخ و پکار کر رہے ہیں وہ اپنے جمود اور پس ماندگی کی بِنا پر حالات کو نئی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔''

پھر جن کے ہاتھوں میں تہذیب جدید کی باگ ڈور ہے، یعنی یورپ اور امریکہ —— انھی کے یہاں سے خبریں آئیں کہ ——

یورپ اور امریکہ نے ان غلاموں کے مُنہ میں لگامیں لگائیں جو عقل، ثقافت اور معیار ترقی کے نعرے لگا رہے تھے۔!

نوجوانوں کے بگاڑ پر غور کرنے کے لیے کئی علمی مجلسیں منعقد کی گئیں۔ جنھوں نے پورے وثوق کے ساتھ یہ رپورٹ دی کہ معاملہ بے حد نازک ہے۔ نئی اُبھرنے والی نسل بگاڑ اور تنزّل کا شکار ہے۔ اس پر یہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مستقبل میں قیادت سنبھال سکے گی اور مغربی ممالک تباہی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔!

اگر غیر انسانی فکر سے صرفِ نظر کرلیا جائے —— غیر انسانی اس لیے کہ اس میں انسانیت کو پیش آنے والے خطرات پر غور نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حدود قومیت میں رہ کر سوچا گیا ہے —— اگر ہم اس فکر سے اور جاہلیت جدیدہ کے اس اخلاقی بگاڑ سے صرفِ نظر کرلیں۔ تو ہم کہیں گے کہ اخلاق کا اس درجہ دیوالیہ ساری انسانیت کے زوال اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

پوری انسانیت کی تباہی اس لیے ہے کہ مغربی جاہلیت جدیدہ کا نام نہاد اخلاق متعدی مرض کی طرح پوری دنیا میں پھیل گیا ہے۔

اور ـــــ اخلاق جب اپنے اصلی سرچشمہ سے علیحدہ ہوگیا۔ جب کہ اس کا تعلّق، اللہ پر سچے اعتقاد سے ٹوٹ گیا اور جب اخلاق میں عقیدے کا بگاڑ پوری طرح جھلکنے لگا... تو نہ اب اخلاق قائم رہ سکتا ہے... اور نہ زندہ رہ سکتا ہے...

یورپ کے اخلاق کی وہ عمارت جس کی صدیوں میں تعمیر ہوئی تھی... صرف دو صدیوں میں کھنڈر بن کر رہ گئی۔

جاہلیت جدیدہ میں دو چار خوبیاں ہی اس کی زندگی کی آخری سانسوں کا سہارا بنی ہوئی ہیں... اور یہ دو چار خوبیاں بھی روبہ زوال ہیں... نئی نسل زیادہ بگڑی ہوئی اور زیادہ اباحیت پسند ہے... جس کا مطلب یہ ہے کہ مستقبل حال سے زیادہ خطرناک ہوگا اور اخلاق کی گاڑی تنزّل کی ڈھلوان سڑک پر لڑھکتی چلی جائے گی۔

اب یہ کہنے سے بھی کوئی فائدہ باقی نہیں رہا کہ فلاں فلاں باتوں کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سیاست دائرہ اخلاق سے نکلی، معاشیات کا اخلاق سے تعلق ختم ہوا اور جنس کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹا ـــــ یہ اخلاقی دیوالیہ کی ابتدا تھی ـــــ اور پھر اخلاق کی سواری تنزّل کی ڈھلوان سڑک پر پھسلتی چلی گئی! اور لحظہ بہ لحظہ اس کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔!

اللہ کی عبادت سے منحرف جاہلیت جدیدہ کے مصائب کی وجہ یہ ہی ہے۔ انسانیت کے ڈھانچے میں لگا ہوا کیڑا بہت آہستہ آہستہ گودا کھا رہا تھا۔ اس طرح کہ باہر سے جسم صحیح سلامت تھا اور کیڑا لگنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ حتیٰ کہ کیڑے کا کھایا ہوا جسم آناً فاناً بوسیدہ ہو کر گر پڑا۔!

اس کے باوجود بھی جاہلیت لوگوں کو یقین دلا رہی ہے اور لوگ بھی بڑی سادگی سے یقین کر رہے ہیں کہ جاہلیت میں بڑی خوبیاں ہیں اور بڑی اخلاق کی حامل ہے۔!

جنسی تعلقات کا بگاڑ

اس باب میں ''جنسی تعلقات کا بگاڑ'' اخلاقی حیثیت سے گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے۔ کیوں کہ گزشتہ باب میں ہم اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں جنسی تعلقات کا بگاڑ، انسان کے نفسیاتی تشخص اور انسان کی اجتماعی زندگی میں اختلال پذیر ہونے کی حیثیت سے جنسی تعلقات کا بگاڑ اتنا واضح ہے کہ اس کے بیان کی مزید کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ جنسی تعلقات کا بگاڑ حقیقت میں اخلاقی بگاڑ ہے۔ فرائڈ، مارکس اور ڈرکایم کے عملی نظریات اور مادّی تفسیر کو پیش کیا ہے اور لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دیا ہے کہ جنس ایک حیاتیاتی عمل ہے اور اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی افسانے، ڈرامے، سنیما، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور صحافت بھی ساری زندگی کی جنسی تصویر کشی کر رہے ہیں اور یہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ جنسی تعلقات بالکل طبعی بنیادوں پر قائم ہیں اور اس میں کسی قسم کا بگاڑ نہیں ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود بہر حال جنسی بے راہ روی اپنی ابتدا سے انتہا تک ایک اخلاقی بگاڑ ہی ہے۔

''علمائے یہود کے نظمِ عمل(۱)''، میں تحریر ہے:

''ہمیں ہر جگہ اپنی حاکمیت کے قیام کے لیے ''اخلاقی گراوٹ'' کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔''

---

(۱) Protocol

’’ فرائڈ ہمارے مقاصد کی تکمیل کے لیے جنس کو منظرِ عام پر لاتا رہے گا تا کہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی مقدّس شے باقی نہ رہے۔ بس نوجوانوں کی زندگی کا مقصد اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل رہ جائے یہی راستہ اخلاق کی تباہی کا ہے۔‘‘

’’ ہم نے ڈارون، مارکس اور نطشے کی آراء کو پھیلانے اور کامیاب بنانے کے لیے لائحہ عمل مرتب کرلیا ہے۔ مذکورہ بالا مفکرّین کی فکر و فلسفہ کا غیر یہودیوں کے اخلاق پر جو بُرا اثر پڑتا ہے وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔‘‘

اِن حوالوں سے بھی یہی علم ہوا کہ جنسی تعلقات کا بگاڑ دراصل اخلاقی بگاڑ ہی ہے!

کیوں کہ لوگوں نے اپنی جاہلیت جدیدہ میں یہ تصور کرلیا ہے کہ زندگی کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ہم بھی جنسی تعلقات کے بگاڑ کو اخلاقی بگاڑ کی حیثیت میں پیش کرنا نہیں چاہتے۔ حالاں کہ درحقیقت اخلاق زندگی سے ہرگز علیٰحدہ نہیں ہے۔ اخلاق صرف ایسے نظریاتی اصولوں کا نام نہیں ہے جو عاجی برجیوں میں پائے جائیں۔

اخلاقی قوانین بھی وہ ہی ہیں جو واقعاتی زندگی کے ہیں۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ زندگی پوری خوبی سے رواں دواں ہو اور اس میں اخلاقی بگاڑ بھی پایا جاتا ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ لازمہ ہے زندگی کے بگاڑ کا اور زندگی کا بگاڑ لازمہ ہے اخلاقی بگاڑ کا۔ کیوں کہ اخلاق اور زندگی دونوں ہی کا سرچشمہ انسان کا مکمل وجود اور فطری انسانی ہے۔

جب ہم جنسی تعلقات کے اختلال کو اس حیثیت سے ذکر کریں گے کہ اس کے واقعاتی زندگی پر کیا اثرات ہیں۔ تو ہم آخر میں یہ بھی بتائیں گے کہ درحقیقت جنسی تعلقات کا بگاڑ اخلاقی بگاڑ ہی ہے۔

حیاتِ انسانی کے دیگر پہلوؤں کے بالمقابل جنسی تعلقات میں جدت پسندی بہت آہستہ آہستہ اور ایک طویل عرصہ میں رونما ہوئی۔

قرونِ وسطیٰ میں کلیسا کی مسخ شدہ مسیحی تعلیمات مغربی ذہن پر چھائی ہوئی تھیں۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات ایک قسم کے زُہد اور جسمانی خواہشات سے بلند ہونے کی دعوت پر مشتمل تھیں۔

اگر چہ ہر زمانے میں ہر نبی اور ہر دین کی دعوت رہی ہے، لیکن حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے متعلق کچھ زیادہ ہی موثر ہدایت تھی۔ کیوں کہ عیسائیت کو اس وقت کی بنی اسرائیل کے اخلاقی دیوالیہ پن کو دور کرنا اور رومی دُنیا کی مادّی سرکشی کو کچلنا مقصود تھا۔ چناں چہ انجیل میں ہے:

''اگر تمہاری نگاہ گناہ کرے تو آنکھ نکال دو۔ کیوں کہ جسم کے ایک حصہ سے محروم ہو جانا پورے جسم کو جہنم میں ڈالنے سے بہتر ہے(۱)''

اس قسم کے اقوال سے کلیسا کا اخلاق ابھرا اور رہبانیت کی بُنیاد رکھی گئی۔

وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ (الحدید:۲۷)

''اور انھوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا۔ ہم نے ان پر اس کو واجب نہ کیا تھا۔''

ایک عام خیال یہ ہو گیا تھا کہ جنس گندگی اور نجاست کے مترادف ہے اور عورت شیطانی مخلوق ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے اور نکاح عوام الناس کی ایک حیوانی ضرورت ہے، جس سے پارسا اور متقی لوگوں کو احتراز کرنا چاہیے۔

غرض ایک طرف رومی سلطنت کی بُرائیاں پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری طرف رہبانیت تھی جو جنگل اور دیہات میں پناہ لیتی پھرتی تھی۔

لیکی اپنی کتاب ''تاریخِ اخلاقِ مغرب'' میں لکھتا ہے:

''قرونِ وسطیٰ کے لوگ دو انتہاؤں پر تھے۔ ایک انتہا رہبانیت تھی اور دوسری انتہا فسق و فجور تھی۔

جن شہروں میں فسق و فجور زیادہ تھا۔ انہیں شہروں میں بڑے بڑے زاہد بھی پیدا ہوئے۔ اس دور میں گناہ اور توہم پرستی کی گرم بازاری تھی اور دونوں ہی انسانی شرافت کے دشمن ہیں(۲)''

لیکی رہبانیت کے زیر سایہ بڑھنے والی جنسی نفرت کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے:

''لوگ عورت کی پرچھائیں سے بھی ڈرتے تھے۔ عورتوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی گناہ

(۱) انجیل متی اصحاح خامس۔ آیت: ۲۴

(۲) مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا۔ (ابوالحسن ندوی)

خیال کیا جاتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ عورتوں سے سر راہ ملاقات ہو جانا یا ان سے بات کر لینا ان کے سارے نیک اعمال اور روحانی جدوجہد کو ملیا میٹ کر دے گا۔ اگرچہ وہ عورتیں ان کی اپنی مائیں، بہنیں اور بیویاں ہی کیوں نہ ہوں۔''

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب ''پردہ'' میں مغربی مفکّرین کے بعض اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔ مرد کے لیے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔ تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔ اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہیے کیوں کہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس کو دائماً کفّارہ ادا کرتے رہنا چاہیے، کیوں کہ وہ دُنیا اور دُنیا والوں پر مصیبت لائی ہے۔''

ترٹولیان (Tertulian) جو ابتدائی دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھا، عورت کے متعلق مسیحی تصوّر کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔ وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر ــــ مرد کو غارت کرنے والی ہے۔''

کرائی سوسٹم (Chry sostem) جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے۔ عورت کے حق میں کہتا ہے:

> ''ایک ناگزیر بُرائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خالی خطرہ، ایک غارت گر دل رُبائی، ایک آراستہ مصیبت۔''

ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ ''عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابلِ اعتراض چیز ہے۔ خواہ وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔''

اس منحرف جاہلی نظریہ کا ــــ جس کا نہ کسی دین نے حکم دیا تھا اور نہ کسی نبی نے کہا تھا ــــ ایک شدید جاہلی ردِ عمل رونما ہوا۔

یہ ردِ عمل بہت آہستہ آہستہ سامنے آیا اور اس کے بہت سے اسباب تھے۔ اس ردِ عمل کا

ایک سبب وہ اخلاقی بگاڑ تھا، جس کا شکار خود کلیسا والے تھے اور وہ جنسی بگاڑ تھا جو راہب اور راہبات کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا، جس کے لیے کلیسا کی عمارت متزلزل ہوگئی اور رہبانیت کی ساری قدریں خاک میں مل گئیں اور لوگوں نے جب اس خالی خولی پاک بازی کو دیکھا تو وہ بھی شہوت پرستی کے مواقع ڈھونڈنے لگے۔

انسانیت کی حیوانی تعبیر ـــــ جس کو فرائڈ نے عمل کی جنسی تعبیر پیش کر کے کمک پہنچائی ـــــ نے یک لخت زندگی کو بگاڑ کے راستے پر گامزن کر دیا۔

صنعتی انقلاب بھی اس جاہلی ردِّعمل کا ایک بنیادی سبب تھا، جس نے عائلی نظام کو پارہ پارہ کر کے نوجوانوں کو دیہاتوں سے شہروں میں لا ڈالا، جہاں اخلاقی بندشیں ڈھیلی تھیں اور جہاں ان نوجوانوں کو اتنی آمدنی نہیں تھی کہ وہ گھریلو زندگی کی بُنیاد رکھ سکتے۔ اس کے بجائے جنسی بھوک کو مٹانے کے لیے سستے اور غیر اخلاقی ذرائع مہیّا کیے گئے۔

اس کے ساتھ ہی عورت کو بھی میدانِ عمل میں لایا گیا اور اس کو ایک لقمہ کے بدلے اخلاقی بے راہ روی پر مجبور کیا گیا۔

ساتھ ہی عورت کو "مساوات" کی راہ بھی سجھائی گئی اور اس "مساوات" میں بے حیائی اور بدکاری بھی شامل تھی!

یہ تمام اسباب زندگی کو ایک ہمہ گیر بگاڑ سے ہمکنار کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ عالمی صیہونیت نے اس روش کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگا لیا۔ چناں چہ مارکس، فرائڈ اور ڈرکایم اخلاقیات کا ٹھٹّھا اُڑانے میں لگ گئے اور عورت کو دعوت دی کہ وہ جنسی بے راہ روی اپنا لے تاکہ وہ مرد سے قریب تر ہو سکے۔

پھر سنیما ـــــ جو بنیادی طور پر ایک یہودی صنعت ہے ـــــ ریڈیو اور ٹیلی ویژن جنسی بے راہ روی اور لذّت پرستی کی نئی نئی راہیں سلجھانے پر لگ گئے۔

اس کے بعد فیشن کے مراکز... اختلاط کی معاشرتی روایات اور پھر آخر میں اباحیتِ مطلقہ!!

یہ سارا بگاڑ بہت آہستہ آہستہ اور بتدریج رونما ہوا۔ کیوں کہ اخلاق پرست اباحیت سے گریزاں تھے اور ترقی پسند اور روشن خیال لوگ ہر بگاڑ کو خوب بنا سنوار کر پیش کر رہے تھے۔ چناں چہ دونوں گروہوں میں کش مکش لازمی تھی ـــــ لیکن بہرحال پلڑا اباحیت ہی کا بھاری رہا۔

کیوں کہ اس طبقہ کو نشر و اشاعت کے تمام ذرائع پر قدرت حاصل تھی اور سرمایہ داری ـــ جو بنیادی طور پر ایک یہودی نظام ہے ـــ کے تراشے ہوئے اقتصادی حالات لوگوں کو اس بات کی سہولت نہیں دیتے تھے کہ وہ عین عالمِ شباب میں پاکیزہ نکاح کر سکیں۔ بلکہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو جنسی بے راہ پر اُکسایا جاتا اور عورت کا حصول کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔ کیوں کہ عورت میدانِ عمل اور تعلیمی اداروں میں مرد کے دوش بدوش موجود تھی۔

ساتھ ہی صحافت، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن نے عورت کو غرور و ناز کے تمام آداب بھی سکھائے۔

سرکاری اور غیر سرکاری عصمت فروشی کے اڈّے قائم کیے گئے۔ تفریح گاہیں اور کلب قائم کیے گئے۔ جہاں دلاّل اس ذلیل تجارت کے لیے گاہک تلاش کرتے تھے۔

ان تمام برائیوں کی اشاعت کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یہ فکر القاء کی گئی کہ زندگی صرف تعیّش پرستی اور لطف اندوزی کا نام ہے اور جب تک انسان بالکل سیر نہ ہو جائے خوب خوب دادِ عیش دے اور زندگی انسان کے لیے ایک ناقابلِ واپسیں موقع ہے۔ اس سے انسان جس قدر فائدہ اُٹھا سکتا ہے اٹھا لے۔

یہ تمام اسباب مل کر جاہلیتِ جدیدہ کی پیدائش کا سبب ہوئے۔ چناں چہ سارا معاشرہ اختلال پذیر ہو گیا اور معاشرے کی سخت ترین بندشیں کھل گئیں۔ اور اس کی جگہ انتہائی حلت پسندی اور اخلاقی بے راہ روی نے لے لی۔

عورت کو آزادی ملی اور لوگ بھی دین اخلاق اور روایات کی بندشوں سے آزاد ہو گئے اور اباحیت پسندی لوگوں کا دین بن گئی، جس کے لیے ریاست ہر قسم کی سہولتیں مہیّا کرتی اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اسی کے پرچار میں لگ گئے۔

وِل ڈیورانٹ اپنی کتاب ''فلسفہ کی نیرنگیاں'' میں کہتا ہے:

> ''ہم ایک مرتبہ پھر اسی کش مکش سے دو چار ہیں، جس سے سقراط گزر چکا ہے۔ ہم ایسے طبعی اخلاق کہاں سے لائیں، جو آسمانی سرزنش کی جگہ لے لیں۔ جس کا اثر لوگوں کی زندگی سے تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اخلاقی بگاڑ ہمارے اجتماعی سرمایہ کو تباہ کرتا جا رہا ہے...'' (ص:٦ جلد اوّل)

''ضبطِ ولادت کی دوائیں بھی ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ایک اہم سبب ہیں۔ ماضی میں

اخلاقی قانون جنسی تعلق کو نکاح کے ساتھ مشروط قرار دیتا تھا۔ کیوں کہ نکاح ہی ایک ایسی ممکنہ شکل ہے۔ جس میں باپ اپنے بچہ کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن اب تو جنسی تعلق اور نسل کُشی کا رشتہ ہی منقطع ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں مرد و زن کے تمام رشتے تغیر پذیر ہوتے جا رہے ہیں۔'' (جلد اوّل ص:۱۲۰)

''شہری زندگی نے شادی بیاہ میں رکاوٹیں کھڑی کر کے جنسی بے راہ روی کے ان گنت راستے کھول دیے ہیں۔ اب تو جنسی بلوغت بھی تاجیل پذیر تھا۔ جاگیرداری نظام معیشت میں اگر جنسی خواہش کا دبانا ایک امر معقول تھا تو اب صنعتی نظام میں یہ ایک انتہائی دشوار کام ہے۔ کیوں کہ صنعتی نظام لوگوں کو تیس کی عمر ہو جانے تک نکاح کے مواقع فراہم نہیں ہونے دیتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ضبطِ نفس کی صلاحیت کم زور پڑ جاتی ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ عفّت و پاک دامنی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ شرم و حیا کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ مرد اپنی بے راہ روی پر فخر کرتے ہیں۔ عورتیں بے حیائی میں مردوں سے مساوات چاہتی ہیں۔ شادی سے قبل جنسی اختلاط ایک جانی پہچانی روایت بن چکا ہے۔

اور اب جاگیرداری نظام کا اخلاقی بندھن ٹوٹ چکا اور آج کے صنعتی دَور میں اس اخلاق کی کوئی قیمت نہیں ہے[1]'' (ص:۱۲۶، ۱۲۷)

''یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ازدواجی زندگی کی اس تاخیر سے کیا کیا معاشرتی خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ازدواجی زندگی کی غیر فطری تاخیر معاشرتی خرابی کا بنیادی اور اہم سبب ہے اور ازدواجی زندگی کے بعد کی اباحیت پسندی کی وجہ شادی سے قبل اس کی عادت ہو جانا چاہیے۔ ہم اِس پُرشکوہ صنعتی دَور میں کبھی کبھی زندگی اور اجتماع کی علّتیں تلاش کرتے ہیں اور کبھی یہ سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ یہ ایک ایسی دُنیا ہے، جس سے اب کوئی راہِ فرار نہیں ہے اور یہی رائے اب موجودہ دور کے سارے مفکّرین کی ہے۔ لیکن کیا یہ شرمناک بات نہیں ہے کہ امریکہ کی نصف ملین لڑکیاں اپنے آپ کو اباحیت پسندی کی نذر کر چکی ہیں۔

---

(۱) واضح رہے کہ مصنّف کی بحث'' تاریخ کی مادّی تعبیر'' کی روشنی میں ہے۔ وہ معاشی انقلاب کو اخلاقی بگاڑ کا سبب بتاتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی کہ اشتراکیت جو لوگوں کی رازق ہے اور جس نے سرمایہ داری سے نجات دلائی ہے نے بھی اپنے نوجوانوں کو بروقت نکاح کی طرف متوجہ نہیں کیا ہے۔ جب کہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے لوگوں کے کاندھوں سے معاشی بوجھ اُٹھا لیا ہے۔ حقیقت میں یہ معاشی انقلاب نہیں بلکہ انسانیت کی تباہی کے لیے ایک چال ہے۔

اور کلب اور عُریاں لٹریچر ازدواجی زندگی سے محروم لوگوں میں جنسی ہیجان برپا کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ یہ بیچارے صنعتی دَور کی لاقانونیت کے بھی مریض ہیں۔''

''تصویر کا دوسرا رُخ بھی کچھ کم افسوس ناک نہیں ہے۔ کیوں کہ ہر وہ شخص جس کی ازدواجی زندگی میں تاخیر ہو۔ وہ بازاری عورتوں کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور اس عرصہ میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے پورا بنا سنورا نظام اپنے علمی اداروں کے ساتھ پایا جاتا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خواہشاتِ نفس کے اُبھارنے کے لیے عجیب و غریب طریقے ایجاد کیے گئے ہوں۔'' (ص ۱۲۷-۱۲۸)

''غالب گمان یہ ہے کہ لذّت پرستی کے رجحان میں ڈارون کے مذہبی خیالات پر حملوں نے بڑا اضافہ کیا ہے، جب نوجوانوں نے یہ دکھا کہ مذہب ان کی لذّت پرستی کے خلاف ہے تو انھوں نے بھی مذہب کو نکمّا اور گھٹیا ثابت کرنے کے لیے ایک ہزار اسباب تلاش کر لیے۔''

(ص: ۱۳۴)

کیوں کہ موجودہ دور میں نکاح اپنے صحیح معنوں میں باقی نہیں رہا۔ بلکہ ایک جنسی تعلق ہوکر رہ گیا ہے۔ اس لیے عائلی زندگی کی بُنیادیں ہی ہل گئی ہیں۔

''اب ازدواجی زندگی میں، زندگی کے آثار ختم ہوگئے۔ نتیجہ یہ کہ زن و شوہر میں ایک قسم کی اجنبیت سی پرورش پاتی رہتی ہے۔ حتی کہ علیٰحدگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مرد کی طبعی خواہشات ازسرِ نو اُبھر آتی ہیں، جن کی تکمیل سے اُس کی بیوی قاصر ہوتی ہے۔'' (ص: ۲۲۵)

''ذرا ہم کچھ اہلِ علم سے اپنے موجودہ اعمال کے نتائج تو معلوم کر کے دیکھیں، جو ظاہر ہے کہ ہماری منشاء کے مطابق نہیں ہوں گے۔ کیوں کہ ہم گوناگوں تبدیلیوں اور تغیر کا شکار ہیں، جن کا انجام یقینی اور ناقابلِ فرار ہے۔

آخر عادات رسم و رواج اور مختلف نظاموں کے اس سیلِ بے کراں کا نتیجہ کیا ہوگا جب کہ گھریلو زندگی تقریباً ختم ہوتی جارہی ہے اور یک زوجی کا دستور اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ اب تو یہی ہوگا کہ جنسی تعلقات سے نسل کشی کا مقصد قطعی طور پر فوت ہوجائے گا۔ اگرچہ اس قسم کے آزادانہ تعلقات زیادہ تر مرد ہی کی جانب سے ہوں گے لیکن عورت بھی تن تنہا زندگی گزارنے سے اس روش ہی کو غنیمت خیال کرے گی۔

ازدواجی رشتے ٹوٹ جائیں گے اور عورت مرد کو شادی سے قبل تجربہ پر آمادہ کرے گی۔ طلاق کی کثرت ہوجائے گی۔

پھر نکاح کا نظام از سرِ نو استوار کیا جائے گا، جس میں زیادہ سہولتیں ہوں۔ ضبطِ ولادت ایک عام سی بات ہو جائے گی اور بچوں کی پرورش کے لیے گھریلو ماحول کی بجائے سرکاری تربیت گاہیں قائم ہو جائیں گی۔'' (ص: ۲۳۵-۲۳۶)

یہ اقتباسات ایک مصنّف کے ہیں اور کسی تبصرہ کے محتاج نہیں!

جن خرابیوں کی مصنّف نے نشان دہی کی ہے جو فی الواقع اس جنسی بے راہ روی کی بنا پر نفسِ انسانی اور معاشرے میں رونما ہو چکی ہیں۔ ''وہ 'جاہلیت جدیدہ' کی برائیوں کی طرف سے ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ ان برائیوں نے پوری کی پوری انسانیت کو ہلاکت و تباہی کے کنارے لا کھڑا کر دیا ہے۔ صرف اخلاق ہی نہیں بلکہ نفسِ انسانی اور معاشرے کا کوئی پہلو ایسا باقی نہیں رہا، جو بگاڑ سے ہم کنار نہ ہوا ہو۔

مصنّف نے جو گھناؤنی تصویر پیش کی ہے اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے۔ پھر قابلِ توجّہ بات یہ ہے کہ مصنّف نے یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں لکھی تھی اور اب ہم ایک بھیانک جاہلیت کے دَور یعنی بیسوی صدی کے نصف آخر میں ہیں۔ اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مصنّف نے جو پیشین گوئی کی تھی وہ بالکل سامنے آ گئی ہے۔ اور جاہلیت کی بُرائیاں دُنیا کے گوشے گوشے میں اس طرح پھیل گئی ہیں کہ اب اگر خود جاہلیت بھی اُنہیں ختم کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ زمام کار اب جاہلیت کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اور جاہلیت کو اپنے بگاڑ پر کوئی قدرت حاصل نہیں رہی ہے! اور یہ حالت اس وقت ہے ——

—— جب کہ مندرجہ بالا اقتباسات بگاڑ اور فساد کی پوری پوری تصویر کشی نہیں کرتے۔

میں نے اس موضوع کو اپنی کتاب ''مادّیت اور اسلام'' **الانسان بین المادیة والاسلام** کے ایک باب ''جنسی اُلجھن'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ایک دوسرے انداز سے یہ بحث ''جمود وارتقاء'' میں بھی آ گئی ہے۔ اگر چہ ان مباحث کو یہاں نقل کرنا مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس مجنونانہ جاہلیت کی ایک جھلک ضرور دکھانا ہے کہ جب جاہلیت نے جنسی معاملات میں انسان کا تعلّق ''انسانیت'' سے منقطع کر کے ''حیوانیت'' سے منسلک کر دیا تو اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو بڑے نپے تلے اصول وقواعد کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے

اور یہی اصول پوری انسانی زندگی کو کنٹرول کیے ہوئے ہیں۔ اگر ذرا بھی انسان اس معیار سے ہٹ جائے تو یہ انحراف اس کے لیے ہلاکت خیز ہوگا۔ اور انسان کبھی بھی فلاح و کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے گا۔

فطرت سے مقابلہ بھی بے سود ہے کیوں کہ دلیلِ فطرت ہر باطل دلیل پر غالب آکر رہتی ہے۔

اب ذرا اس بات پر غور فرمایئے کہ جب لوگ ماضی کی گمبھیر جاہلیت سے نکل کر خواہشاتِ نفس اور جنس پرستی میں گھر کر رہ گئے تو اس کے کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے!

کیا شہوت رانیوں سے لوگوں کا جی بھر گیا؟

'آزادی کے علم بردار' تو یہی کہتے تھے کہ بندشوں اور ممانعتوں سے جنسی اشتعال بجائے کم ہونے کے اور بڑھتا ہے۔ بے شک یہ بات درست ہے۔ لیکن اس صورت میں جب کہ بندشیں حدِ اعتدال سے متجاوز اور غیر معقول ہوں ـــــ لیکن سوال یہ ہے کہ اس بے قید اباحیت کا کیا نتیجہ نکلا؟

پوری دُنیا اباحیت پسندی کا شکار ہے اور اس کے پورے پورے مواقع مہیا ہیں۔ لیکن کیا اس بے قید و بند اباحیت سے جنسی بھوک مٹ گئی۔؟

آخر کیا بات ہے کہ موجودہ دَور میں لوگ جنس میں بہت زیادہ الجھے ہوئے ہیں؟ فلمیں... کتابیں... افسانے... شرمناک تصاویر... ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام... گانے... مخلوط قسم کی محفلیں... سب پر جنس چھائی ہوئی ہے!

اور ان تمام مواقع پر نہایت سہولت کے ساتھ اختلاط کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود بھی یہ بھوک ختم نہیں ہوتی۔

ہم اس وقت اخلاقی نقطۂ نظر سے گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ہم اس امن وسکون کے بارے میں بات کر رہے ہیں، جس کا پورا پورا حصہ ہر انسان کو ملنا چاہیے۔ کیوں کہ انسانی زندگی کے مقاصد حیوانات سے قطعاً مختلف ہیں اور ہم ان انسانی اقدار کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو قلبِ انسانی میں جاگزیں ہیں اور جو ایک صالح اور بلند تر زندگی کی وہ ـــــ اقدار ہیں جو پورے انسانی وجود کو ایک ساتھ لے کر آگے بڑھتی ہیں!

دائمی بے چینی، اعصابی کھچاؤ، جنون اور خودکشی اس اباحیت پسندی کے وہ تحائف ہیں جو اس نے اب تک انسانیت کو دیئے ہیں۔

رہ گئی عائلی زندگی تو اس میں نہ آرام وسکون باقی رہا اور نہ ہی کوئی مضبوط ازدواجی رشتہ باقی رہا۔ جس ازدواجی زندگی میں ننّھے منّے بچّے اس رشتہ کو مزید مضبوط اور اس تعلق کو زیادہ گہرا اور پُرخلوص بنا دیتے ہیں۔

بلکہ اب تو ازدواجی زندگی جانوروں کے معیار سے بھی گر گئی۔ کیوں کہ بہت سے جانور اپنی ازدواجی زندگی کو طویل وقت تک برقرار رکھتے ہیں۔

سبب وہی ہے جو ول ڈیورانٹ بتاتا ہے۔ یعنی اباحیت۔

رقص وسرود کی محفلوں اور زندگی کے مختلف گوشوں میں مخلوط طرزِ زندگی کے باعث نوجوان ابتدائے شباب ہی میں جنسی بے راہ روی کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اور اس بے راہ روی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس طرح مرد وزن ایک دوسرے کی عادات و مزاج سے بہ خوبی واقف ہوجاتے ہیں اور شریکِ حیات تلاش کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ یہ مقصود تو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اباحیت پسندی ہی اصل مقصود بن جاتی ہے۔ پھر اس جنسی بے راہ روی کے عادی ہونے کے بعد جب نوجوان اپنی شریکِ حیات تلاش کر لیتے ہیں تو ان کا عائلی تعلق چند مہینوں یا چند سالوں سے زیادہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کی بنیاد انسانیت پر نہیں بلکہ جنس پرستی پر ہے۔ جنس پرستی ہی دوستی کا سبب بنی اور یہی بالآخر ازدواجی تعلّقات کا سبب بنی —— اور اسی کے نتیجہ میں ازدواجی تعلّقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور زن وشو پھر سے اپنی پرانی روش پر گامزن ہوجاتے ہیں۔

کیوں کہ عورت میں بھی ناز وانداز کے تمام طریقے بدستور موجود ہوتے ہیں۔ اور مرد بھی حسبِ سابق عورتوں کے لیے قابل توجہ رہتا ہے۔ چناں چہ زن وشو اپنے اپنے دوست بناتے ہیں حتی کہ دونوں میں جدائی کی نوبت آجاتی ہے۔

امریکہ میں ہر قسم کی بے راہ روی کی اجازت ہے، بلکہ قانون کی حمایت حاصل ہے اور تمام ذرائع نشر واشاعت بھی اس اباحیت پسندی کی تائید میں لگے ہوئے ہیں اور ایک مکمّل فلسفۂ اباحیت کی تائید وتوثیق میں گڑھ لیا گیا ہے۔

اسی امریکہ کی بعض ریاستوں میں ۴۰ فی صد جوڑوں میں طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

یہی حال شمالی یورپ کے ممالک کا ہے جو جاہلیت جدیدہ میں نہایت ترقی یافتہ ہیں۔

گویا گھریلو زندگی بھی تباہ ہوئی اور بچّے بھی فطری محبت سے محروم اور بے سہارا ہوئے۔

پھر ان لاوارث بچوں کو اقتصادی ضمانتیں مہیّا کی جاتی ہیں لیکن ان معصوم بچوں کو احساس وشعور کی ضمانت کون دے سکتا ہے۔؟

پھر اس جاہلیت جدیدہ میں بچوں کی ایک اور مشکل بھی ہے اور وہ یہ کہ مغرب کی فسق و فجور سے بھری ہوئی زندگی بچوں کے جنسی شعور کو قبل از وقت اُبھار دیتی ہے اور اس سے پہلے کہ عائلی اور ازدواجی زندگی کا کوئی تجربہ حاصل ہو بچّے جنسی طور پر بالغ ہوجاتے ہیں۔!

اور اس بدکار نظامِ حیات میں نوجوان اپنی جوانی کے بالکل ابتدائی دور میں جنسی تجربات کرتے ہیں اور جنسی شذوذ کا شکار ہوجاتے ہیں۔

جن ممالک میں جنسی آزادی ہے وہاں ''جنسی شذوذ'' کی بڑھتی ہوئی رفتار ایک بھیانک مسئلہ بنتی جارہی ہے۔

امریکیوں کی جنسی زندگی کی بارے میں کنزیؔ کی تقریر پہلا علمی مطالعہ ہے۔

—— لیکن اس میں صرف اعداد وشمار بتائے گئے ہیں۔تو اس مسئلہ کے اسباب کا تذکرہ ہے اور نہ کسی علاج کی تلاش!

اس جنسی بے راہ روی اور عورت پرستی کے جنون کے بارے میں ہم نے اپنی رائے دوسری کتابوں میں بیان کی ہے۔

یہاں تو ہم جاہلیت جدیدہ میں جنسی بے راہ روی کا تذکرہ اعداد وشمار کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں۔

رہ گئیں اباحیت پسندی کی اخلاقی برائیاں سو وہ یہ ہیں کہ —— اقوامِ عالم انحطاط وتنزّل کا شکار ہیں اور مقابلہ کے میدان میں ان کے قدم جمنا مشکل ہورہے ہیں۔

اب اخلاقی بگاڑ حکومت کی مشینری پر اثر انداز ہورہا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ایک لذّتِ گناہ کے بدلے فوجی راز دشمنوں کے جاسوسوں کو فروخت کیے جارہے ہیں۔

انگلستان کے پروفیمیو اور امریکی سیاسی شخصیات کے کردار اپنے سامنے رکھیے...!

دورِ جدید کی دو عظیم طاقتیں ــــ روس اور امریکہ ــــ اپنے نوجوانوں پر ان کی جنسی بے راہ روی کی بنا پر اعتماد نہیں رکھتیں کہ وہ آئندہ وقت پڑنے پر اپنے وطن کو تباہی سے بچا سکیں گے۔

یہ فطرت کا ایک چیلنج ہے۔

یہ صرف ــــ اپنے تنگ معنی میں ــــ اخلاقی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ پوری انسانیت کے مستقبل کا سوال ہے۔

اس اباحیت پسندی نے انسانیت ہی کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

میں نے اپنی کتاب ''جمود و ارتقاء'' میں بتایا ہے کہ اباحیت اور اس کے لازمی نتائج جاہلیتِ جدیدہ کا خاصّہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہر اُس جاہلیت کی علامات ہیں جو دُنیا میں کبھی ظہور پذیر ہوئی ہو۔

اباحیت یونانی اور رومی جاہلیت میں بھی تھی۔ جس طرح ایرانی جاہلیت میں تھی اور ان تمام جاہلیتوں کی ہلاکت کا سبب بنی ــــ جیسا کہ اباحیت جاہلیت جدیدہ میں بھی پائی جاتی ہے اور اس میں بھی انسانیت تباہی سے ہم کنار ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جاہلیت جدیدہ کی ہلاکت خیزی زیادہ بھیانک اور زیادہ شدید ہے۔ کیوں کہ قدیم جاہلیتوں میں بگاڑ اپنی طبعی رفتار سے بڑھتا تھا ــــ مگر جاہلیت جدیدہ بگاڑ و فساد کو علمی سہارے دے دے کر اُسے پروان چڑھا رہی ہے۔

بگاڑ اور اباحیت کو معقول بتانے والے نظریات و افکار ہر جاہلیت میں پائے گئے۔ لیکن قدیم جاہلیتوں میں ان کا انداز غیر علمی ہوتا تھا ــــ اور ــــ جاہلیت جدیدہ میں یہ افکار و خیالات خالص علمی اور سائنٹیفک انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں اور تمام ذرائع نشر و اشاعت کو اس ''نیک کام'' میں لگا دیا گیا ہے ــــ اور پس منظر میں عالمی صیہونیت خوشی اور شادمانی سے تالیاں بجا رہی ہے کہ وہ غیر یہودیوں کا اخلاق خراب کرنے کے ''مبارک کام'' میں کامیاب ہو گئی۔

ہم نے اِس ساری بحث میں اخلاقی نقطۂ نظر کو نہیں لیا۔ کیوں کہ اگر ایسا کرتے تو کچھ لوگ کہہ دیتے کہ اخلاق کا واقعاتی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

لیکن بیسویں صدی کی جاہلیت میں جو واقعیاتی حقیقت ہمیں صاف اور کھلم کھلا نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ ہی انسانی نفس اور انسانی معاشرے کی تباہی کا باعث ہے اور اخلاقی بگاڑ ساری واقعیاتی زندگی میں فوراً سرایت کر جاتا ہے۔

واقعیاتی زندگی کا بگاڑ درحقیقت اخلاقی بگاڑ ہی ہے — سیاسی، اجتماعی، اقتصادی اور جنسی کسی بھی قسم کا بگاڑ ہو وہ درحقیقت انسانی فطرت کا بگاڑ ہے۔ اخلاق زندگی سے غیر متعلق کوئی نظریاتی شے نہیں ہے۔ بلکہ اخلاق فطرت کے وہ لافانی اصول ہیں۔ جو حقیقی انسانی زندگی میں کارفرما ہیں۔

جاہلیت جدیدہ — باوجود ہمہ قسم کی روشن خیالی کے — حقیقت فطرت سے زیادہ بے بہرہ — اور ان اصولِ فطرت سے جو اخلاق کی نشو ونما کرتے ہیں زیادہ دور ہے۔

آرٹ اور فن کا بگاڑ

آرٹ اور فن زندگی کی ایک شکل ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

''واقعیت پسند'' حضرات کہتے ہیں کہ فن برائے زندگی ہے اور فن برائے فن کوئی چیز نہیں ہے۔

ان حضرات کو غور کرنا چاہیے کہ تاریخ کے جس حصہ میں فن وجود میں آتا ہے اور جب یہ محسوس ہوتا ہے کہ فن برائے فن وجود میں آیا ہوگا۔ اس وقت بھی فن لوگوں کی زندگی کا عکاّس ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر لوگ اس فن میں دل چسپی نہ لیتے تو نہ وہ وجود میں آتا اور نہ ہی لوگوں میں رواج پاتا۔ آپ بطور مثال ''رومانویّت'' کو لے لیجیے۔ اس میں زندگی سے فرار اور تخیل پسندی اسی لیے پائی جاتی ہے — کہ یہ فن برائے فن تھا — اور اس لیے بھی کہ لوگ اس وقت فی الواقع زندگی سے فراری اور ''تخیل پسند'' تھے!

اس لیے ہم کہتے ہیں کہ آرٹ اور فن زندگی کی ایک شکل ہے خواہ وہ زندگی سے فرار کی عکاّسی ہی کیوں نہ کرے۔

یہ بحث اصل میں ''تنقیدِ فن'' سے متعلق ہے۔ لیکن یہاں پر گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ایک جاہلی معاشرے میں نشو ونما پانے والے ''جاہلی فنون'' کے انحرافات کا علم ہو سکے۔ کیوں کہ فن زندگی کا عکاّس ہے۔ اس لیے جوں جوں زندگی بگاڑ کی شکار ہوتی جائے گی۔ اسی قدر فن میں بھی انحراف اور بگاڑ رونما ہوتا جائے گا۔

نوٹ: ہم نے اپنی کتاب **منہج الفنّ الاسلامی** ''اسلامی فن کا طریقہ کار'' میں ان تمام موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ یہاں صرف چند اصول کے بیان کرنے پر اکتفا کریں گے۔

سب سے پہلے اور سب سے اہم بات جو مغربی فنون میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام فنون ''وثنی'' ہیں۔ وثنی ماحول میں پیدا ہوتے ہیں اور آخر کار انسان کو بھی وثنی بنا دیتے ہیں۔

بے شک ان فنون میں انسانیت کے بہترین اور بلند نمونے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ فنی نمونے انسان کے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر اس کے غم والم اور فرح و شادمانی کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں اور انسانی شعور کو عالم بالا تک پہنچا دیتے ہیں۔

ان بلند اور اعلیٰ فنی مثالوں کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ فن کو حقیقت میں وثنی ہی ہونا چاہیے۔ اور وثنیت ہی کسی فن کی تحسین و تجوید کا سبب بنتی ہے۔

آرٹ کے شاہکار نمونوں کا حال جاہلیت میں پائی جانے والی ان چیزوں کی طرح ہے جن کا سراپا شر بن جانا یا خیر و بھلائی کے نام و نشان سے خالی ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ مجموعی طور پر ہر نفسِ انسانی سرتا پا برائی نہیں بن سکتا۔ اس کے وجود کے کسی نہ کسی گوشے میں کوئی نہ کوئی صداقت ضرور موجود ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بے ربط اور معمولی سی صداقت انسانیت کو جاہلیت کی تباہ کاریوں سے نہیں بچا سکتی —— بلکہ انسانیت کو اپنی جھولی میں ڈال کر مسلسل وادئ ہلاکت کی طرف لڑھکتی چلی جاتی ہے۔

تاریخ کے تمام ادوار میں مغربی فن کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ دیوتاؤں اور انسان کی کش مکش کی عکاسی کرتا رہا ہے۔

میں اس وقت یہ نہیں بتا سکتا —— کیوں کہ میں نے اس موضوع پر فی الحال غور نہیں کیا۔ بلکہ چاہتا ہوں کہ کوئی دوسرا شخص غور کرے —— کہ جس حد تک مغربی فن نے دیوتاؤں اور انسان کی کش مکش کی عکاسی کی ہے۔ اگر اسی حد تک فن اللہ اور انسان کے تصور اور دونوں کے مابین صحیح تعلقات کی ترجمانی کرے تو اس وقت فن کی کیا نوعیت ہوگی (۱)؟

مغربی فن کا دیوتاؤں اور انسان میں کش مکش کا عکاس ہونا ہی اس میں بگاڑ کا سبب بنا ہے۔ کیوں کہ فن بھی عقیدہ میں رونما ہونے والے درجہ بدرجہ تمام انحرافات سے متاثر ہوتا ہے۔

---

(۱) ہندستانی آرٹ بظاہر فنا فی اللہ کا عکاس ہے۔ لیکن یہ بات مجھے کسی اور فن میں نہیں ملی۔ بہر حال میری خواہش یہی ہے کہ میرے سوا کوئی اور اس ذمّہ داری کو محسوس کرے۔ کیوں کہ یہ ایسا موضوع ہے جس کا مطالعہ تاریخ فن پر مزید روشنی ڈال سکے گا۔

یورپ کی ابتدائی تاریخ میں یونانی فن دیوتاؤں اور انسان کی شدید کش مکش کا عکاس رہا اور تمام مشہور یونانی ڈراموں میں اس تخیل کی جھلک پائی جاتی ہے۔

انسان اپنے وجود کا اثبات چاہتا ہے۔ چناں چہ وہ تقدیر اور دیوتاؤں سے جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور اس جنگ میں ہمیشہ انسان حق پر ہوتا ہے۔ اور دیوتا باطل اور ناجائز طریقوں سے اس پر حکمراں ہونا چاہتے ہیں۔ اس المیہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ''بطل صالح''—— انسان —— تقدیر یا دیوتاؤں کے ہاتھوں شکست کھا جاتا ہے اور ظالم دیوتا اس پر کوئی رحم نہیں کھاتے۔ بلکہ اس کے اس گناہ پر سزا دیتے ہیں کہ وہ دیوتاؤں کے مقابلہ پر اپنے وجود کو اپنے نفس کا دیوتا اور اپنی ذات کو اپنی تاریخ کا خالق بنانا چاہتا ہے۔

اس المیہ کے اختتام پر یہ احساس ہوتا ہے کہ انسان نیکوکار اور مظلوم ہے اور دیوتا شریر و ظالم ہیں۔ اور ظالم جبروت اور مظلوم نیکوکار میں صلح کا کوئی ذریعہ نہیں ہوا کرتا۔

اس جاہلی تصوّر کے زیر سایہ وہ فنی نوادر وجود پذیر ہوئے ہیں جو نفس انسانی کی گہرائیوں تک پہنچ جاتے ہیں اور کبھی کبھی انسان کو آفاق کی بلندیوں تک لے جاتے ہیں —— لیکن کش مکش کی پیدا کردہ مسموم فضا ان ساری فنی خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

نفسیاتی تجزیہ کے لحاظ سے یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ یہ انحراف درحقیقت انسانیت کے زمانۂ طفولیت کا انحراف ہے، جس کی تمثیل دورِ یونانی میں نظر آتی ہے۔

بچہ اپنی نگرانی کو توڑ کر اس سے اپنی ذات کا اثبات چاہتا ہے۔ کیوں کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس نگرانی میں اس کی بے چارگی پنہاں ہے جب کہ اس کے بڑے کسی دوسرے کے سامنے مجبور نہیں ہیں۔ تو وہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیے اپنے بڑوں کی نافرمانی اور سرکشی کرتا ہے اور جب یہ بگاڑ حد سے گزر جاتا ہے تو بچہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ بڑے اس کی شخصیت کو کچلنا چاہتے ہیں۔ جتنا وہ آمادۂ سرکشی ہوتا جاتا ہے اتنا ہی بڑے اس کی نگرانی اور دیکھ بھال زیادہ کرتے جاتے ہیں۔ حتی آں کہ اس میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑوں سے انتقام لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اس انحراف سے تحلیلی نفسیات بہ خوبی واقف ہے۔

بعینہ یہی انحراف یونانی جاہلیت میں رونما ہوا۔ اگرچہ اس جاہلیت میں جو فن تشکیل پایا

اس میں بعض بہترین نمونے بھی تھے۔لیکن اس انحراف کی بدنما پرچھائیں سے خالی نہ تھے۔

صرف پرومیتھیس کی کہانی اس کش مکش کی عکاس نہیں ہے، بلکہ یونانی ڈراموں میں جتنی بھی کہانیاں ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔

بہرحال یہ انسانیت کے زمانۂ طفولیت میں ہونے کے باوجود بھی انحراف ہی ہے۔ کیوں کہ اوّل تو ہر بچے کے یہ احساسات نہیں ہوتے بلکہ جواباً بچے بھی بڑوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پھر اگر کبھی کبھی بچہ بڑوں کی روک ٹوک کو محسوس کرتا ہے — کیوں کہ نفس تنقید کو ناپسند اور تعریف کو خوش گوار محسوس کرتا ہے۔ اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اپنی ذات پر اعتماد کر کے اور بڑوں کے تعاون سے مستغنی ہو جائے — لیکن معاملہ نفرت اور کراہت تک اسی وقت پہنچتا ہے جب انحراف ہو۔

یونانی جاہلیت میں یہی انحراف تھا اور یہ انحراف ان کے فن میں پوری طرح واضح ہے، کیوں کہ فن بھی نفس اور زندگی کی ایک شکل ہے۔

زندگی اور فن میں پائی جانے والی یونانی جاہلیت کی نشانیوں میں سے یہ پہلی نشانی تھی۔

دوسری نشانی اور علامت خوب صورت اجسام کی 'وثنی عبادت' ہے جس کے بارے میں لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ فن ہے۔

جاہلیتوں میں اس قسم کے بے شمار خیالات ہوتے ہیں جو تنقید کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔

چناں چہ یونانی زندگی کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ اس میں لوگ 'مجرد جمال' کی عبادت کرتے تھے۔ حالاں کہ یہ حقیقت ہے کہ اس پرستش جمال کے نتیجے میں پوری سوسائٹی بداخلاقی کا شکار تھی اور ساری یونانی تہذیب تباہی سے ہم کنار ہو گئی تھی۔ جیسا کہ یونانیوں کی محبت اور جمال کی کہانیاں ایسی بداخلاقیوں سے پُر نظر آتی ہیں جس میں انسان اور دیوتا سب سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پرستش جمال کے پس پردہ جسمانی شہوت رانی اصلی محرک تھی۔

نشأۃ ثانیہ سے لے کر آج تک مغربی فنون یونانی جاہلیت کے ان دو مندرجہ بالا بگاڑ و انحراف سے متاثر چلی آتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد کچھ وقت کے لیے فن اللہ کی طرف مائل نظر آتا ہے۔ اس شکل

میں جو مغربی کلیسا نے اللہ کی بنائی ہوئی تھی اس پر بھی یونانی اور رومی تصوّرات غالب تھے کہ اللہ کو ایک محسوس جسم میں ڈھال کر اس کے مجسّمے بنا کر رکھ دیئے[1] اور جب یہ دور ختم ہوگیا تو ہیلنی تہذیب پھر سے فکری اور فنی رجحانات پر غالب آ گئی۔ اور لوگوں کو لے کر از سرِ نو یونانی وثنیت کی طرف رواں دواں ہوگئی۔

پھر یورپ پر ایک ایسا دور گزرا جس میں یورپ دوہرا کردار ادا کرتا رہا۔ اس وقت یورپ مسیحی بھی تھا اور ہیلینی بھی! پھر آہستہ آہستہ مکمل وثنیت کی جانب گامزن ہوگیا۔

اس کے بعد وہ دور بھی آیا جب یورپ نے کلیسا اور کلیسا کے خدا سے بھاگ کر طبیعت کی پرستش شروع کر دی۔

یہ دَور مغربی فن کی تاریخ میں ''تحریکِ رومانویت'' کا دور کہلاتا ہے۔ اس میں بھی الٰہ کا وجود نظر آتا ہے۔ لیکن الٰہ کے تصوّر میں انحراف ہے۔ کیوں کہ رومانویت میں صرف ''طبیعت'' سے دلچسپی کا اظہار نہیں۔ بلکہ طبیعت کی پرستش کی جاتی تھی اور یہیں سے انحراف رونما ہوا۔

طبیعت کی پکار پر لبیک کہنا انسانی فطرت کی گہرائیوں میں پیوستہ شعور ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ فطرت اور پوری کائنات کی پکار پر لبیک کہتا اور ہر نوع کے جمال کو دیکھ کر مسرور ہوتا ہے۔

لٰہذا ''جمال'' کی پسندیدگی انحراف نہیں۔ بلکہ جمال پسندی تو انسانی تشخص کا ایک لازمہ ہے اور اس کا نہ ہونا فطرت سے روگردانی ہے۔

لیکن جمال کی عبادت خواہ وہ کسی شکل میں ہو ایک وثنی انحراف ہے جس کی طرف وہ فطرت سلیمہ مائل نہیں ہوسکتی۔ جو خالقِ جمال کی عبادت کرتی ہے۔ لیکن وہ جمال وخوب صورتی کے بُت تراش کر نہیں پوجتی۔

ان دونوں باتوں میں ظاہر ہے کہ بہت نمایاں فرق ہے۔

---

(۱) یہاں ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جب عیسائیوں کا مسلمانوں سے واسطہ پڑا تو یورپ میں ایک تحریک (Iconoclasm Movement) اٹھی تھی جو تمام تماثیل اور مجسموں کو توڑ دینا چاہتی تھی۔ اس تحریک کا علم بردار آٹھویں صدی کا لیو سوم Leo III تھا اور یورپی کلیسا کی تاریخ میں یہ تحریک ۱۲۰ سال کام کرتی رہی۔ لیکن یہ تحریک اس وثنیت کو کچلنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

اس وثنیت کی معقولیت ثابت کرنے کے لیے جو خوب صورت ترین جملے دُہرائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ "طبیعت اللہ کی محراب ہے۔" جمال اللہ کی صورت ہے۔ اور ہم اللہ کی عبادت، اس کی مخلوق کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے چمک دار رومانوی فقرے ہیں، جو اس وثنی روح پر پردہ نہیں ڈال سکتے جو محسوسات کی پرستش کرنا چاہتی ہے۔ کیوں کہ وہ روح کے ذریعہ اللہ کا ادراک نہیں کرسکتی۔ جب کہ روح محسوسات سے مستغنی ہوا کرتی ہے۔

اس معنی میں "تحریک رومانویت"" تحریک وثنیت ہے۔ واقعیت پرستوں کے اس خیال سے ہمیں کوئی سروکار نہیں کہ "تحریک رومانویت اس لیے منحرف تھی۔ کیوں کہ وہ زندگی کے ساتھ ساتھ نہیں چل رہی تھی اور لوگوں کے افرادی ذہن کی عکاس تھی(۱)

اس بگڑی ہوئی تحریک رومانویت کی بنا پر یورپ نے ایک نئی فنی جاہلیت اپنالی اور اس نئی جاہلیت میں بھی الٰہ پھر سے تبدیل ہو گیا۔

اب نیچر پرستی نہیں رہی...اب چوں کہ انسان نے کائنات کے رازہائے سربستہ سے پردہ اُٹھا دیا ہے اور خود انسانی علم نیچر پر غالب آ گیا —— تو انسان بھی صنعتی انقلاب، سائنسی ترقیات اور قدرتِ انسانی کے زیر سایہ ایک نئے الٰہ کی عبادت کی طرف متوجّہ ہو گیا اور... یہ نیا الٰہ خود انسان تھا۔

اب انسان کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اللہ کی غلامی کا وہ طوق گردن سے اتار پھینکے جو اس نے اپنے دورِ جاہلیت میں اپنی گردن میں ڈال لیا تھا۔ اب تو انسان کو خود ہی الٰہ بننا تھا۔

اس مرتبہ مغربی فن نے نئے الٰہ کی پیروی کی اور اس کی تمام تر توجہات طبیعت سے ہٹ کر انسان کی طرف منتقل ہو گئیں۔

اور یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ انسان کو اہمیت دینا بذاتِ خود کوئی انحراف

---

(۱) ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تحریک "رومانویت" میں زندگی سے انحراف نہیں تھا بلکہ اس وقت کے لوگوں کی ذہنیت ہی فراری تھی۔ اس وقت لوگ کلیسا اور جاگیرداری کے مظالم سے راہِ فرار ڈھونڈھ رہے تھے۔ بہر کیف اس وقت مغرب کے جو بھی حالات تھے وہ ناقابل تبدیل تھے۔ چناں چہ لوگ کلیسا کے الٰہ سے فرار اختیار کرتے ہوئے نیچر پرستی پر مجبور ہو گئے۔ لیکن درحقیقت یہ وثنیت ہی ہے، جس کی بنا پر لوگ اللہ کی عبادت سے منحرف ہو کر ایک محسوس شے کی عبادت کرنے لگے۔

نہیں ہے۔ نہ ہی فن میں اور نہ زندگی میں کیوں کہ یہ فطری امر ہے کہ انسان اپنے وجود کو اہمیت دے اور اپنی زندگی اور جذبات کی عکاّسی کرے۔ اپنی مشکلات کا حل تلاش کرے اور دُنیا میں اپنی جدوجہد کو تیز تر کرتا چلا جائے...!

بلکہ انحراف انسان کی عبادت کرنا ہے۔

اس عرصہ میں مغربی فن کا انسانیت کو اہمیت دینا اللہ کے لیے ایک چیلنج رہا۔

مغربی فن کاروں کے یہاں مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ فن کو خدا اور مذہبی افکار سے دور رکھا جائے۔ بلکہ ہر مذہبی خیال کا مذاق اُڑانا اور ہر اللہ کا نام لینے والے پر پھبتی کسنا بھی ان کے مقاصد میں شامل تھا۔

مذہبی لوگوں کا مذاق اُڑانے کا صرف یہ مقصد نہیں تھا کہ یہ لوگ جادۂ حق سے منحرف ہوگئے اور فن کار اپنی تنقید سے ان کو صحیح راہ دکھانا چاہتے ہیں اور مذہب کو لوگوں کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ مذہبی لوگوں کا مذاق اُڑا کر اس کے پردے میں مذہب کے اصول کا ٹھٹّھا اُڑایا جائے اور اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی سادہ لوحی پر قہقہے لگائے جائیں۔

غرض یہ 'ملحدانہ ادب' دنیا میں اشاعت پذیر ہوا۔ اور یہ وہ ادب تھا جو اللہ پر الزام دھرنے اور اللہ کے بندوں کا مذاق اُڑانے میں بڑا مشاق تھا —— اور اسی ادب کا نام ''آزادیِ فکر'' رکھا گیا۔

بعینہٖ اسی وقت دو اور جاہلی محرکات فن کو مزید انحراف کی طرف لے جارہے تھے۔ یہ دو محرکات تھے انسانی وجود کی حیوانی تعبیر اور انسانی عمل کی جنسی تعبیر۔! انسانی وجود کی حیوانی تعبیر کے زیرِ سایہ جو فن تشکیل پایا اس کا نام ''طبیعی فن'' رکھا گیا۔ اس فن نے انسان کی تصویر کشی کچھ اس طرح پر کی کہ انسان اپنی طبیعت اور فطرت ہی کے لحاظ سے نہایت درجہ کمینہ، دھوکہ باز اور مفاد پرست ہے۔ اس کے پاس نہ کوئی اخلاقی سرمایہ ہے اور نہ کوئی ضابطۂ زندگی! —— سارے اخلاق معاشرے سے منافقت کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں اور اس سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (ذرا غور کیجیے) انسان نے آخر اس منافقانہ اخلاق ہی کو کیوں اختیار کیا۔ منافقت ہی اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ انسانیت کا تقاضا کیا ہے؟)

رہ گیا دوسرا محرّک —— یعنی انسانی عمل کی جنسی تعبیر۔ سو اس نے ایک مکمل فن ترتیب

دیا ہے —— اور اس فن کے مختلف گوشے یہ ہیں فحش ادب، عریاں تصاویر، سنیما، افسانے، گانے وغیرہ۔

غرض یہ فن رواج پا گیا—— اور اس کے پس پردہ عالمی صیہونیت، غیر یہودیوں کا اخلاق تباہ کرنے کے لیے کام کرتی رہی۔

یہ سارے انحرافات کسی ایک مرحلے پر آ کر ختم نہیں ہو گئے، بلکہ فن بھی ان تمام انحرافات سے دو چار ہوا، جو تصوّر اور عمل میں پائے جاتے تھے۔ ساتھ ہی نفسِ انسانی کے بارے میں موجودہ تصوّر بھی فن پر اثر انداز ہوا۔

چناں چہ ''لاشعور'' کے بارے میں فرائڈ کے نظریات سے ادب اور فن میں ''سریالیت'' نے جنم لیا۔ اور تجریدی آرٹ اور جدید فن کی دیگر بدعتیں رونما ہوئیں۔ سب کی بنیاد یہی فلسفہ ہے کہ ''عقل شعور'' انسانی وجود میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بلکہ اصل چیز ''لاشعور'' ہے۔

لیکن یہ دلیل نہایت کم زور ہے کہ لاشعور ہی انسان ہے۔ کیوں کہ اس امر سے کیا مانع ہے کہ لاشعور اور شعور دونوں کا مرکب انسان ہو۔؟''

اور یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ فرائڈ سے پہلے ہر شخص اس بات کو سمجھتا تھا۔ انسان کو معلوم تھا کہ اس کے کچھ افکار مرتّب اور منظّم ہیں اور کچھ مشاعر ایسے بھی ہیں، جن میں کوئی منطقی ربط نہیں ہے اور یہ دونوں مل کر انسانی وجود کی تشکیل کرتے ہیں۔

نظریۂ فردیت سے وہ فنون ظہور پذیر ہوئے جو اجتماعیت کی شکست و ریخت چاہتے تھے —— اس نظریہ میں فرد کو دیوتا کا مقام حاصل ہے۔ کوئی بھی معاشرہ فرد پر حکمراں نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کے اخلاق، عادات اور تصرّفات کا نگراں قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن اس نظریہ کے ماننے والے یہ غور نہیں کرتے کہ اگر معاشرہ ختم ہو جائے تو فرد کا وجود کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ اور اگر کسی وقت معاشرہ ختم ہو کر صرف افراد رہ جائیں، جو اپنی خواہشات کے بندے ہوں۔ نہ کوئی اصول ان کی راہ روک سکے اور نہ کوئی قانون رکاوٹ بن سکے تو ان افراد کا کیا حال ہوگا۔؟

فلسفۂ ارتقاء —— کائنات کے خود بہ خود —— اور بلا مقصد وجود نے ''وجودیت'' کا ایک فلسفہ تراشا ہے۔ ذرا آپ سب سے بڑے وجودی البیر کامو کا مطالعہ کریں جو کائنات کے

سامنے انسان کی حیرت و استعجاب بیان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ انسان اس عظیم کائنات میں کس طرح اپنے وجود کو حقیر خیال کرتا ہے اور انسان کس قدر قلق و اضطراب کا شکار ہوتا ہے۔ جس وقت اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے وجود میں کسی حکمت و تدبیر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد فن میں پھر ایک بنیادی انحراف رونما ہوا اور وہ یہ کہ اب انسان معبود نہیں رہا۔ اب معبود جبریات بن گئیں۔ چناں چہ فن بھی جبریات کی طرف متوجہ ہو گیا اور انسان کی تعبیر جبریات کے ماتحت کرنے لگا۔

فن کے موجودہ اسکول جنھیں ''اجتماعی مذاہب'' کا نام دیا جاتا ہے ان کا موضوع انسان نہیں رہا، بلکہ انسان تو ایک ایسا عدسی شیشہ (Magnifying Glass) ہے جس میں سے اجتماعی جبریت، اقتصادی جبریت اور تاریخی جبریت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اب انسان ثانوی شے ہے۔ بنیادی شے اجتماعی، اقتصادی اور تاریخی نظم ہے، جس کو یہ زندگی جنم دیتی ہے اور انسان پردۂ سیمیں پر حرکت کرنے والی وہ تصاویر ہیں، جن کو یہ جبریات حرکت دے رہی ہیں۔

اور یہ جبریات ہی اب وہ ''پیمانہ'' ہیں، جس پر انسانی زندگی رواں ہے۔

اب انسانیت کی ناپ تول کے لیے ادراک و شعور سے بالاتر یونانی پیمانہ نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ پیمانہ احساس و شعور میں آتا ہے۔

اس کے باوجود انسان میں اور اس پیمانہ میں وہ ہی کش مکش ہے جو انسان میں اور پرانے یونانی پیمانہ میں تھی —— ہاں ایک فرق ضرور ہے اور یہ کہ موجودہ جبریتوں کے دیوتا جو کچھ کرتے ہیں درست کرتے ہیں —— اور ایک فرق اور بھی ہے کہ اب انسان اپنی ذات کے اثبات کی کوشش نہیں کرتا۔ کیوں کہ انسان کا وجود ان جبریتوں میں پس کر ضائع ہو چکا ہے۔

ان لامتناہی انحرافات کی موجودگی میں مغربی فن نے آرٹ کے بے مثال انسانی نمونے پیش کیے ہیں۔

لیکن ان انحرافات کی بنا پر ان کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے ہیں۔ فن کے ان نمونوں میں بہتر ادائے گی —— اور انسانی زندگی اور اس کی نفسیات کے بعض گوشے اس طرح اُجاگر کیے گئے ہیں کہ بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ کاش یہ نمونے جاہلی انحرافات کا شکار ہو کر اپنا حُسن نہ کھو بیٹھتے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض فنی شہ پارے انحراف کی لعنت سے بچ گئے ہیں۔ کیوں کہ ہم یہ بتا ہی چکے ہیں کہ نفسِ انسانی کبھی بھی شر میں اتنا ملوّث نہیں ہوا کرتا کہ اس میں خیر کا نام ونشان ہی نہ رہے۔

فن کے یہ نمونے جو انحراف سے بچ گئے اس قابل ہیں کہ ان کو تاریخ میں محفوظ کیا جائے۔

لیکن اکثر شہ پاروں کو انحراف نے کہیں نہ کہیں سے داغ دار کر دیا ہے۔ جیسے ایک خوب صورت چہرہ کہیں کہیں سے آگ میں جھلس جائے۔

رہ گئے فن کے وہ نمونے جو شہ پاروں کا درجہ نہیں رکھتے ــــ اور اس قسم کے نمونے کثرت سے ہیں ــــ تو ان میں نہ کوئی خوب صورتی ہے اور نہ کوئی حُسن ــــ بس انحراف ہی انحراف ہے۔

رہ گیا جنسی ادب ــــ جو انسانی زندگی کو ایک سرکش بھڑکی ہوئی جنس سے تعبیر کرتا ہے ــــ تو اس میں نہ کوئی فن ہے نہ خوب صورتی اور نہ کوئی حقیقت ــــ کیوں کہ بہر حال انسانی زندگی کی حقیقت جنسی اشتعال پذیری نہیں ہے۔

اور ــــ رنگین ادب جو لاشعور کی ہذیان سرائی کو عین انسان بتاتا ہے۔ نہ تو یہ فن ہے نہ خوب صورتی ہے اور نہ ہی حقیقت ــــ بلا دلیل بکواس انسانی حقیقت نہیں بن سکتی۔

ان تمام انحرافات سے گزر کر مغربی فن ایک ہمہ گیر ''لامعقولیت'' بن کر رہ جاتا ہے اور یہی دورِ جدید کے یورپ کی اوج کمال ہے۔

اللہ سے بھٹکی ہوئی انسانیت کے تمام تجربات اپنے دامن میں ہلاکت آفریں نا اُمیدی اور قنوطیت لے کر آئے۔

انسانیت نے اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہٹ کر ہر راستے کو اپنایا اور اس پر چل کر دیکھا۔ لیکن ہر راہ پر انسانیت منہ کے بل گری اور دو قدم بھی گامزن نہ رہ سکی۔

انسانیت نے مادّیت کو بھی آزمایا اور سرمایہ داری اور اشتراکیت کو بھی۔ اس نے فردیت کو بھی تجربہ کیا اور اجتماعیت کی راہ پر بھی چل کر دیکھا۔

لیکن ان میں سے کسی تجربے نے انسانیت کو اطمینان وسکون نہیں بخشا۔ لہٰذا عقلِ انسانی ان تمام تجربات سے بیزار ہو کر زندگی کے ہر پہلو میں لامعقولیت اختیار کرتی چلی گئی۔

جذبات وشعور کی ساری دُنیا ''معقولیت'' سے ''لامعقولیت'' کی طرف گامزن ہے۔
یہ ہے ''جاہلیت جدیدہ'' جو نہ کسی یقین کی طرف رہ نمائی کرتی ہے اور نہ ہی انسانیت کو قلق، حیرت اور بے چینی وشک کے چنگل سے چھڑاتی ہے۔

مغربی فن کے شاہکاروں کا یہ مختصر جائزہ ہے اور یہ فن یونان کی جاہلیت سے چل کر ہر دَور کی جاہلیت سے گزرتا ہوا بیسویں صدی کی جاہلیت تک اس حالت میں پہنچا ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ اس میں جاہلیت کی چمک دمک اور رنگینی بھی ہے۔ لیکن سب بے کار ہے کیوں کہ صحیح خطوط پر استوار نہیں ہے۔

یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ فن اپنے آپ کو جاہلیت سے آزاد کردے اور انحراف سے بچ جائے۔ کیوں کہ فن تو بہر حال زندگی ہی کا عکاس ہوتا ہے اور زندگی پوری طرح جاہلیت زدہ اور انحراف آشنا ہے۔

ہر شے میں بگاڑ

اس جاہلی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا، جس میں بگاڑ نہ پایا جاتا ہو۔ ہم نے جاہلی زندگی کے ہر شعبے کا جائزہ لیا اور اس تفصیلی جائزے سے یہی علم ہوا کہ نفسیات ہو یا اجتماعیات، سیاسیات ہو یا معاشیات، اخلاق ہو یا فن، فکر ہو یا عمل، پوری کی پوری زندگی فساد اور بگاڑ کا شکار ہے۔

ہاں ایک چیز ہے جو اس بھیانک جاہلیت میں لوگوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ یہ خیرہ کُن شے سائنس ہے۔

سائنس نے انسانی زندگی میں لامتناہی اور لاتعداد سہولتیں فراہم کر دیں۔ انسان کے سامنے مستقبل میں پیش آمدہ ترقیات کا دروازہ کھول دیا اور بڑی بڑی تنظیمات پر انسان کو قدرت عطا کر دی۔

سائنس کی ان خیرہ کن ترقیات نے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا اور ایک بہت بڑے جاہلی وہم میں مبتلا کر دیا اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ جب تک سائنس ترقی کرتی رہے گی، انسانی زندگی بھی ٹھیک ٹھیک خطوط پر ترقی کرتی رہے گی۔

یہ ایک جاہلی فریب ہے، جس کی بے شمار مثالیں تاریخ سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہر جاہلیت اپنا تہذیب و تمدّن رکھتی ہے۔ جس کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ تہذیب و تمدّن زندہ ہے۔ اس سے زیادہ ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ـــــ لیکن نتیجہ ہمیشہ یہی ہوا کہ اپنے بنیادی بگاڑ اور انحراف کی بنا پر یہ تہذیبیں اور جاہلیت زوال پذیر ہو گئیں۔

جہاں تک علمی اور سائنسی ترقی کا سوال ہے تو اس جاہلیت کی پیداوار نہیں ہیں۔ علم تو ہمیشہ انسان کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا ہے اور علم کو خیر وشر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ خیر یا شر علم کو اپنے مقاصد میں لگا سکتے ہیں۔

علم کا اصل محرّک تو خود انسان کی ذات ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں علم کی محبت، حصول طاقت کا جذبہ اور کائنات کی قوتوں پر قادر ہونے کی اُمنگ پیدا کی ہے۔

علم کا تعلق انسان کی عقل سے ہے ضمیر سے نہیں ہے اور عقل انسانی زندگی کے سفر میں کسی مرحلہ پر ٹھہر نہیں جاتی، بلکہ انسانیت کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہتی ہے۔ خواہ یہ سفر درست اور صحیح خطوط پر ہو یا غلط اور تاریک راہوں پر۔

غلط یا صحیح تو وہ طریقہ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ علم کو کام میں لایا جاتا ہے اور زندگی کے وہ میدان ہوتے ہیں جہاں علم کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ علم اور جاہلیت دو علیٰحدہ شے ہیں۔ نہ تو علم اس جاہلیت کی پیداوار ہے کہ اس علم کی خاطر جاہلیت کو بھی اپنا لیا جائے اور نہ ہی علم کی رفتارِ ترقی رک سکتی ہے۔ اگر جاہلی نظم کو نکال کر اسلامی نظام برپا کر دیا جائے۔

اس سے قبل تاریخ میں انسانیت اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چل چکی ہے۔ اور اللہ کے راستے پر چلنے کی بنا پر علم کو حیرت انگیز ترقی حاصل ہوئی اور ایک ایسی عظیم الشان علمی تحریک برپا ہوئی، جس نے یورپ کو "تجربی اسکول" سے روشناس کرایا اور یہ وہی علم ہے کہ جس کے خیرہ کن نتائج آج تک ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

علم جاہلیت جدیدہ کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ جاہلیت جدیدہ تو علم کو تباہی کے راستے پر لے گئی ہے۔

علم درحقیقت انسان کی پیداوار ہے، جس کی جڑیں تاریخ میں دور تک پیوست ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کو خزانۂ علم سپرد کرتی رہی۔ حتّٰی کہ دَورِ جدید میں یہ ذخیرہ یورپ کے ہاتھ لگ گیا۔ یورپ نے اس علم کے ذریعہ بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن یورپ انحراف کا شکار ہوا اور اخلاقی فساد اور دنیا کی تباہی کا سبب بنا۔

اگر ہم جاہلیت جدیدہ سے علم کو علیٰحدہ کر لیں تو ایک بھیانک اور تاریک جاہلیت کے سوا کیا باقی رہ جاتا ہے۔

بے شک ـــــ دُنیا میں کچھ بھلائی اور خیر بھی اِدھر اُدھر بکھری پڑی ہے۔ انسانیت کے بارے میں کچھ تحقیقات بھی ہیں۔ سیاسیات، اقتصادیات، اجتماعیت، اخلاق اور فن میں کچھ موشگافیاں بھی ہیں۔

کہیں کہیں معمولی سا انصاف، تھوڑی سی خوبی اور کسی قدر سرمایۂ افتخار، انسان کو حاصل ہوا ہے۔

اور یہ سب سے بڑے عظیم الشان فائدے ہیں ـــــ کیوں کہ جاہلیت کا ہر فائدہ عظیم الشان ہوا کرتا ہے۔

لیکن ـــــ جاہلیت کے اس سارے سرمائے اور ان تمام فائدوں کا پیمانہ یہ نہیں ہے کہ جاہلیت نے جس طرح ان فوائد کو عدسی شیشوں سے بڑا کر کے دکھایا ہے۔ آپ اس پر خوش ہو لیں بلکہ اصل پیمانہ یہ ہے کہ ان تمام خیر کے پہلوؤں کو بالمقابل دیکھا جائے کہ شر کتنا ہے۔ ظلم وطغیان کس درجہ ہے ـــــ ہمیں یہ بات ہرگز نظر انداز نہ کرنی چاہیے کہ ایک معمولی سے خیر کے بدلے ایک بھیانک شر پوری انسانیت کو ہڑپ کر گیا۔

سرمایہ دارانہ آمریت اور پرولتاری آمریت نے انسانیت کو کتنی بڑی ذلت سے ہم کنار کر دیا ہے۔

''سرکش ملکیت'' غیر مالکوں کو غلام بنا رہی ہے۔ اور ملکیت کا بے محابا غصب بھی غیر مالکوں کو غلام بنا رہا ہے۔

بے لگام فردیت معاشرے کی توڑ پھوڑ کر رہی ہے۔ اور اجتماعیت انفرادی تشخص کو کچل رہی ہے۔

اخلاقی گراوٹ کی کوئی انتہا باقی نہیں رہی!

جنسی تعلقات کا فساد اتنا ہمہ گیر ہے کہ وہ نفسِ انسانی اور معاشرے کو محیط ہو گیا ہے اور اس فساد سے جو قلق واضطراب انسانی زندگی میں واقع ہوا وہ ناقابلِ بیان ہے۔

فن کی غلط توجیہہ ـــــ جو نفسِ انسانی کے فساد کا باعث بنی ہوئی ہے ـــــ غرض زندگی کا کوئی گوشہ اور حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو فساد وطغیانی سے خالی نہیں رہا۔ اور دُنیا میں جو رہی سہی بھلائی ہے ـــــ خواہ اسے کتنا ہی بڑا کر کے کیوں نہ دکھایا جائے ـــــ وہ اس عظیم شر کے بالمقابل بالکل بے حقیقت اور ناقابلِ ذکر ہے۔

اس خیر اور بھلائی کی اتنی سی حقیقت ہے کہ ''طاغوت'' انسانیت کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنے کے لیے کچھ بھلائی اور فائدے بخش دیتا ہے، تا کہ اس کی حاکمیت بغیر کسی مزاحمت کے قائم ہو سکے اور لوگ بلا چون وچرا طاغوت کی غلامی کا پھندا اپنی گردنوں میں ڈال لیں۔

ان سب باتوں کے باوجود دنیا پر چھائی ہوئی جاہلیت جدیدہ خطرناک مستقبل سے دوچار ہے۔

خواہ لوگ برضا و رغبت طاغوت کی غلامی میں رہیں یا اس کی غلامی کا جوا اُتار پھینکنے کے لیے جدوجہد کریں — جاہلیت کا مستقبل بہرحال لوگوں کے اختیار سے باہر ہے۔

کچھ اللہ کی بنائی "تقدیر" اور اس کی تخلیق کردہ "جبریتیں" بھی انسانی زندگی میں اپنا عمل کرتی ہیں — اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر اور اللہ کی قائم کردہ جبریت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جاہلیت ہمیشہ باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ کبھی نہ کبھی اس کو ختم ہونا ہے یہ جاہلیت اپنے اندر اور کثیر شر کی موجودگی کی بنا پر ختم ہو جائے گی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب: ۶۲)

"یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

لیکن اللہ کی سنت جو اس جاہلیت کا خاتمہ مقدّر کر چکی ہے وہ یہ نہیں چاہتی کہ اس جاہلیت کے بعد لازمی طور پر "خیر" کی حکومت ہو جائے۔ بلکہ یہ انسانیت کو اختیار دیا گیا ہے کہ طاغوت کے خاتمے پر چاہے تو وہ ہدایت کو اپنا لے اور چاہے کسی دوسرے طاغوت کی حکمرانی تسلیم کرلے۔ جس طرح سرمایہ داری کا طاغوت تباہی کا شکار ہوا، تو فوراً "اشتراکی طاغوت" لوگوں کو اُچک کر لے گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ (الرعد: ۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔"

اس لیے مناسب ہے کہ لوگ اس جاہلیت کے خاتمہ سے پہلے غور و فکر کر کے اپنا راستہ متعیّن کرلیں کہ کیا اس طاغوت کے بعد اپنے آپ کو کسی نئے طاغوت کے سپرد کر دینا ہے یا اس جاہلیت کا کوئی علاج تلاش کرنا ہے۔؟

اور علاج کیا ہو سکتا ہے؟!

اِسلام کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں ہے

برٹرینڈ رسل کہتا ہے:

''سفید فام لوگوں کی قیادت کا دور ختم ہو چکا ہے۔''

یہ کوئی پیشین گوئی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت واقعیہ ہے، جسے ہم عصر فلسفی نے اپنے روشن ذہن کی بنا پر محسوس کر لیا۔ لیکن عام لوگ اس حقیقت کو محسوس نہ کر سکے۔ جب کہ عوام الناس کی پیشوائی کو ''دانشوروں'' کا ایک جمِ غفیر بھی موجود ہے۔

رسل نے بھی اس حقیقت کو پوری طرح محسوس نہیں کیا کہ جاہلیت بذاتِ خود ختم ہونے والی ہے۔ کیوں کہ رسل خود جاہلیت جدیدہ کے زیر سایہ زندگی گزار رہا ہے۔

سفید فام نسل کی تہذیب تنزّل اور انحراف کا شکار ہو چکی ہے۔ چناں چہ اب اس کا خاتمہ بھی قریب ہے۔

لیکن اس تہذیب کے خاتمہ کا لازمی نتیجہ یہ نہیں ہے کہ اس کے بعد نظامِ خیر نافذ ہو جائے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

کسی بھی جاہلیت کا خاتمہ ایک ایسا ''عرصۂ انتقال'' (Transfering Period) یا (Period of Transition) ہوتا ہے جس میں انسانیت کو یہ موقع ملتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اللہ کے بتائے ہوئے جادۂ حق کو اپنا لے، اس پر ایمان لے آئے اور اسی کو راہِ نجات سمجھ کر اپنی زندگی کو نظامِ خیر کا تابع بنا دے۔

اگر انسانیت اس موقع سے فائدہ نہیں اُٹھاتی۔ اور اللہ کے بتائے ہوئے نظام حکم کو قائم کرنے کے لیے پوری جدوجہد نہیں کرتی تو نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ انسانیت ایک جاہلیت سے نکل کر

دوسری جاہلیت کی نذر ہوجاتی ہے اور ایک طاغوت کے پنجے سے نکل کر دوسرے طاغوت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔

البتہ اب کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت راہِ ہدایت اختیار کرلے گی۔ —— کیوں کہ اس جاہلیت جدیدہ میں انسانیت نے ہر اس نظام کو اپنا کر دیکھ لیا، جس کا خیال بھی انسانی ذہن میں آسکتا تھا—— فردیت ہو یا اجتماعیت سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت —— ملکیت ہو یا لاملکیت —— ہر نظام کو برت کر دیکھ لیا ہے۔

انسان نے اکل وشُرب، لباس، رہائش اور جنسی لذّت کا بھی تجربہ کرلیا۔

انسانیت اپنے تراشیدہ ہر ''الٰہ'' پر ایمان لاچکی ہے۔

خود ''انسان'' نے بھی الٰہ بن کر دیکھ لیا۔

لیکن ہر تجربہ انسانی زندگی میں حیرت، بدبختی اور اضطراب کی زیادتی کا باعث بنا۔

پھر بھی راستے صرف دو ہی ہیں ——

اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم —— یا ——

ہمہ گیر تباہی!!

ہم انسانیت کے مستقبل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کررہے ہیں:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ط

(النمل:۶۵)

''آپ کہہ دیجیے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین یعنی عالمِ وجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔''

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ط (لقمان:۳۴)

''کوئی متنفّس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرنے والا ہے۔''

بلکہ —— ہم صرف اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ''سنت'' بیان کررہے ہیں ——

سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا o

(الاحزاب:۶۲)

''یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملہ میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

اور جاہلیتِ جدیدہ میں جن تلخ تجربات سے انسانیت گزری ہے۔ اس کے پیشِ نظر سنت اللہ بتلاتی ہے — کہ دو ہی راستے ہیں — یا — ہدایت یا ہمہ گیر ہلاکت...

جاہلیت اس وقت تک اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس میں خیر کا کوئی پہلو باقی رہے اور جب شر خیر پر غالب آ جاتا ہے اور خیر و بھلائی مٹ جاتی ہے تو پھر اللہ کی سنت حالات میں ایک نیا تغیر اور ایک نئی تبدیلی لے آتی ہے — لیکن اس تغیر و تبدیلی میں انسان کی کوشش ہی کام آتی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ط (الرعد:۱۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔''

اللہ کی سنت — یا تو روئے زمین کو اس کی پوری سرکشیوں کے ساتھ زمین میں دفن کر دیتی ہے — یا —

لوگ اللہ کی ہدایت قبول کر لیتے ہیں — اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگتے ہیں۔

اب ہم تاریخِ انسانی کے اس مرحلہ پر آ گئے ہیں، جہاں اللہ کی منشا کو حرکت میں آنا چاہیے کیوں کہ دُنیا میں طاغوت کی سرکشیاں حد سے گزر چکی ہیں اور خیر کا اثر بالکل زائل ہو چکا ہے۔ اور خیر اس قابل نہیں رہی کہ طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کر سکے۔

اب انسانیت کو اختیار ہے — یا —

تو اللہ کے راستے سے دور رہتے ہوئے ہمہ گیر تباہی کا شکار ہو جائے — یا — اللہ کی ہدایت کو اپنا کر سکون و اطمینان حاصل کر لے۔

ہمیں انسانیت سے بھی اور اللہ کی تقدیر سے بھی حُسنِ ظن ہے۔ کیوں کہ ہم نہیں خیال کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تباہی مقدّر فرما دی ہو گی اس لیے اب اسلام کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں ہے۔

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ (آل عمران:۱۹)

’’بے شک دین حق اور مقبول اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔‘‘

انسانیت کو جاہلیت، ضلالت، شقاوت، حیرت، قلق و اضطراب اور زندگی و افکار کی پراگندگی سے سوائے اسلام کے اور کوئی نظام نجات نہیں دلا سکتا۔

تاریخ میں جب بھی کسی نظام نے انسانیت کو جاہلیت سے نجات دلائی ہے وہ اسلام ہی نے دلائی ہے۔

وہ اسلام جس کو نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ لے کر آئے۔

اور اللہ کے آخری دین میں یہ اسلام مکمل ہو گیا:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ (المائدہ:۳)

’’آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔‘‘

یہی اسلام اپنی آخری اور مکمل شکل میں دُنیا کی تمام جاہلیتوں کا واحد علاج ہے اور بالخصوص جاہلیت جدیدہ کا۔

جہاں جہاں جاہلیت نے انحراف کیا ہے۔ اسلام اس کی صحیح شکل دیتا ہے۔ فکر و عمل، سیاسیات، اقتصادیات، اجتماعیات، فکر و فن اور جنسی علائق —— غرض زندگی کے ہر گوشے میں اسلام انسانیت کی صحیح صحیح راہ نمائی اور جاہلی انحراف کی پوری پوری نشان دہی کرتا ہے۔

جاہلیت جدیدہ نے جس طرح انسانیت کو برباد کیا اور انسانی زندگی کے تمام معاملات کو خلل اور انتشار کا شکار بنا دیا۔ اس پر نظر کرنے کے بعد ہم دیکھیں گے کہ اسلام ان تمام معاملات میں کیا راہ نمائی دیتا ہے اور کس طرح انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متوازن بنیادوں پر کھڑا کر کے پوری انسانیت کو استقامت عطا کرتا ہے کہ کلّیات اور جزئیات سب اپنی اپنی جگہ صحیح اور مناسب نظر آتے ہیں۔

اللہ، کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں جاہلیت کے جس قدر تصوّرات ہیں سب انحراف کا شکار ہیں۔

اور جاہلیت کے اسی فکری انحراف کی بنا پر اس کی سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور فن۔غرض عملی زندگی کا ہر پہلو انحراف پذیر ہو گیا۔

ہم دیکھیں گے کہ جس وقت انسانی فکر مستقیم ہو گی، یہ تمام امور خود بہ خود درست ہوں گے۔ کیوں کہ عمل فکر ہی سے اُبھرتا ہے۔ اگر فکر مستقیم ہو گی تو عمل بھی مستقیم ہو گا اور اگر فکر منحرف ہو گی تو عمل بھی انحراف سے دوچار ہو گا۔

تاریخ میں ایک مرتبہ انسانی فکر مستقیم ہو چکی ہے۔ جس وقت رسول اللہ (ﷺ) نے امتِ مسلمہ کو اسی فکر مستقیم پر تربیت دی تھی۔ جس امت مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران:۱۱۰)

”تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔“

جب امتِ مسلمہ کی فکر مستقیم ہو گئی اور تصوّر اللہ کی ہدایت کے مطابق درست ہو گیا تو زندگی کے تمام معاملات صحیح بنیادوں پر استوار ہو گئے اور تاریخ کی ایک عظیم نشاۃ برپا ہو گئی۔ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ اس جماعت نے ساری دنیا میں اللہ کی ہدایت کی روشنی پھیلائی۔

باوجودیکہ کچھ وقت گزرنے کے بعد مسلمان بھی صراطِ مستقیم سے کسی قدر منحرف ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ تمام دُنیا کے لیے روشنی کا مینار بنے رہے۔ لوگوں کو تعلیم دیتے رہے اور راہِ راست کی طرف بلاتے رہے۔

جب مسلمانوں میں اپنے اندر کمزوریاں رونما ہو گئیں۔ اور اُن کی قومی حرکت رُک گئی تو جاہلیت جدیدہ نے اُنہیں اُچک لیا اور مسلمان اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطانی راستوں پر چل پڑے۔[1]

بہر کیف موجودہ دَور میں مسلمانوں کی کیسی بھی گئی گزری حالت کیوں نہ ہو گئی ہے

---

(۱) دیکھیے کتاب ”هَلْ نَحْنُ مُسْلِمُوْنَ“

اسلام ان مسلمانوں کے ساتھ مقید نہیں اور نہ ان کی رکاوٹ اسلام کے راستے کی رُکاوٹ بن سکتا ہے۔

اسلام پوری انسانیت کے لیے اللہ کا نور ہے اور اس کے دروازے ہر بنی نوع انسان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا (سبا:۲۸)

''اور اے نبی! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (الانبیاء:۱۰۷)

''اور اے نبیؐ! ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت کے طور پر۔''

جاہلیتِ جدیدہ میں جس قدر بھی انحرافات ہیں۔ اسلام ان کو درست اور مستقیم کرتا ہے۔

جاہلیت کا عظیم ترین انحراف جس سے فکر و عمل کے تمام انحرافات رونما ہوئے، اور انسانیت شقاوت و بدبختی کا شکار ہوئی وہ اللہ کی حقیقت کو نہ پہچاننا ہے۔ اسی سے اللہ کی عبادت میں بھی انحراف پیدا ہوا۔

اسلام بعینہٖ اسی نقطہ سے اصلاح شروع کرتا ہے۔

قرآن نے پورے تیرہ سال ''الوہیت'' اور اعتقاد کے مسئلہ پر صرف کیے ہیں۔

وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ عرب بُت پرستی میں بُری طرح ملوّث تھے بلکہ بُنیادی اور اہم سبب یہ تھا کہ دراصل عقیدہ ہی انسانی زندگی کا محور گردش ہے۔ جب تک عقیدہ درست نہ ہو انسانی زندگی مستقیم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ ایک غلط عقیدہ پر انسانیت کی جو بھی عمارت اُٹھائی جائے گی وہ کچھ وقت بعد اپنی بنیادوں پر آ رہے گی۔

جاہلیت جدیدہ اس حقیقت کا پورا پورا مصداق ہے۔ ہم صاف دیکھ رہے ہیں کہ پوری انسانی زندگی میں صرف اس لیے بگاڑ رونما ہوا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں الوہیت کا عقیدہ منحرف ہو گیا۔

اس لیے مکّی قرآن نے لوگوں سے سوائے ''عقیدۂ الوہیت'' کے اور کوئی بات ہی نہ کہی۔

پھر جب اسلامی معاشرہ تشکیل پذیر ہو گیا اور مدینہ منوّرہ میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو قرآن عبادات اور معاملات سے متعلق قوانین لے کر آیا۔ —— اور امت کو وہ ذمّے داریاں سونپی گئیں، جن کو لے کر اسے انسانیت کے سامنے آنا تھا۔

لیکن اِن قوانین وتشریح سازی کے وقت بھی عقیدہ بہر حال ساتھ رہا۔ بلکہ عقیدہ ہی تمام تشریحات کی واحد بُنیاد بنا رہا۔(۱)

اسلام نے ''الوہیت'' اور ''عقیدہ'' کے بارے میں ایک واضح نظریہ دیا ہے —— اور وہ یہ ہے کہ ——

''اللہ ہی خالق ہے۔ اللہ ہی مدبرِ کائنات ہے، اللہ ہی رازق ہے، اللہ ہی مالک ہے، اللہ ہی غالب ہے اور اللہ ہی معبود ہے۔''

یہ عقیدہ نہایت ہی سادہ، حددرجہ آسان اور غیر معمولی طور پر واضح ہے۔ نہ فطرتِ الوہیت میں کوئی پیچیدگی ہے اور نہ اعتقاد میں کوئی الجھن۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پوری کائنات زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے —— نہ اس کے سوا کوئی خالق ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی مالک ہے اور نہ اس کے سوا کوئی مدبّر کائنات ہے ملک، خلق، رزق اور تدبیر کائنات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہوسکتا۔

یہی سادہ، آسان اور واضح عقیدہ ہے، جس پر پورے اسلام کی عمارت قائم ہے۔ اسی پر اُمتِ مسلمہ گامزن رہی اور یہی تاریخِ اسلام کا خاص امتیاز ہے۔

الوہیت کے مندرجہ بالا اسلامی عقیدے کو ماننے پر لازمی طور پر یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ زمین وآسمان میں ہر جگہ عبودیت صرف اللہ ہی کی ہو۔

یہ بھی اپنی جگہ پر ایک آسان، سادہ اور واضح قضیہ ہے کہ جب خالق صرف اللہ ہے۔ جب مالک صرف اللہ ہے۔ جب رازق صرف اللہ ہے اور جب کائنات پر حکمراں صرف اللہ ہے۔ تو پھر اللہ کو چھوڑ کر کون ہے، جس کی مخلوق عبادت کرے اور اس کے سامنے سر جھکائے؟

کون ہے اللہ کے سوا عبادت کے لائق۔؟

کیا انسان ہے؟

کیا انسان کو اللہ نے نہیں پیدا کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہی اس انسان کو قوت وطاقت عطا نہیں کی اور اس کے لیے زمین وآسمان کو مسخّر نہیں کر دیا؟ کیا انسان نے زمین وآسمان کو پیدا کیا

(۱) ''فی ظلال القرآن'' میں مائدہ، انعام اور اعراف کی تفسیر دیکھیے۔

ہے؟ کیا کائنات کے قوانین انسان کے وضع کردہ ہیں۔ کیا انسان ان قوانین میں سرِ مو کوئی تبدیلی پیدا کرسکتا ہے؟

کیا انسان مادّہ کے خواص بدل کر اسے دوسرے خواص دے سکتا ہے؟

اگر نہیں —— تو اللہ کو چھوڑ کر انسان کیوں ''الٰہ'' بن بیٹھا؟

یا اللہ کی عبودیت میں انسان کیوں شرکت کا دعوے دار ہو گیا؟

اگر انسان الٰہ اور معبود نہیں —— تو کیا ''جبریات'' الٰہ ہیں؟''

ان قوانین میں ''جبریت'' کس کی پیدا کردہ ہے؟ کیا کائنات میں اور انسانوں میں اللہ کی تقدیر نافذ العمل نہیں ہے؟ —— اللہ کی تقدیر میں اسی قدر جبریت ہے، جس قدر اللہ چاہے —— تو اللہ کو چھوڑ کر ''جبریتیں'' کیوں الٰہ بن گئیں —— یا جبریتیں اللہ کی عبودیت میں کیوں شریک ہو گئیں؟——

اللہ کے سوا کون ہے، جس کے سامنے مخلوق عبادت کے لیے سر جھکائے۔؟

عبودیت کا لازمی تقاضا ہے کہ ''حاکمیتِ اعلیٰ'' بھی صرف اللہ کی ہو —— اور لوگ اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔

یہی وہ مسئلہ ہے جس سے تاریخ کی ہر جاہلیت کو اختلاف رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ جاہلیتیں جو اللہ کو پہچانتی تھیں۔ وہ جاہلیتیں بھی جو اللہ کی عبادت کرتی تھیں اور وہ جاہلیتیں بھی جن کا خیال تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کا پورا حق ادا کر رہی ہیں۔

—— ان سب جاہلیتوں نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ اور ہر جاہلیت اس وہم میں مبتلا رہی کہ اللہ کی عبادت ایک علیٰحدہ مسئلہ ہے اور اللہ کی حاکمیت کا اقرار اور اس کے بتائے قانون کا اپنی زندگی میں نفاذ یہ ایک دوسرا اور غیر متعلق مسئلہ ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام:۹۱)

''اوران لوگوں نے جیسی اللہ کی قدر پہچاننا واجب تھی، ویسی قدر نہ پہچانی۔''

بھلا بتائیے، یہ اللہ کی عبادت کی کون سی شکل ہے۔ جب کہ آپ کا نظامِ زندگی غیر اللہ کے ہاتھوں میں ہو۔

یہ تو جب ممکن تھا جب اللہ تعالیٰ انسانیت کو کوئی قانون دینے کے بجائے فرما دیتا کہ

اپنے لیے تم خود قانون سازی کرلو ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف لوگوں کو قانون عطا فرمایا۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میرے لیے قانون کی اتباع کرو۔

وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَo

(المائدہ:۴۴)

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے۔ سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔''

وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَo

(المائدہ:۴۵)

''اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔''

وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَo

(المائدہ:۴۷)

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل فاسق ہیں۔''

وَ اَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلاَ تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ ط

(المائدہ:۴۹)

''اور ہم مکرّر حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجیے اور ان کی خواہش پر عمل درآمد نہ کیجیے اور ان کی اس بات سے احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھلا دیں۔''

اب بتائیے انسانوں کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ غیر اللہ کو اپنی زندگیوں کا حاکم بنائیں۔

قرآن کریم میں جتنی بھی سورتیں ''تشریع'' سے متعلق ہیں۔ ان سب میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ ''حاکمیت اعلیٰ'' صرف اللہ کے لیے ہے اور جس ذات کو الوہیت

حاصل ہے وہ ہی شارع بھی ہے۔ اللہ ہی الٰہ ہے اور اللہ ہی صاحبِ شریعت ہے۔ اگر آپ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں تنہا اور لاشریک ہے۔ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ ''حاکمیت'' میں بھی منفرد ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کے ساتھ ساتھ اپنی حاکمیت کا بھی دعوے دار ہو۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا شریک بنا کر مشرک بن گیا اور جو لوگ اس کی اتباع کریں گے وہ بھی مشرک ہوں گے۔(۱)

جاہلیت کی عظیم ترین گمراہی یہ ہے کہ اس نے شریعت کو عقیدہ سے اور حاکمیت کو الوہیت سے علیحدہ کر دیا۔ یہی بنیادی گمراہی ہے جس کے نتیجے میں پوری انسانیت سرکشیوں میں مبتلا ہے اور فی الواقع اس گمراہی کا یہی نتیجہ ہوتا بھی ہے۔

جب کوئی غیر اللہ انسانوں کے لیے قانون سازی کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو 'الٰہ' بنا لیتا ہے۔ حلال و حرام اس کے اختیار میں آجاتے ہیں۔ تو وہ ''طاغوت'' بن جاتا ہے۔ کیوں کہ اللہ کے حکم کے سوا ہر حکم ''طاغوت'' ہے اور خواہشِ نفس کی پیروی ہے —— خواہ یہ ''طاغوت'' فرد ہو یا جماعت یا امّت حاکمہ۔

جاہلیت جدیدہ میں انسانوں کی حاکمیت ''طاغوت'' کو مل گئی اور انسانوں نے اسے قانون سازی کے اختیارات دے کر طاغوت کے سامنے اپنا سر ذلّت سے جھکا دیا۔—— اور طاغوت کو لوگوں پر جبر اور سرکشی کا موقع مل گیا۔

''جمہوریت'' ہو یا ''آمریت'' ہر نظام طاغوت ہے اور ہر ایک کے نتائج یکساں ہیں۔(۲)

اسلام الوہیت اور حاکمیت کے بارے میں صحیح صحیح تصوّر دیتا ہے اور تصور کو وسیع کر کے کائنات، زندگی اور انسانیت پر پھیلا دیتا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ کائنات الٰہ نہیں ہے اور نہ ہی کائنات بلا تدبیر و مقصد مخلوق ہے۔

نہ کائنات کی عبادت کی جا سکتی ہے اور نہ کائنات میں کسی ''جبریت'' کا نظریہ قابل تسلیم ہے۔ کائنات کا وجود اور اس وجود کی ساری جبریت صرف اللہ کی ذات ہے۔

اللہ نے کائنات کو پیدا کیا ہے اس لیے کائنات اللہ کی عبادت کرتی ہے۔ اس طرح کہ اللہ کی مقرر کردہ سنت اور ہدایت پر چلتی رہتی ہے۔

---

(۱) فی ظلال القرآن جلد ۶-۸

(۲) گزشتہ باب ''سیاست کا فساد'' ملاحظہ فرمائیے۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ○ (حٰمٓ السجدہ:۱۱)

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا وجود میں آجاؤ۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو دونوں نے کہا ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح۔''

پھر کائنات کو اللہ تعالیٰ نے خوامخواہ ہی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کو ''حق'' کے ساتھ پیدا کیا ہے:

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (الروم:۸)

''اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں۔ کسی حکمت ہی سے پیدا کیا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ○ (الدخان:۳۸)

''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔''

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ (آل عمران:۱۹۰،۱۹۱)

''بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آجانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے جن کی یہ حالت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی نہیں پیدا کیا۔ ہم آپ کو منزّہ سمجھتے ہیں۔''

انسان صرف اپنی عقل سے اس ''حق'' کا ادراک نہیں کرسکتا۔ جس ''حق'' پر زمین و

آسمان کی تخلیق ہوئی۔ اور نہ ہی انسانی عقل کائنات کی لامتناہی وسعتوں کا احاطہ کرسکتی ہے۔

جہاں ادراکِ عقلی انسان کو لے جانے سے عاجز ہے وہاں اللہ سے ہدایت یافتہ روح لے جاسکتی ہے کیوں کہ روح اور کائنات آپس میں اس زندۂ جاوید احساس میں شریک ہیں کہ دونوں ہی اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔ دونوں ہی اپنے خالق کی طرف متوجّہ ہیں، اور دونوں کے وجود کا منبع صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس لیے روح اس امر کا ادراک کرسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو کس طرح ''حق'' پر پیدا کیا ہے۔ زمینوں اور آسمانوں میں اس حق کی گہرائیاں اور کائنات میں اس ''حق'' کی وسعتیں کس قدر ہیں۔

پھر جس قدر انسان کی معلومات بڑھتی جاتی ہیں وہ کائنات کی وسعتوں کا مزید اندازہ کرتا جاتا ہے۔ لیکن یہ معلومات اس ''عظیم حق'' کے احاطہ سے قاصر ہیں۔ کیوں کہ یہ معلومات ظاہر اشیاء سے متعلق ہیں۔ اس ''حقِ عظیم'' کا جس پر اللہ تعالیٰ نے کائناتِ زندگی اور انسان کو پیدا کیا ہے۔ روح ہی اندازہ کرسکتی ہے نہ کہ عقلِ انسانی۔

تخلیقِ حیات بھی عبث اور بے کار نہیں ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝

(المومنون:۱۱۵)

''ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل خالی از حکمت پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے۔''

اسلام زندگی کے مسائل کو علیحدہ علیحدہ زیر بحث نہیں لاتا۔ بلکہ زندگی کو مکمل شکل میں سامنے رکھتا ہے اور بتلاتا ہے کہ دُنیاوی زندگی ہی صرف زندگی نہیں ہے۔ بلکہ دُنیاوی زندگی تو مقدّمہ اور پیش خیمہ ہے۔ ایک اصل اور اہم زندگی کا اور اُخروی زندگی کا نتیجہ ہے پہلی زندگی کا۔ اور وہی حقیقی زندگی ہے:

وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۝

(العنکبوت:۶۴)

''اور اصل زندگی عالمِ آخرت ہے۔ اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔''

دُنیاوی زندگی دارالعمل ہے اور اُخروی زندگی دارالجزا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاo

(الکہف:۷)

''ہم نے زمین پر کئی چیزوں کو اس کے لیے باعثِ رونق بنایا۔ تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔''

وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَo (الانبیاء:۳۵)

''اور ہم تم کو بُری بھلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں اور پھر اس زندگی کے ختم پر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے۔''

اَلَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ

(الملک:۲)

''جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔''

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَo (الجاثیہ:۲۲)

''اللہ نے تو آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس لیے کیا ہے کہ ہر متنفّس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔ لوگوں پر ظلم ہرگز نہ کیا جائے گا۔''

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

(آل عمران:۱۸۵)

''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور تم کو پوری پاداش قیامت کے روز ہی ملے گی۔''

یہ ہے اسلام کی پیش کردہ زندگی کا مکمل تصوّر جس پر قلبِ انسانی مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جب انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی زندگی تمام کچھ نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی زندگی ہے تو ایک طرف تو وہ زندگی کی لذّتوں پر مجنونانہ نہیں لپکتا۔ جیسا کہ انسان کے ذہن میں اگر یہ تصوّر ہو کہ یہی زندگی ہے جو کچھ ہے۔ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور جو کچھ لوٹا جا سکے وہ لوٹ لیا جائے۔

دوسری جانب انسان، اسلام کے دوحیاتی نظریہ کی بنا پر قنوطیت اور محرومیت کا شکار ہونے سے بچ جاتا ہے — کیوں کہ انسان جب دُنیا کے مظالم اور بگاڑ دیکھتا ہے۔ دنیا کی بے چینی اور عذاب کا مزہ چکھتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے۔ اب حالات کی قطعاً کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی، نہ ان مظالم کا کوئی صلہ ہوسکتا ہے اور نہ اس بدبختی سے کوئی راہِ فرار ہے۔ تو انسان بجائے اس کے کہ ان حالات کا مقابلہ کرے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور خود قنوطیت ومحرومیت کا شکار ہوجاتا ہے۔

اسلام کے دوحیاتی نظریہ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسانی ضمیر تباہ نہیں ہوتا۔ حق وانصاف پر سے اس کا ایمان ختم نہیں ہوتا — اور نہ ہی اس کے عمل اور اخلاق بگاڑ کا شکار ہوتے ہیں — اور اگر انسان اِس نظریہ کو نہ مانے تو ظلم کرتا ہے اور ظلم سہتا ہے۔ حصولِ مقصد کے لیے ہر ذریعہ اختیار کرتا ہے۔ جب کہ نہ ذریعہ پاکیزہ ہوتا ہے اور نہ مقصد۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ انسان اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اور اللہ سے پاک وصاف ملاقات کے لیے اپنے تمام اعمال میں پاکیزگی برتتا ہے۔

اسی لیے اسلام آخرت کے ذکر پر زور دیتا ہے۔ اور آخرت کے مناظر بیان کرتا ہے اور اُخروی زندگی کا دُنیاوی زندگی سے رابطہ بتاتا ہے — اور یہ کہ دُنیا ہی اُخروی زندگی کا ایک واحد ذریعہ ہے اور آخرت میں صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے دُنیاوی زندگی کو صحیح اور درست بنیادوں پر قائم کرنا پڑے گا۔

اسلام انسان کو ایک انوکھی اور بدیع شکل میں پیش کرتا ہے۔

انسان نہ الٰہ ہے اور نہ حیوان وشیطان ہے۔ انسان صرف انسان ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں ممتاز وبلند مرتبہ اور اپنا خلیفہ بنا کر پیدا فرمایا ہے۔

جاہلیت انسان کے بارے میں بڑی سرگرداں رہی ہے کہ کبھی اسے الٰہ بنایا اور کبھی اسے حیوان ہی بناڈالا اور کبھی اسے جبریتوں کے الٰہ کے سامنے عبدِ ذلیل بنا کر رکھ دیا۔

مگر اسلام انسان کو صحیح صحیح مقام عطا کرتا ہے۔ نہ اس میں کوئی انحراف اور نہ کوئی جادۂ حق سے روگردانی۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

(البقرہ:۳۰)

''اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب۔''

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍo فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَo

(صٓ:۷۰،۷۱)

''جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا۔ میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔''

وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًاo ع

(الاسریٰ:۷۰)

''یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

وَ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ج (التغابن:۳)

''اور تمہارا نقشہ بنایا سو عمدہ نقشہ بنایا۔''

اسلام انسان کو گندگیوں میں غوطے نہیں دیتا۔ جیسا کہ جاہلیت جدیدہ نے دیئے ہیں۔ البتہ اسلام نے انسان کی پیدائش کی حقارت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ ڈارون نے بھی کیا ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍo ج

(الحجر:۲۶)

''ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا۔''

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ (المرسلات:۲۰)

''کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بنایا۔''

انسان کے ابتدائے آفرینش میں ''سڑی ہوئی مٹی'' اور ''گندے پانی'' سے حقیر اور کمتر کیا شے ہو سکتی ہے۔

لیکن وحی الٰہی جب انسان کی ابتدائے تخلیق کا تذکرہ کرتی ہے تو اس کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ وہ انسان کی کمتری اور پستی کو نمایاں اور کارزارِ حیات میں اسے سرگرداں ثابت کرے۔ جیسا کہ ڈارونیت نے حیوانی تعبیرات انسان پر چسپاں کر کے کیا ہے، بلکہ وحیِ الٰہی تخلیقی مراحل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے دوسرے حقائق پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔

وحیِ الٰہی بتاتی ہے کہ انسان صاحبِ فضیلت اور حسنِ صورت والا اور زمین میں اللہ کا نائب وخلیفہ ہے۔

وحیِ الٰہی کی اس توجیہ سے دو امور سامنے آتے ہیں۔

اللہ کی عظمت ــــ اور ــــ انسان کی سربلندی۔

یہی دو حقیقتیں انسان کو اللہ سے وابستہ رکھتی ہیں اور اس کو اس قابل بناتی ہیں کہ وہ اللہ کی خلافت کے بلند مرتبے کو حاصل کر سکے ــــ اور ساتھ ہی انسان غرور وسرکشی سے بھی بچ جاتا ہے۔

اسلام کی نظر میں انسان مٹی اور روح کی ملی جلی طبیعت کا نام ہے۔ مٹی اور روحِ الٰہی کا امتزاج کبھی نہ ختم ہونے والا ــــ اور یہ رشتہ کبھی نہ ٹوٹنے والا ہے۔

اسلام کی نظر میں انسان صرف مٹی بھی نہیں ہے کہ جمادات وحیوانات سے جا ملے اور صرف روح بھی نہیں ہے کہ اس کو الٰہ بنا لیا جائے۔

درحقیقت مٹی اور روح کا یہ امتزاج ہی انسان کو تمام مخلوقات میں ممتاز کیے ہوئے ہیں:

وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (الشمس:۷-۱۰)

''اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو دوست بنایا۔ پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں باتوں کا اس کو القاء کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے گندہ کیا۔''

وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ (البلد:۱۰)

''اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتلا دیئے۔''

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○ (الدھر:۳)

''ہم نے اسے بھلائی اور برائی کا راستہ بتلا دیا تو وہ شکر گزار مومن ہو گیا یا ناشکرا اور کافر ہو گیا۔''

انسان کی اسی خاکی اور روحی امتزاج کی خاصیت میں ابتلاء اور جزاء کا راز پنہاں ہے۔ کیوں کہ انسان پستی بھی اختیار کر سکتا ہے اور بلندی بھی اپنا سکتا ہے۔ اس لیے اس کو اس دُنیا میں عمل کے لیے چھوڑا گیا تا کہ آخرت میں اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

پھر انسان ایسی ہستی ہے، جسے عالمِ بالا سے کچھ مزید خصوصیات بھی عطا فرمائی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا تو اس کے لیے کچھ سامان بھی اسے بخشا۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:۳۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھلا دیئے۔''

وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ (النحل:۷۸)

''اس نے تمہیں کان دیئے آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے۔''

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ (الاحزاب:۷۲)

''ہم نے اس امانت کو آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اُٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اُٹھا لیا۔''

ان عطیّات کے ساتھ انسان زمین کی آبادی کے لیے بھیجا گیا۔ اور اللہ کا خلیفہ بنایا گیا اور اس ''امانت'' کے لائق سمجھا گیا۔

ان تمام امور کا تقاضا ہے کہ انسان زمین پر ایک فعّال عنصر کی حیثیت سے سرگرمِ عمل رہے۔ ''جبریتوں'' کے سامنے مہمل و محکوم بن کر نہ رہ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی تقدیر بھی اپنے نفاذ کے لیے انسان کی حرکت و عمل کو ہی ذریعہ بناتی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ط (الرعد:۱۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔''

وَ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُمْ بِبَعْضٍ لا لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ

(البقرہ:۲۵۱)

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعضوں کے ذریعے دفع کرتے رہا کرتے تو زمین فساد سے پُر ہو جاتی۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات انسان کے لیے مسخر کردی اور کائنات کے بالمقابل انسان کو ہی فعّال قرار دیا گیا:

وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ ط

(الجاثیہ:۱۳)

''اس نے زمین و آسمان کی ساری چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس سے۔''

نظریۂ اسلامی جب انسان کو اس مقام بلند پر پہنچا دیتا ہے تو انسان خدا کا دشمن بن کر نہیں رہتا کہ اس سے مقابلہ کرے اور ناراض رہے بلکہ اس مرتبہ پر پہنچ کر انسان خدا سے ڈرتا ہے اور اس کو محبوب رکھتا ہے۔

انسان پر اللہ کی یہ نعمتیں اس سے شکر و عرفان کی طالب ہیں۔ کیوں کہ یہ خصوصیات انسان کی پیدا کردہ نہیں ہیں۔ نہ انسان نے اپنے اختیار سے خلافت الٰہی کا خلعت زیب تن کیا ہے اور نہ ہی وہ اپنا خالق آپ ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو انسان کو پیدا ہی نہ کرتا یا اس کو یہ تمام صلاحیتیں اور نعمتیں نہ عطا فرماتا۔ اب ان نعمتوں کا بدلہ وہ دشمنی اور کش مکش نہیں ہے جیسا کہ یونانی جاہلیت میں دیوتاؤں اور انسان کے درمیان تعلق تھا اور جس کا گہرا سایہ بیسویں صدی کی جاہلیت پر بھی پڑا ہے اور اس جاہلیت میں اللہ اور انسان کا تعلق بگڑ گیا۔!

اسلام کی نظر میں انسان ایک مربوط اور غیر منقسم ہستی ہے۔اس کے اجزائے خاکی اور اجزائے روحی میں انفصال نہیں ہے۔نہ انسان صرف جسم خاکی ہے اور نہ روح خالص ہے! نہ اس کے فکر و عمل میں فرق ہے، نہ عمل و اخلاق میں، نہ مثال واقعہ میں کوئی تضاد ہے۔نہ کوئی عقیدہ و شریعت اور دُنیا و آخرت میں۔

یہ سارا ایک ہی مزاج ہے اور سب مل کر ایک وحدت ہے۔!
جسم و روح مل کر ایک وحدت ہے۔
فکر و سلوک ایک وحدت ہے۔
عمل و اخلاق ایک وحدت ہے۔اور —— عقیدہ و شریعت مل کر ایک ہی دین ہے۔اور۔
دنیا و آخرت انسانی زندگی کے متکامل حصے ہیں، جن میں کوئی انقطاع اور فصل نہیں ہے۔

انسان ان سب اجزاء کا ایک متوازن مجموعہ ہے۔اس متوازن مجموعہ میں۔
جسم روح پر غالب نہیں ہے۔
واقعیت خیال پر حاوی نہیں ہے۔
انفرادیت پسندی اجتماعیت پسندی پر غالب نہیں ہے۔
سلبیت کو ایجابیت پر ترجیح نہیں ہے۔
دُنیا کو آخرت پر فوقیت نہیں ہے۔
نہ زمین کی جانب کشش اور نہ آسمانوں کی بلندی کا جذبہ!

انسان کے اس متوازن تصوّر سے فرد اور معاشرہ متوازن ہوتے ہیں اور فکر و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے!

اگر اسلام کا پیش کردہ یہ واضح اور روشن تصوّر انسان کے قلب و ضمیر میں رچ بس جائے تو اس کی پوری زندگی مستقیم اور جادۂ حق پر گامزن ہو جائے۔

اسلام کا یہ ''تصورِ انسانی'' محمد بن عبداللہؐ کے نفس میں جاگزیں ہوا۔اور اس امتِ مسلمہ کے دل میں جس کی آپؐ نے اپنے سامنے تربیت کی۔اس سے ایسے معجزات ظاہر ہوئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

سارے قبائل عرب جمع ہوگئے اور امت مسلمہ وجود میں آ گئی۔!

جاہلی نفوس نے اپنے عادات و خصائل، اپنے تصوّرات و نظریات، شہوات ولذّات اور اپنے سب افسانہ ہائے ماضی چھوڑ دیئے اور صحیح راستے پر جم گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے لوگ ہی بدل گئے ہوں یا اسلام میں وہ از سرِ نو پیدا ہوئے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ان کی ایک طرح سے اللہ کی زیرِ پیدائش نو تھی!

یہ اسلامی جماعت کچھ اس نہج پر اُبھری، جس کا پیش رو یا آئندہ کے کسی طریقۂ کار سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

مسلمانوں کے اُبھرنے کا انداز پُرانے عادات و خصائل اور جاہلی طور طریقوں پر نہ تھا اور نہ کوئی ارضی تقاضا اس نشو ونما کا محرّک تھا!

اِس جماعت نے انسان کو ''طاغوت'' کے پنجے سے چھڑایا۔ لیکن اس آزادی کا محرّک دنیوی نہ تھا ـــــ

پھر آخر اسلام کے ان چند ابتدائی سالوں میں کون سا انقلاب آ گیا۔؟

کیا لوگوں کی زندگی میں ـــــ اسلام کے سوا ـــــ کوئی نیا واقعہ رونما ہوا تھا

کیا کوئی ایسا واقعہ تھا جس نے لوگوں کو اس طرف مائل کیا کہ وہ اللہ کے بارے میں اپنے نظریہ میں درستگی پیدا کرلیں ـــــ جب کہ ـــــ اسلام کے علاوہ ـــــ انسانیت اللہ کے تصوّر کے بارے میں بھٹکتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں اللہ کے تصوّر میں انحراف ہے!

ایسا کون سا واقعہ رونما ہوا تھا، جس نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرادیا ـــــ حالاں کہ یہی انسانیت ـــــ اسلام کے علاوہ ـــــ ہمیشہ ایک دوسرے کو غلام بناتی رہی ہے۔ برسرِ اقتدار طبقہ ہمیشہ اپنی ہوائے نفس کے مطابق قانون سازی کرتا رہا اور عوام ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہے اور حکومت وقانون کی بارگاہ میں کھڑے کانپتے رہے ـــــ خواہ نظام سرمایہ دارانہ آمریت کا ہو یا پرولتاری آمریت کا!

وہ کون سی نئی بات تھی، جس نے لوگوں کو شہوات کی غلامی سے چھٹکارا دلا دیا ـــــ حالاں کہ یہی انسانیت ـــــ اسلامی نظام کے علاوہ ـــــ ہمیشہ ہی اپنی شہوتوں کی بندگی کرتی رہی۔

بلکہ جوں جوں انسانیت جادۂ حق سے منحرف ہوتی گئی شہوت کی بندگی میں زیادہ سے زیادہ ملوّث ہوتی گئی!

وہ کون سی نئی تبدیلی تھی، جس نے کائنات میں انسان کو صحیح مقام عطا کیا۔ جب کہ یہی انسانیت ـــــ اسلام کے علاوہ ـــــ ہمیشہ ہی انسان کو صحیح مقام دینے میں غلطاں و پیچاں رہی ہے۔ کبھی کھوکھلے غرور کا شکار ہوکر انسان کو الوہیت سے نوازا گیا اور کبھی اسے انتہائی ذلیل بندگی میں ڈھکیل دیا گیا ـــــ اور جبریتیں اسے مزید گندگیوں میں لتھیڑتی رہیں اور یہ سب کچھ ذلّت و عاجزی و بے کسی انسان نے سلطان باطل کے ہاتھوں برداشت کی!؟

ایسی کون سی تبدیلی آئی تھی جس سے اچانک انسان کا اخلاق درست ہوگیا حالاں کہ انسانیت ـــــ غیر اسلامی نظام میں ـــــ اپنے اخلاق کے باب میں سرگرداں رہی ہے۔ کبھی اخلاق صرف سفید فاموں کے لیے مخصوص ہوگیا اور کبھی اخلاق کی بنیاد ذاتی نفع اندوزی قرار پائی۔!

کیا کوئی ایسی نئی بات پیش آگئی تھی، جس نے فرد کا سماج کے بارے میں اور سماج کا فرد کے بارے میں مؤقف درست کر دیا جب کہ انسانیت ـــــ غیر اسلامی نظام میں ـــــ فردیت اور اجتماعیت دونوں ہی میں انتہا پسند رہی ہے۔ فرد کے بالمقابل سوسائٹی تباہ اور سوسائٹی کے بالمقابل فرد بے کس رہا ہے۔!؟

ایسا کون سا انقلاب تھا جس نے بآن واحد معاشرے کے جنسی علائق کو درست بنیادوں پر قائم کر دیا۔ جب کہ ـــــ انسانیت ـــــ غیر اسلامی معاشرے میں ـــــ ایک ایسی حیوانی بھوک اور جنس کی ایسی آتشِ سوزاں کا شکار رہی ہے، جو اس وقت تک سرد نہ ہوتی تھی۔ جب تک انسان کو جلا کر خاکستر نہ کر دے۔!؟

کس قدر عظیم تبدیلی تھی کہ حاکم ہوائے نفس کے مطابق حکومت کرنے سے باز آگیا ـــــ جب کہ غیر اسلام میں ـــــ انسانیت پر طاغوت ہی حکمراں رہا۔ کبھی جمہوریتوں کے زیر سایہ اور کبھی آمریتوں کے سایے تلے! ـــــ

آخر اسلام کے چند ابتدائی سالوں میں وہ کون سا انقلاب عظیم برپا ہوگیا کہ ہر شے بدل کر رہ گئی؟ ـــــ

صرف یہ کہ فکر مستقیم ہوگئی۔ جس کے نتیجے میں عمل اور زندگی کے ہر گوشے میں استقامت اور درستگی آ گئی۔!

محمد رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو بہ نفس نفیس تربیت دی اور امت نے اپنی عملی زندگی وحی اسلام کے مطابق بنالی!

امت مسلمہ کے عمل میں ایک عجیب قسم کی استقامت تھی!

ان میں انسانی فطری کمزوریاں بھی تھیں اس کے باوجود بھی وہ اس قدر مستقیم تھے جس قدر استقامت بشری میں ممکن ہے۔

امت مسلمہ کے تمام افراد میں ایک عجیب قسم کا ارتباط تھا۔

ان میں انسانی فطری کم زوریاں بھی تھیں۔ کیوں کہ ہر انسان طبعی طور پر اپنے لیے بھلائی چاہتا ہے:

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ؕ (العادیات:۸)

''اور وہ مال کی محبت میں بڑا مضبوط ہے۔''

لیکن اس کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کے لیے اس قدر صاف تھے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن نے صحابہ کرام کی اخوت و محبت کا نقشہ کھینچا ہے:

یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫

(الحشر:۹)

''جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے۔ اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو۔''

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰)

''تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ (التوبہ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

اس جماعت کا شعورِ انسانیت تمام لوگوں کے لیے عام تھا۔!

وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلاَّ تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز (المائدہ:۸)

''اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔''

لاَ يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ

(الممتحنہ:۸)

''اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھر سے نہیں نکالا۔''

وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ (المائدہ:۲)

''اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا تھا۔ وہ تمہارے لیے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ۔''

امت مسلمہ نے ایک ایسا معاشرہ تشکیل کیا، جس میں فرد اور سماج متوازن تھے۔ فرد کا تشخص ممتاز اور ہر زیادتی سے محفوظ تھا۔ اس کا کردار مثبت اور باوقار تھا۔ اسلامی معاشرے میں فرد اس امر کا مکلّف تھا کہ وہ حاکمِ وقت پر اور معاشرے پر نظر رکھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول پر عمل پیرا رہے۔

اسی طرح مربوط معاشرہ تھا جو افراد کی رہ نمائی کرتا۔ ان کے قلب و فکر اسلامی بناتا اور اللہ کی حُرمتوں کی حفاظت کرتا۔

امت مسلمہ نے ایک ایسا اقتصادی نظام برپا کیا جس میں قرض اور غنیمت میں توازن تھا۔ غریب اور امیر ہر فرد کی کفالت تھی بس ایک قوم تھی جس میں ایک دوسرے کا ذمّہ دار اور دوسرا پہلے کا ذمّہ دار تھا۔ سب کارِ خیر میں برابر کے شریک تھے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو مال سمیٹ سمیٹ کر اپنی تجوریاں بھرتا ہو۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ (الحشر:۷)

"تا کہ وہ مال تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجاوے۔"

معاشرے کا کوئی بھی فرد محروم نہ تھا۔ کیوں کہ دولت کا مرکز بیت المال تھا اور بیت المال تمام مسلمانوں کا کفیل تھا!

امت مسلمہ نے ایک ایسا اخلاقی نظام برپا کیا، جس سے زندگی کا کوئی بھی گوشہ خالی نہ رہا۔

سیاست اخلاق پر قائم تھی۔ امت مسلمہ کے داخلی معاملات ہوں یا خارجہ پالیسی تمام کی تمام اخلاقی اصولوں پر استوار تھی۔ وعدہ کا پورا کرنا اور پابند میثاق رہنا ان کی خارجہ پالیسی کے اخلاقی اصول تھے۔!

معاشرے کے آپس کے تعلقات کی بنیاد اخلاق تھی۔

اقتصادیات میں خواہ وہ فرد کا معاملہ ہو یا جماعت کا، پابندئ اخلاق یہاں بھی ملحوظ خاطر تھی۔!

جنسی تعلقات میں اخلاقی نظافت تو تاریخ میں پہلی مرتبہ اسی مسلم جماعت نے پیش کی۔

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کی بنیادیں اتنی مضبوط ہوگئیں کہ اس عمارت کی شکست میں ایک ہزار سال لگ گئے۔ جب کہ دشمنانِ اسلام ہر قسم کے وسائل سے اس عمارت کی شکست و ریخت میں لگے ہوئے تھے۔!

اس قسم کا اسلامی معاشرہ صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ امت مسلمہ جہاں جہاں گئی اللہ کے دین کی بشارت لے کر گئی اور جس جس مقام پر پہنچی اسلام کے قوانین عدل کو نافذ کردیا۔ چناں چہ اُمت مسلمہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گئی اور اتنی تیز رفتاری کے ساتھ کہ آج تک محققین حیران ہیں کہ دُنیا کی کوئی بھی تحریک اتنی تیزی سے نہیں پھیلی جس طرح اسلام پھیلا ہے۔

اس وسیع سرزمین اور متعدّد اقوام کو ملا کر اسلام نے صرف ایک قوم بنا دیا۔!

دُنیا میں بہت سی پادشاہتیں قائم ہوئیں۔ رومی، فارسی، ہندی، چینی اور دور جدید میں

برطانوی اور روسی سلطنتیں ـــــ ان میں سے کوئی بھی سلطنت اسلامی سلطنت میں شامل نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلامی حکومت سلطنت یا پادشاہت نہیں تھی۔!

مندرجہ بالا تمام پادشاہتیں وجود میں بھی آئیں اور ختم بھی ہوگئیں۔لیکن مختلف اقوام کو باوجود لامتناہی کوششوں کے ایک قوم نہ بنا سکیں ـــــ لیکن اسلامی دنیا بغیر کسی دباؤ اور بغیر کسی کوشش کے ایک قوم بن گئی۔اور اس کا سبب بالکل سادہ سا ہے اور وہ یہ کہ دُنیاوی پادشاہتیں اپنی ماتحت اقوام کو اپنا تابع بنانے کی کوششیں کرتی ہیں، جس کی بنا پر یہ اقوام یہ محسوس کرنے لگیں کہ وہ مغلوب ہیں اور اپنا مخصوص رنگ کھو کر غالب قوم میں ضم ہوتی جا رہی ہیں ـــــ لیکن ـــــ

امت مسلمہ تو تمام کی تمام اللہ کے سامنے سرنگوں تھی اسے غالب اور مغلوب کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔اگر اسلام کے خلاف نہ ہوتا تو ہر چھوٹی قوم اپنے مخصوص رنگ کو محفوظ رکھتی اور تمام اقوام کو اللہ کا رشتہ آپس میں ملا دیتا۔ ـــــ اور آج بھی امت مسلمہ میں ایک قوم ہونے کا احساس باقی ہے۔اگرچہ اس احساس کو کچلنے اور امت مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے کی صدہا کوششیں کی جا چکی ہیں اور کی جا رہی ہیں۔!

اسلامی وحدت و اخوّت کے سائے تلے ایک بلند و برتر اسلامی تہذیب صفحۂ ہستی پہ جلوہ گر ہوئی ـــــ اسلام سے پہلے عربوں کے پاس کوئی تہذیبی سرمایہ نہ تھا۔کیوں کہ عربوں کی بادیہ نشینی اور ان کے جغرافیائی، اقتصادی اور علمی حالات نے انہیں اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ کسی وسیع تہذیب کی بنیاد رکھ پاتے۔!

> باوجودیکہ جزیرہ نمائے عرب کو روم اور فارس کی تہذیبوں سے واسطہ پیش آچکا تھا لیکن اسلامی تہذیب اپنے ضمیر اور اپنے مزاج میں اس وقت کی تمام تہذیبوں سے مختلف تھی۔
>
> نہ تو عربوں کے ماضی میں اس کے آثار ملتے ہیں اور نہ ہم عصر تہذیبوں میں اس قسم کا کوئی مواد تھا، جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ یہ مواد اسلامی تہذیب کا حصہ بن گیا۔

بے شک یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے روم اور فارس سے بہت سے تنظیمی ادارے اپنائے، لیکن بنائے تہذیب بہرحال اسلامی تھی۔

پھر بعد میں دوسری تہذیبوں کے اثرات اسلامی تہذیب میں شامل ہوتے رہے۔

حتّٰی کہ مسلمانوں نے مغربی تہذیب کو اپنا لیا۔ جب کہ خود مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کی خوشہ چیں ہے۔

بریولٹ اپنی کتاب ''تعمیرِ انسانیت'' (Making of Humanity) میں لکھتا ہے:

''مغربی تہذیبی ترقی کا گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا رشتہ یقینی طور پر اسلامی تہذیب سے نہ ملتا ہو(۱)''

اسلامی تہذیب کی طرح مسلمانوں کی علمی تحریک بھی تاریخ کی زبردست علمی تحریک تھی۔ علم کی جانب عربوں کی کوئی خاص توجہ نہیں۔ انہیں تو خطابت سے دلچسپی تھی، عربوں میں پڑھنے لکھنے کی دل چسپی اور علمی ذوق صرف اسلام کا پیدا کردہ ہے۔

مسلمانوں نے اپنی پڑوسی اقوام سے علومِ دنیاوی سیکھے۔ یونان، روم، مصر اور ہندستان سے مسلمانوں نے فلکیات، ریاضیات، طب، طبعیات اور کیمیا حاصل کیے۔

لیکن مسلمانوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے اسلامی ہدایت کے زیر سایہ تجربی اسکول کی بنیاد رکھی، جس پر آج یورپ کی تحریک علمی کی بنیاد قائم ہے۔!

بریولٹ مذکورہ بالا کتاب میں کہتا ہے:

''عربی تہذیب (اسلامی تہذیب مراد ہے) نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اس میں علم سب سے زیادہ گراں قدر شے ہے —— باوجودیکہ مغربی تہذیبی ترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کا رشتہ یقینی طور پر اسلامی تہذیب سے نہ ملتا ہو۔ مگر سب سے زیادہ اور سب سے واضح اسلامی اثرات اس طاقت پر مرتسم نظر آتے ہیں۔ جس نے جدید دنیا کو ایک ممتاز قوت سے نوازا ہے اور جس میں موجودہ ترقی کا راز پنہاں ہے —— یعنی علوم طبیعیہ —— اور —— علمی بحث کی روح ——''

''ہمارا علم عربوں کا اس طرح مقروض نہیں ہے۔ (مسلمان مراد ہیں) کہ انھوں نے کچھ نئے نظریات کے لیے راہیں کھول دیں، بلکہ ہمارا سارا علم عربی تہذیب کا مقروض ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہمارے علم کا وجود ہی عربی تہذیب سے وابستہ ہے، کیوں کہ قدیم دنیا میں تو علم کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یونان کے پاس نجوم اور ریاضی بھی باہر سے درآمدہ علوم تھے، جو کسی دَور میں یونانی ثقافت کا جزو نہ بن سکے۔!''

---

(۱) ''تجدید الفکر الدینی فی الاسلام'' (ڈاکٹر محمد اقبال)

''یونانیوں نے مختلف مدارس فکر بنائے۔ احکام کو عمومیت دی اور نظریات متعین کیے
لیکن بحث کے سنجیدہ انداز، ایجابی معلوم کی جمع، علم کے تفصیلی مناہج کا بیان، باریک بینی
اور تجربی بحث —— یہ تمام امور یونانی مزاج سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتے۔

جسے علم کہتے ہیں۔ وہ تو یورپ میں نئی روح بحث، استقصاء کے جدید طریقوں ——
تجربہ —— ملاحظہ مقناطیس —— اور ریاضیات کے ترقی پانے کے بعد وجود میں آیا
ہے۔ یہ روح اور علمی طرزِ فکر عربوں (مسلمانوں) کے ذریعے یورپ تک پہنچے ہیں(۱)''

وریبر امریکی اپنی کتاب ''مذہب وسائنس کی کش مکش'' میں لکھتا ہے:

''مسلمان علماء نے یہ ثابت کر دیا کہ عقلی و نظری اسلوب ترقی کا ضامن نہیں ہے۔
تلاشِ حقیقت کے لیے بذاتِ خود حوادث کا مطالعہ ضروری ہے —— اس لیے
مسلمانوں کا طریقۂ کار 'تجربی اسلوب' رہا ہے۔''

مسلمانوں کے لیے اللہ کی وحی کا عملی ترجمہ یہ تھا کہ وہ اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کریں۔ کائنات میں اس کی نشانیاں تلاش کریں اور واقعیاتی زندگی گزاریں۔ خیالی دُنیا میں نہ کھوئے رہیں۔

جب اللہ کے بارے میں تصوّر وعقیدہ درست ہو گیا تو امتِ مسلمہ نے تاریخ میں ایک ایسی روش اختیار کی کہ تاریخ بھی انگشت بدنداں ہے کہ یہ سب کچھ اور اتنا کچھ اتنے مختصر سے عرصے میں کیسے ہو گیا۔

لیکن آخر کار امت مسلمہ بھی اللہ کی بتائی صراطِ مستقیم سے منحرف ہو گئی۔!

امت مسلمہ بھی جاہلی روش پر چل نکلی۔ یہاں بھی عقیدہ شریعت سے علیحدہ ہو گیا اور عقیدہ بے حِس و بے کیف جذبہ کی طرح سینہ کے کسی اُجڑے ہوئے گوشہ میں نیم مردہ حالت میں جا پڑا۔ جس کا حقائق کی دُنیا سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا۔ اور بجائے اس کے کہ عملی زندگی میں اللہ کا قانون نافذ ہو۔ مسلمانوں نے اپنی زندگی میں غیر اللہ کے قانون کو اپنا لیا —— چناں چہ امت مسلمہ کا حقیقی وجود ہی ملیا میٹ ہو گیا۔ اگر چہ یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہے اور وقتاً فوقتاً نماز روزہ بھی کرتے رہے۔

جب مسلمانوں میں ارتقاء کا محرّک ہی ختم ہو گیا تو ساتھ ہی تہذیب بھی اُجڑ گئی اور علمی

---

(۱) ''تجدید الفکر الدینی فی الاسلام (ڈاکٹر محمد اقبال)

ذوق بھی پست ہوگیا ـــــ اور مسلمانوں نے اس ذلّت و پستی کو تسلیم بھی کر لیا ـــــ چناں چہ اور بھی اسلام سے دور ہو گئے۔

اب اخلاقی اباحیت نے بھی آلیا ـــــ اب مسلمانوں میں نہ صدق و صفا رہی نہ خلوص و صداقت رہی اور نہ اب اُن کے معاملات میں استقامت رہی اور نہ ہی انسانیت کی بنیاد پر آپس کا ربطِ باہمی رہا!

جب یہ سارے مراحل تنزّل طے ہو چکے۔ تو فوراً یہودی سازش نے دلدل میں گھسیٹ لیا اور امت مسلمہ کا رہا سہا اسلام بھی جاتا رہا۔!

اسلام ان نام نہاد مسلمانوں سے قطعاً بے پرواہ ہے!

اسلام تو اللہ کی بتائی ہوئی وہ صراطِ مستقیم اور اللہ کی وحی کردہ وہ جادۂ حق ہے جو محمدؐ بن عبداللہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے لے کر آئے تھے۔

اسلام انسانیت کے انحراف کے ساتھ منحرف نہیں ہوسکتا بلکہ اسلام تو انسانیت کو اُبھارنے والا اور اس کو صحیح راستے پر گامزن کرنے والا ہے۔!

اسلام تو وہ سراج منیر ہے، جو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف ـــــ اور ـــــ طاغوت سے چھڑا کر اللہ کی طرف لاتا ہے۔!

اسلام ہی انسانیت کو سرکش و باغی اور انسانی وجود کو کچل ڈالنے والی جاہلیت سے نجات دلاتا ہے۔

اسلام ہی جاہلیت کے وہ سارے بگاڑ دور کرسکتا ہے جس سے آج انسانیت دوچار ہے۔ جب بھی اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے مطابق تصوّر درست ہو جائے گا۔ عمل خود بہ خود استوار ہو جائے گا۔

جب گمراہ انسانیت اللہ کی طرف رجوع ہوگی۔ زندگی کی صراطِ مستقیم اسے اپنے سامنے نظر آئے گی اور سیاست، اجتماع، اقتصاد، اخلاق، فن، جنسی علائق۔ غرض زندگی کا ہر پہلو سنور جائے گا۔

جاہلیت نے انسانیت اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے درمیان نہایت دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔

ایک دبیز پردہ نام نہاد ترقی ہے۔

جاہلیت کہتی ہے کہ ''ترقی'' انسانیت کو اللہ کے دین سے بہت دور لے گئی ہے اور جو کچھ لوگوں کے لیے آج سے چودہ سو سال پیشتر درست ہوسکتا تھا، وہ آج نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اب لوگ ترقی یافتہ ہوگئے ہیں۔!

''ترقی وہ خوفناک بگاڑ ہے، جو تصوّر اور عمل میں نمایاں ہے (جس کا ہم پہلے دو ابواب میں ذکر کر چکے ہیں) جس نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو اور نفسِ انسانی کا کوئی گوشہ بغیر بگاڑ کے نہیں چھوڑا!''

یہ ''ترقی'' ہی ہے جو انسانیت کو تباہی کے غار کے کنارے پر لے آئی ہے۔!

وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ ط اور خود کو ہدایت یافتہ خیال کر رہے ہیں۔

اللہ کا راستہ — جب سے اللہ نے اسے انسانیت کے لیے متعین کیا ہے — جاہلیت سے چھٹکارا دلانے والا اور تباہی سے بچانے والا ہے۔!

جب انسان ہدایت پا کر جادۂ حق پر گامزن ہوجائے — جب وہ اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت پر چلنے لگے — جب وہ اللہ پر پکا سچا ایمان لے آئے — جب وہ اللہ کی عبادت کا حق ادا کرے اور اس کے ساتھ کسی طاغوت کو شریک نہ کرے۔ جب وہ اپنے لیے خود قانون سازی کر کے اور اللہ کے قانون کو چھوڑ کر اترائے نہیں — اور — جب وہ خود اللہ کی حاکمیتِ اعلیٰ اپنی طرف منسوب کر کے نہ بیٹھ جائے۔ اس وقت جاہلیت کے تمام بگاڑ ختم ہوجائیں گے۔ اور انسانیت ظُلم، بدبختی اور عذابِ الیم سے نجات پا جائے گی۔

کیوں کہ انسان جب عقیدہ اور عبادت کی جادۂ حق سے منحرف ہوجاتے ہیں — اللہ کی حاکمیت پر خود قبضہ جما لیتے ہیں — اور انسان انسانوں کے الٰہ اور ارباب بن بیٹھتے ہیں کہ چند انسان قوانین بنائیں اور باقی انسان ان کی اطاعت کریں تو انسانیت یونہی ظلم، بدبختی اور عذابِ الیم میں مبتلا ہوجاتی ہے۔!

اسلام آج بھی جاہلیت کے بگاڑ کو دور کرنے والا اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔!

اسلام آج بھی حق و باطل کے درمیان فیصل، بانیِ انسانیت اور بگاڑ و سرکشی کو ختم کرنے والا ہے۔!

جب بھی لوگ اسلام کو اپنا لیں گے۔ ان کی زندگی میں اعتدال اور استقامت پیدا ہوجائے گی۔!

یہاں ہم سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق، جنسی علائق اور فن کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے تفصیلی بحث تو نہیں کر سکتے۔ البتہ چند اہم مسائل کے بارے میں اسلامی طریقِ فکر پیش کریں گے تاکہ اس سے مزید مسائل میں رہنمائی مل سکے۔

اس سے قبل ہم مندرجہ بالا تمام امور میں جاہلیت کا بگاڑ واضح کر چکے ہیں۔ وہاں بھی ہم نے بغیر کسی تفصیل میں گئے ہوئے جاہلیت کے بگاڑ کو واضح کیا تھا۔ یہاں بھی ہم ان مسائل حیات میں اسلامی فکر بتاتے ہوئے صرف اتنا ہی بیان کریں گے کہ جس سے راہیں روشن ہوجائیں اور تصحیح انحراف میں مُمد ہو سکے۔!

سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق اور فن کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے تفصیلی مباحث کے لیے مستقل تصنیفات موجود ہیں۔

جن میں اہم یہ ہیں:

اسلام کا نظریۂ سیاسی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

اسلام اور ہمارے سیاسی حالات

اسلام میں سیاست مال اور حکم عبدالقادر عودہ شہید

مولانا مودودی اور سیّد قطب کی اور بھی کتابیں ہیں، جن میں اسلامی اقتصادیات پر بحث کی گئی ہے۔(۱)

سیاست میں جاہلیت کی ساری پیچیدگی یہ ہے کہ جاہلیت اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ العمل نہیں کرتی۔!

اللہ کے نازل کردہ احکام کی تفصیل میں جائے بغیر پہلے ہم صرف یہ بتلائیں گے کہ اللہ

---

(۱) مولانا مودودیؒ کی تین کتابیں اصل موضوع پر ہیں۔ (۱) اسلامی معاشیات کے بنیادی اصول (۲) سود (۳) مسئلۂ ملکیت زمین۔ سید قطب کی۔ ''اسلام کا نظام عدل۔

کے نازل کردہ احکام کو عملی زندگی میں نافذ نہ کرنا ہی اصل انحراف اور بگاڑ کا سبب ہے۔ کیوں کہ انسانوں کے خودساختہ قوانین انسانوں کی ایک جماعت کو باقی تمام انسانوں پر حاکم بنا دیتی ہے۔ اوراسی طرح ایک مخصوص گروہ کے مفادات تمام انسانوں کے مصالح پر غالب آجاتے ہیں۔!

یہ بات ہم اپنے نقطۂ نظر سے نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ یہ اقرار جاہلیت کے مارے ہوئے مغربی اشخاص کا ہے۔

ان کے نزدیک اجتماع، سیاست اور اقتصاد سب میں یہ طے شدہ اصول ہے کہ جس طبقہ کے ہاتھ میں ''ملکیت'' ہو۔ وہ ہی طبقہ حاکم بھی ہوتا ہے اور یہ طبقہ تمام طبقات کے مصالح کو نظرانداز کرکے صرف اپنے مفادات کے حصول میں لگا رہتا ہے۔

سرمایہ داری مالک ہے —— اور سرمایہ دار طبقہ کے مصالح اور مفادات کو مدّنظر رکھتی ہے اور مزدوروں اور محنت کشوں کو کچل دیتی ہے۔!

اشتراکیت مالک ہے —— تو وہ مزدور طبقہ کے مصالح اور مفادات کا خیال رکھتی ہے اور سرمایہ داروں کو ختم کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔

ہر طبقہ اپنا جہنم بھر رہا ہے اور دوسرے طبقہ کے استحصال میں لگا ہوا ہے۔!

تاریخ میں انسان جب بھی دوسرے انسانوں پر حکمراں رہا۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ طبقہ حاکمہ نے تمام انسانوں کی مصالح کو مدنظر رکھا ہو ——

یہ تو جب ہی ہوسکتا ہے۔ جب لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ العمل کریں۔ کیوں کہ جب اللہ کا قانون نافذ ہوگا تو کسی ایک طبقہ کی حاکمیت نہیں ہوگی اللہ کا نہ کوئی طبقہ ہے اور نہ اللہ کی کوئی مصلحت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا ''رب'' ہے اور اس کا نازل کردہ قانون تمام انسانوں کے لیے ہے۔!

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بُلا کر اور انسان کو یہ بتلا کر کہ الوہیت اور حاکمیت مطلقہ صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ انسان ہی کو عزّت، کرامت اور آزادی عطا کی ہے جو اللہ کی عبادت چھوڑ کر انسان کو ہرگز ہرگز میسّر نہیں آسکتی۔!

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی بندگی کا اس لیے حکم نہیں دیا کہ ان کی اللہ کو کوئی ضرورت تھی۔!

مَآ اُرِیْدُ مِنھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنَo (الذاریات:۵۷)

''میں ان سے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھلایا کریں۔''

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے خالق، رازق اور موت وحیات کے مالک کی عبادت کریں!

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ مہربانی فرمائی کہ اس فرض کی ادائے گی میں بھی ان کے لیے خیر پنہاں کردی --- اللہ کے بندے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ان کا خالق، رب اور الٰہ ہے۔ پھر یہ عبادت ان کے لیے خیر و برکت اور ذخیرۂ آخرت بھی بنادی جاتی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہے:

وَ مَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَo

(العنکبوت:٦)

''اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے کرتا ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ کو الوہیت اور حاکمیت میں منفرد سمجھیں اور اللہ کے سوا کسی قانون کو نہ مانیں۔ بلکہ اللہ ہی کے قانون کو اپنی زندگیوں میں نافذ کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا:

وَاحْذَرْھُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْکَ عَنْ م بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکَ ط

(المائدہ:۴۹)

''ان کی اس بات سے احتیاط رکھیے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے حکم سے بھلادیں۔''

اس مطالبہ سے اللہ تعالیٰ کا منشا انسانوں کو انسانوں کی غلامی اور بندگی سے آزاد کرانا ہے اور اس ''طاغوت'' کے پنجے سے انسانیت کو چھڑانا ہے۔ جو انسانوں کی بندگی کے صلے میں رونما ہوتا ہے۔ جس کے بھیانک آثار ہم جاہلیتِ جدیدہ میں اور تاریخ کی ہر جاہلیت میں پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ انسانیت حقیقی اور بھرپور آزادی سے ہمکنار ہو۔ وہ آزادی جو انسانیت کو اپنے کسی بھی خودساختہ نظام میں نصیب نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ انسان کے تراشے ہوئے ہرنظام میں انسان طبقۂ حاکمہ کے غلام ہوتے ہیں اور طبقۂ حاکمہ اپنے مفادات کے لیے باقی انسانوں کا استحصال کرتا رہتا ہے۔!

اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ بنی نوع انسانوں کو کرامت عطا کرے جو اس صورت میں ممکن ہے کہ تمام انسان اللہ کی بندگی کریں اور اس طاغوت کا سر کچل دیں۔ جو لوگوں سے کہے کہ ''میں لوگوں کا قانون ساز ہوں۔ میں لوگوں پر غالب ہوں۔ لوگ میرے ارادہ کے سامنے سرنگوں ہیں۔ اور میں جس طرح چاہوں لوگوں کی زندگی تشکیل کروں۔ کوئی مجھے روکنے والا نہیں ہے۔''!

اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ لوگوں کو عزّت حاصل ہو —— اور یہ عزّت اُسی وقت ممکن ہے —— جب معاشرے کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ اسے بھی قانون میں اتنا ہی حق ہے جتنا کہ معاشرے کے دیگر افراد کا ہے۔ جتنا انسان کا سرمایہ جدوجہد ہو۔ اتنا ہی وہ قانون سے قریب تر ہوجائے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (الحجرات:۱۳)

''اللہ کے نزدیک تم سے بہتر وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔''

یہ نہیں کہ جس کے پاس مال و دولت یا قوت و طاقت ہو وہ قانون کی ناک جس طرح چاہے موڑ دے!

اسلام کے اس منفرد اور بے مثل نظام میں انسانیت کو عزّت، کرامت اور بھرپور حقیقی آزادی ملتی ہے اور لوگوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ آزادانہ بیعت کے ساتھ جس کو چاہیں، اپنا ولی امر منتخب کرلیں۔

لیکن اسلام میں ولی امر اپنی ذات کے لیے قانون نہیں بناتا نہ وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک بن جاتا ہے اور نہ اُن کو اپنے سامنے سرنگوں کرسکتا ہے —— وہ تو صرف اللہ کے نازل کردہ احکام کو نافذ کرتا ہے۔

ولی امر کی بیعت اسی لیے کی جاتی ہے اور اسے حکومت اسی لیے دی جاتی ہے تاکہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے۔ اللہ کا قانون نہ کسی طبقہ کا خودساختہ ہے اور نہ اس میں کسی طبقہ کے

مفادات کو سامنے رکھا گیا۔ اللہ کا قانون تو تمام انسانوں کی مصالح کو مدِّ نظر رکھتا ہے۔!

اسلام میں بھی ولی امر —— خلیفہ —— انسانوں ہی میں سے ہوتا ہے۔ لیکن اسے کوئی مخصوص طبقہ منتخب نہیں کرتا اور نہ اس کے انتخاب میں کوئی خاص گروہ مدد پہنچاتا ہے۔ کیوں کہ اسلام میں کسی طبقہ کی کوئی مصلحت نہیں ہے کہ وہ کسی خاص شخص کو منتخب کرے یا اُسے دوسروں پر فضیلت دے۔ سوائے اس کے کہ اس شخص میں ولایت کی اہلیت پائی جائے۔ کیوں کہ جو شخص اسلامی نظام میں ولی امر یا خلیفہ ہوتا ہے اُسے یہ اختیار تو حاصل نہیں ہوتا کہ وہ خاص طبقہ کے مفادات کے مطابق قانون سازی کرے اور اس طبقے کے مفادات کو عام مسلمانوں کے مصالح پر ترجیح دے سکے۔!

جب تک کسی مخصوص طبقہ کے پاس عام لوگوں سے زیادہ طاقت وقدرت نہ ہو۔ وہ کیسے لوگوں کو اس پر مائل کر سکے گا کہ فلاں شخص کو خلیفہ منتخب کریں اور فلاں کو نہ کریں، اور اسلام میں کسی بھی طبقے کو باقی لوگوں پر کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے۔!

ہاں یہ ممکن ہے کہ غلطی سے کسی ایسے شخص کی بیعت کرلی جائے جو ولی امر بننے کا اہل نہ ہو۔ اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ کمزور ارادہ اور قلیل تجربہ ہے اور صاحب رائے نہیں ہے۔ پھر بھی تمام ذمّہ داری عامّۃ المسلمین پر ہوتی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے ہی اسے ارادہ سے منتخب کیا ہے، اور جب وہ چاہیں تو اسے ہٹا بھی سکتے ہیں۔

یہ ہے وہ نظام جس میں انسان کو حقیقی عزّت اور بھرپور آزادی حاصل ہوتی ہے!

اگر کسی وقت ایسا ہو کہ خلیفہ اور تمام مسلمان محسوس کریں ایک خاص مسئلہ میں اللہ کی شریعت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے تو وہ اسے سنتِ رسولؐ میں تلاش کریں گے اور اجماع قیاس اور اجتہاد سے مدد لیں گے اور مشورہ کی بنیاد پر اس مسئلہ کو حل کریں گے(۱)!

---

(۱) میں نے اپنی کتاب ''جمود وارتقاء'' میں ان تمام عناصر کو بیان کیا ہے جو ثابت ہیں اور ان کو بھی جن میں نمو پایا جاتا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلام کس طرح ان دونوں صورتوں سے نمٹتا ہے۔ چناں چہ اسلام نے امور ثابتہ میں ناقابل تغیر شریعت ثابتہ دی ہے اور قابل تغیر مسائل میں ایک ایسا لچک دار نظام دیا ہے کہ جوں جوں پیش آمدہ نسلیں ارتقائی مراحل طے کرتی جائیں۔ یہ نظام اس کے مطابق قوانین وضع کر سکے۔ اسی لیے شریعت ثابت اور غیر متغیر ہے۔ لیکن فقہ ہمیشہ نمو پانے والا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ ''لوگوں کے سامنے جس قدر مسائل آتے رہیں گے۔ اسی قدر انہیں فیصلے ملتے رہیں گے۔''

بہر کیف اسلام کے سیاسی نظام کے مندرجہ ذیل چند اصول مدّنظر رکھنے چاہئیں۔

اسلام میں کوئی طبقۂ مالکین نہیں ہے، جو اپنے مفادات کے لیے باقی تمام انسانوں کا استحصال کرے!

اسلام میں ولی امر کی آزادانہ بیعت ہوتی ہے اور نہ وہ کسی طبقہ کے مفادات کے قانونِ اسلام بنا سکتا ہے!

اسلام میں ولی امر اللہ کے قانون کو نافذ کرتا ہے۔ اس کے اقتدار کا دائرہ بس اتنا ہی ہے کہ وہ اللہ کے قانون کو نافذ کرے!

اسلام میں ولی امر اگر الٰہی قانون میں کسی مسئلہ کا حل نہیں پا تا تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ جو چاہے قانون بنا دے، بلکہ وہ قانون سازی میں ان تمام اصولوں کو مدِّنظر رکھے گا جو اسے آخر الامر اللہ کی نازل کردہ حدود میں رکھیں۔!

''سیاست علیٰ منہج اللہ'' کے مندرجہ بالا اصول ہی درحقیقت انسان کی محرّیت اور عزّت کے ضامن ہیں اور انسان کو طاغوت کے چنگل میں جانے سے بچانے والے ہیں۔

اگر ہم اسلامی سیاست کے مندرجہ بالا اصولوں کا تاریخ کی دیگر جاہلیتوں۔ بالخصوص جدیدہ سے موازنہ کر کے دیکھیں تو یہ بات ہماری سمجھ میں آجاتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حاکمیت کا حق صرف اپنے پاس رکھا اور کیوں۔ اللہ نے صرف اپنے آپ کو انسانیت کے لیے قانون ساز متعین فرمایا!

جاہلیت نے انسان کو گمراہ کر کے یہ سمجھایا کہ انسان اللہ کے قانون سے بے نیاز ہے اور جاہلیت نے اللہ کی حاکمیت سے انکار کر کے حاکمیت کا حق دار اپنے آپ کو سمجھا۔ چناں چہ انسانیت اس طغیان وسرکشی کا شکار ہوگئی، جو ہم سرمایہ دارانہ آمریت اور اشتراکی آمریت میں دیکھ رہے ہیں ـــــ ان دونوں آمریتوں میں انسانیت ذلیل ورسوا ہو کر رہ گئی!

حاکمیت کا اختیار صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دینا ہی وہ واحد طریقۂ کار ہے، جو انسان کو سرکش آمریت سے نجات دلا کر آزادی سے ہم کنار کر سکتا ہے اور انہیں اللہ کے قانون کے زیرِ سایہ ان کے امور کا ان کو مالک بنا سکتا ہے۔!

پھر اگر کبھی طاغوت اپنی حکمرانی کا اعلان کرے۔ لوگ اسے ختم کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ

طاغوت کا وجود ''تاریخ کی کوئی مادّی جبریت'' نہیں ہے —— اور نہ طاغوت اس لیے اُبھرتا ہے کہ اس سے ایسے طبقہ کی مصالح متعلق ہیں جس کی حکمرانی کا تاریخی دور آ گیا ہے!

طاغوت تو اس لیے اُبھرتا ہے کہ لوگ اللہ کے قانون میں تساہل برتنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ لوگ جب چاہیں طاغوت کو ختم کر کے اللہ کے قانون کو نافذ کر سکتے ہیں۔ اگر چہ ان کو اس کے لیے کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں اور کتنے ہی خطرات سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ کیوں کہ یہ سب قربانیاں بہر حال ان قربانیوں اور ان مصائب سے کم ہی ہوں گی، جو طاغوت کی زیر حکمرانی انسانیت کو برداشت کرنی پڑیں گی۔!

ایک بات اور ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ اللہ کا قانون ہی انسانیت کے لیے بعینہٖ عدل کامل اور خیر خالص ہے!

اور —— یہ امر بھی قابل وضاحت ہے کہ انسانوں کو آزادی حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر وہ انسانوں کو قانون سازی کے اختیار دیتے رہے۔ اور ظالم اقتدار سے نہیں نکل سکتے جب تک اللہ کے قانون کو نافذ نہ کر لیں۔

اللہ کے قانون نے، انسانوں سے قانون سازی کے اختیار ختم کر کے، انسان کی کرامت، فاعلیت اور تقدم میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ بلکہ انسان کو آزادی کی وہ راہ سمجھائی ہے، جس پر چلے بغیر انسان طاغوت سے کسی قیمت پر آزاد نہیں ہو سکتا۔

''سیاست علیٰ منہج اللہ'' کے چند اصول بیان کرنے کے بعد اب ہم اقتصاد، اجتماع اور اخلاق وغیرہ کے بارے میں گفتگو کریں گے کہ اسلام اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتا ہے۔!

اقتصادیات —— میں جاہلیت کے بگاڑ کے دو بنیادی اسباب ہیں:

طریقۂ ملکیت —— اور —— طبقہ مالکین کا طبقہ حاکمہ ہونا۔

اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم ان دونوں بیماریوں کا علاج کرتی ہے۔

اوّل تو اسلام کسی بھی طبقہ کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا کہ وہ بعد میں باقی انسانوں پر ظلم کرے۔ بلکہ اسلام حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دیتا ہے اور انسانوں کو اس حق سے محروم قرار دیتا ہے۔!

دوم مسئلۂ ملکیت میں بھی اسلام ''موضوعی انصاف'' کی راہ اپناتا ہے۔!

اگر سرمایہ داری ''غیر محدود انفرادی ملکیت'' کی قائل ہے، جس کا نتیجہ غیر مالکین کی غلامی ہے۔ اور — اگر اشتراکیت سرے سے ملکیت ہی کو ختم کر دیتی ہے — جس کا نتیجہ بھی غیر مالکین کی غلامی ہے۔

تو اسلام نہ تو انفرادی ملکیت کا قطعاً خاتمہ کر دیتا ہے — اور نہ اس کو غیر محدود رہنے دیتا ہے۔ کیوں کہ انفرادی ملکیت کا خاتمہ تمام سرمایہ کو حکومت کے ہاتھوں میں منتقل کر دیتا ہے اور لوگ ایک لقمہ کی خاطر حکومت کے غلام بن جاتے ہیں!

اسلام اپنا سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام اس بنیاد پر قائم کرتا ہے کہ لوگ اپنے ولی امر— خلیفہ — کے نگراں ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کس حد تک اللہ کے قانون کو نافذ کر رہا ہے۔ اگر کسی وقت خلیفہ غلطی کرتا ہے تو لوگ اسے متوجہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرے تو عامۃ المسلمین اسے خلافت سے ہٹا دیتے ہیں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط (آل عمران: ۱۰۴)

''اور تم میں ایک جماعت ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں۔''

حدیث رسولؐ ہے:

''اگر تم میں سے کوئی شخص بُرائی دیکھے تو اُسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر قدرت نہ ہو تو زبان سے اُسے بُرا کہے۔ اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں بُرا سمجھے۔ اور یہ ایمان کا کمتر درجہ ہے۔'' (بخاری و مسلم)

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

''تم میری اطاعت کرتے رہو جب تک میں اللہ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اور اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری اطاعت نہیں ہے۔''

ظاہر ہے اگر لوگ دو روٹی کے لیے حکومت کے غلام ہوں تو مندرجہ بالا نظام تشکیل نہیں پا سکتا۔

اسلام ایک واقعیاتی نظام ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ فرشتے بن جائیں اور نہ اس کا

مدّ عایہ ہے کہ سب اولوالعزم بن جائیں۔ اسلام انسانوں سے جو برتاؤ کرتا ہے۔اس میں ان کی قوت وضُعف ، اوران کا تنزّل وارتقاء مدّ نظر ہوتا ہے۔اسی لیے اسلامی نظام واقعیاتی بنیادوں پر استوار ہے۔

اسلام جابر سلطان کو ہٹانے میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اور اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں کے رزق کے سرچشمے تمام کے تمام ان کے اپنے ہاتھوں میں ہوں اور مصادر رزق پر حکومت کی اس قسم کی بالادستی نہ ہو کہ ایک دانۂ گندم بھی حکومت کے ہاتھ سے لوگوں کے منہ تک پہنچے۔

دوسری جانب اسلام ''غیر محدود انفرادی ملکیت'' کو بھی برداشت نہیں کرتا کہ اس کے نتیجے میں معاشرہ ظلم وطغیان کا شکار ہو جائے۔!

اس لیے اسلام '' ملکیت'' پر کچھ ایسی موضوعی بندشیں لگاتا ہے، جن سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔

سب سے پہلے '' ملکیت کے وسائل کی تحدید کردی کہ یہ وسائل حلال وطیب ہونے چاہئیں۔''

وراثت کا قانون جاری کیا۔تاکہ ہر نسل کے بعد دولت تقسیم ہوتی رہے۔

زکوٰۃ مقرر کی جو اصل سرمایہ اور منافع پر سال بہ سال لی جاتی ہے۔

سود اور ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دے دیا۔

پھر جیسے اسلام نے ولی امر کو یہ اختیار دیا کہ وہ جب بھی لین دین کے طریقوں میں کوئی بگاڑ پیدا ہو اُنہیں اسلامی اصولوں کے مطابق درست کر دے۔ اسی طرح رزق کے سرچشمے ہاتھ میں دے دیئے تاکہ عوام لقمۂ خُبز کے لیے حکومت کے محتاج نہ بن جائیں۔!

سود اور ذخیرہ اندوزی سرمایہ داری کی دو عظیم مصیبتیں ہیں۔ یہ دونوں عوام سے دولت سمیٹ کر سرمایہ داروں کے پاس جمع کر دیتے ہیں۔

اگر اسلام کے الٰہی نظام ہونے پر کسی دلیل کی ضرورت پیش آئے تو یہ بہت بڑی دلیل ہوگی کہ سرمایہ داری کا فساد وطغیان مخلوق خدا کی ذلّت ، خوفناک سامراج اور اقوامِ عالم کا استحصال جب اسلام نازل ہوا اُس وقت انسانیت کے سامنے نہیں تھے اور نہ یہی واضح تھا کہ 'سرمایہ داری' سود اور ذخیرہ اندوزی کی بنیادوں پر قائم ہوگی ـــــ مگر ـــــ

پھر بھی اسلام نے سود اور ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نظام ربّانی اور اللہ کا نازل کردہ ہے۔!

اس وقت اسلامی اقتصادیات بیان کرنے کا موقع نہیں ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ اس موضوع کے لیے مستقل کتابیں موجود ہیں۔

البتہ چند کلیدی امور پیش کیے دیتے ہیں:

اسلامی اقتصادیات کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ مال اللہ کا ہے اور انسانی جماعت اس مال میں اللہ کی خلیفہ ہے اور یہ انسانی جماعت اس مال کے تصرّف میں اللہ کی نازل کردہ تمام حدود و شرائط کی پابند ہے — خواہ یہ شرائط مبادئ کلیہ کی شکل میں ہوں — یا قوانین جزئی ہوں —

اور — فرد اس مال میں مکلّف ہے۔ فرد کا کام یہ ہے کہ وہ انفرادی ملکیت کی بنیاد پر اپنی کوشش کے بالمقابل تصرّف کرے اور یہ تصرّف خود اس فرد اور پوری جماعت کی فلاح کا ضامن ہو اور اللہ کی مقرر کردہ شرائط کی حدود میں ہو۔

اگر فرد نے اپنے حقِ ملکیت کو غلط استعمال کیا ہے تو اس سے یہ حقِ ملکیت ختم ہو کر جماعت کے ہاتھوں میں منتقل ہو جائے گا کیوں کہ جماعت ہی اس کی اصل مالک ہے۔!

مندرجہ بالا اصول — انفرادی ملکیت سے — جس پر اسلامی نظام قائم ہے نہیں ٹکراتا۔ البتہ اس سے یہ ضمانت مل جاتی ہے کہ فرد اپنی ملکیت میں حسنِ تصرّف کرے گا اور اپنے مال میں سے جماعت کا مقررہ حق ادا کرتا رہے گا جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔ انفرادی ملکیت بدستور باقی رہے گی۔ سوائے ان موارد عامّہ کے جو عام ملکیت میں ہوں۔

وَ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ (النور:۳۳)

''اور اللہ کے دیئے ہوئے اس مال میں سے ان کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے۔''

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا

(النساء:۵)

''اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مایۂ زندگانی بنایا ہے۔''

اس کے بعد اسلامی اقتصادی نظام ''تقسیمِ دولت'' کا اصول رکھتا ہے۔

كَیْ لاَ یَكُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ (الحشر:۷)

''تا کہ وہ مال تمہارے تونگروں کے قبضے میں نہ آجاوے۔''

اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ دولت سرمایہ داروں کے پاس جمع ہوجائے۔ بلکہ دولت کو بہت سے ہاتھوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ تا کہ سرمایہ کی طبعی گردش قوم کے تمام افراد کے ہاتھوں میں ہوتی رہے۔!

اسلام میں محروم و مجبور کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو جماعت وصول کرے گی، اور محتاجوں پر صرف کرے گی غیر سوالی کا حق تھا۔

وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (الذاریات:۱۹)

''اوران کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔''

یہ حق زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے حقوق و واجبات بوقتِ ضرورت سرمایہ داروں سے وصول کیے جاتے ہیں۔

پھر اسلام میں کچھ قواعد کسب مال اور تعامل کے بھی ہیں۔ اگر کسی تعامل میں کسی فرد یا جماعت کا نقصان ہوتو اسلام اسے جائز نہیں قرار دیتا۔ اسی لیےلوٹ، چوری، دھوکہ اور اجارہ داری کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ سود جوان تمام وسائل میں بدترین وسیلہ ہے، بھی حرام ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

(البقرہ:۲۷۸،۲۷۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سُن لو جنگ کا اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف سے۔''

اسلام نے پاکیزہ امدادِ باہمی کا بھی حکم دیا ہے:

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ وَّ اَنْ تَصَدَّقُوْا

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۸۰)

''اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے اور معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کو ثواب کی خیر ہو۔''

یہ عام قواعد ہیں اور یہ وہ خاکہ ہے، جس میں اقتصاد اسلامی بغیر رُکاوٹ کے نشو ونما پاتا ہے۔ سوائے ان پابندیوں کے جو بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔

یہ وہ طریقہ ہے، جس پر منہج ربانی، اقتصادی امور کو درست کرتی ہے۔ لوگوں کو ظلم سے روکتی ہے اور ان کو طاغوت کی غلامی میں جانے سے بچاتی ہے۔

ان بنیادی اصولوں کے ساتھ ہم ایک اہم حقیقت بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ جو اقتصادیات میں اللہ کی صراطِ مستقیم کا طرّہ امتیاز ہے۔

اسلامی تصوّر انسان کو ''جبریتوں'' کا غلام نہیں بناتا۔ خواہ مادّی جبریت ہو یا اقتصادی جبریت یا تاریخ کی جبریت! —— بلکہ ——

اسلامی نظام میں انسان اپنے اقتصاد اور اپنی سوسائٹی کی خود تشکیل کرتے ہیں —— اسلام کسی قسم کے ایسے جبری اطوار کو نہیں تسلیم کرتا جو لوگوں کی زندگیوں کو معیّن قالب میں ڈھالیں یا کوئی طبقہ دوسرے پر حاکم ہو۔ اس لیے کہ اقتصادی جبریت نے اس طبقہ کو ملکیت اور اقتدار دے دیا ——

یہ سب باتیں جاہلیت کے زیرسایہ ہوتی ہیں ——

اسلام میں تو لوگ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ''مادی جبریت'' کی نہیں۔!

اسلام اس گئے گزرے دور میں بھی بڑی حد تک بگاڑ کو پھیلنے سے روکتا ہے۔! چناں چہ یورپ کی بھیانک جاگیرداری اسلامی دنیا میں اپنی 'جبریت' مسلمانوں پر اس طرح مسلّط نہ کرسکی، جیسی یورپ میں کی ہے۔

اسلامی تصوّر میں انسان ہی قوت فاعلہ ہے اور کائنات پوری کی پوری اس کے لیے مسخر کردی گئی ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط

(الجاثیہ:۱۳)

''اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا سب کچھ اپنے پاس سے۔''

اسلام میں انسان اپنا اقتصادی نظام اپنے تصوّر و عقیدہ کے مطابق اپنے ارادے سے تشکیل کرتا ہے۔ وہ کسی ''تاریخ کی'' ''مادّی جبریت'' کے سامنے ذلیل و خاضع نہیں ہے۔!

اسلام انسان کو یہ فعّال ایجابیت عطا کر کے اسے عالم تصوّر میں مکرّم اور دُنیائے عمل میں اس کے اقدام کو درست کرتا ہے ــــ اس طرح انسانی معاشرہ ظلم و انحراف اور فساد سے بری ہو جاتا ہے۔

اجتماعی مسائل میں اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم فرد اور مجتمع کے درمیان کھلا کھلا توازن اور معاشرے میں مرد و زن کے تعلقات کو بہتر بنیادوں پر استوار کرتی ہے۔

فرد معاشرہ اسلام کی نظر میں دو متحارب فریق نہیں ہیں۔

انسان کو اللہ کی عطا کردہ خلافت فرد اور مجتمع دونوں کو شامل ہے۔

اور انسان بھی فرد اور مجتمع دونوں کو شامل ہے۔

اسی لیے فرد و مجتمع میں کوئی نفرت اور کوئی بالادستی نہ ہونی چاہیے۔!

جس نظریہ میں معاشرہ کو فرد کا دشمن تصوّر کیا جاتا ہے۔ وہ معاشرہ کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے اور جس نظریہ میں فرد کو سماج کا دشمن تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس میں فرد سے ہر خیر و خوبی کی نفی ہے ــــ یہ دونوں ہی تصوّرات انتہا پسند اور بگاڑ کا شکار ہیں۔

اعتدال کی راہ یہ ہے کہ فرد سماج سے اور سماج فرد سے بنتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی فصل و انقطاع نہیں ہے!

بگاڑ کا شکار اور انتہا پسند حالات میں سرکش فرد رونما ہوتا ہے ــــ وہ کہتا ہے کہ اس کے اردگرد پھیلے ہوئے معاشرے کے بندھن اسے انحراف کی راہ پر نہیں چلنے دیں گے۔ چناں چہ وہ معاشرے کو توڑ پھوڑ کر اس پر بھی بگاڑ مسلّط کر دیتا ہے۔

کبھی سرکش معاشرہ اُبھرتا ہے جو فرد کی استقامت گوارا نہیں کرتا ــــ چناں چہ اس کو کچل ڈالتا ہے۔

لیکن ــــ معقول حالات میں ــــ فرد اور مجتمع دونوں طبعی رفتار پر چلتے ہیں۔ ان کے

مقاصد افکار اور شعور میں یگانگت اور ارتباط ہوتا ہے ــــ اور معاشرتی ڈھانچہ مکمل اور سالم ہوتا ہے۔

اسلام بھی فطرتاً اعتدال کی راہ پسند کرتا ہے اور فرد معاشرہ دونوں میں اعتدال قائم کر کے ــــ انتہا پسندی اور بگاڑ کی راہیں مسدود کر دیتا ہے۔

اسلام فرد اور معاشرہ میں متوازن کیفیت پیدا کرتا۔ ایک طرف تو فرد کو اپنے تشخص کے نمو کے لیے مواقع فراہم کرتا ہے اور دوسری جانب سوسائٹی کے مربوط تشخص کو ابھارتا ہے ــــ اور دونوں میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔!

فرد سے اسلام براہِ راست خطاب کرتا ہے۔ اس کو کچھ حقوق دیتا ہے اور کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے جس سے مضبوط و مربوط معاشرہ رونما ہوتا ہے۔!

اسلام میں فرد کا اللہ سے براہ راست بغیر کسی واسطہ کے تعلق ہے۔

فرد اللہ کو پکارتا ہے، مناجات کرتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے اور اللہ کے قریب ہوتا ہے اور ان تمام امور میں فرد مستقل اور بذاتِ خود اپنا وجود رکھتا ہے۔

اسلام فرد کو ہمیشہ شعور دلاتا ہے کہ اس کو انفرادی طور پر اللہ کی پوری پوری رعایت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرد کو ماں باپ سے پیدا کرتا ہے۔ اپنی محدود قسمت لے کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے رزق دیتا ہے۔ اگر چہ رزق انہی اسباب سے ملتا ہے، جس میں جماعت اور پوری کائنات مشترکہ ہے۔ لیکن رزق اس کی ذات ہی تک محدود ہوتا ہے اور اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔

پھر جب فرد اللہ کو پکارتا ہے اللہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اس کی دُنیاوی حاجت پوری کرتا ہے یا آخرت میں اس کے لیے ثواب لکھ لیتا ہے۔ بہر کیف دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ فرد کی دعا کو ــــ انفرادی حیثیت سے ــــ قبول فرماتا ہے:

پھر فرد آخر میں اللہ کے پاس بھی انفرادی حیثیت میں جاتا ہے۔

وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ (مریم:۹۵)

''اور قیامت کے روز سب کے سب تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔''

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ (المدثر:۳۸)

''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے محبوس ہوگا۔''

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ج (الانعام:۱۶۴)

''اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھاوے گا۔''

اللہ کے ساتھ فرد کے اس براہِ راست رابطے اور تعلق سے اس کا مستقل ذاتی انفرادی شعور پیدا ہوتا ہے۔!

پھر اللہ تعالیٰ فرد کو ـــــ انفرادی حیثیت میں ـــــ کچھ ذمّہ داریوں کا مکلّف بھی بناتا ہے ـــــ ہر فرد ذاتی طور پر مکلّف ہے کہ وہ اللہ کے شعائر اور اللہ کے قوانین کی پابندی کرے اور معاشرے کے دیگر افراد کو بھی ان امور کی پابجائی کی دعوت دے۔ جس قدر بھی اس میں طاقت اور ایمان ہو۔

فرد ـــــ اسلام میں ـــــ امت کے مسائل کو اپنے ہی مسائل سمجھتا ہے۔ اور اسلام میں عام مسائل یہ ہیں: اللہ کے قانون کا نفاذ، صحیح وراست حکومت کا قیام، درست اقتصادی نظام کا قیام، صالح معاشرہ کا وجود، معاشرے میں اخلاقی اقدار کی اشاعت، معاشرے کو ہر اخلاقی بگاڑ سے پاک وصاف رکھنا اور حاکم پر نظر رکھنا ـــــ کہ وہ اللہ کے قانون اور حق وانصاف سے نہ ہٹ جائے۔

مندرجہ بالا تمام امور اس بات کے ضامن ہیں کہ اسلام فرد کی مثبت اور فعّال شخصیت کو واقعیاتی زندگی میں اُجاگر کرتا اور فرد کی انفرادی شخصیت کو بروئے کار لانے کے لیے تربیتی طریقۂ کار اس طرح اختیار کرتا ہے کہ پہلے فرد کو نفسیاتی، اخلاقی اور اجتماعی تربیت دیتا ہے تاکہ وہ اس نظام اسلام میں موجود عظیم تر ذمّے داری سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہوسکے!

اس کے بعد اسلام فرد کو ـــــ انفرادی ملکیت کے حقوق بھی عطا کرتا ہے۔ اس سے بھی اس کی مستقل فردیت کو مزید نمو ملتا ہے۔ خواہ فی الواقع اسے کوئی ملکیت حاصل ہو یا نہ ہو، اس کا حقِ ملکیت تو بہرحال موجود ہے۔ اسی طرح اسے حصولِ ملکیت کے مواقع بھی موجود ہیں۔ ان دونوں امور سے جہاں فرد کی اپنی شخصیت کو ذاتی ملکیت کی بنا پر نمو وظہور حاصل ہوتا ہے وہاں فرد اپنا رزق ـــــ جو کچھ اللہ نے اسے عطا کیا ہے ـــــ اپنے سامنے پاتا ہے اور اپنے ہاتھ سے حاصل کرتا ہے۔ اس سے بھی اس کا ذاتی شعور اُبھرتا ہے اور اس کے ہاتھ میں وسیلۂ روزی آجاتا ہے کہ جس سے وہ حاکم اور منحرف معاشرے کے طغیان کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

اگر حقِ ملکیت موجود ہونے ـــــ اور حصولِ ملکیت کے مواقع فراہم ہونے کے باوجود

معاشرے کا کوئی فرد محروم رہ جائے تو بھی اسلام اس فرد کو ضائع ہونے کے لیے بے آسرا نہیں چھوڑ دیتا۔ بلکہ اسے حکومت کے بیت المال کی کفالت حاصل ہوتی ہے۔

اسلام میں حکومت کا کسی فرد کی کفالت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت اس فرد کو کسی مفید کام کے لیے تربیت دے کر اسے کسی نفع بخش عمل میں لگائے گی۔ —— اور اگر کم زوری بڑھاپے یا بچپن کی بنا پر فرد کو عمل کے لیے تیار نہ کیا جائے تو حکومت اسے بیت المال سے وظیفہ دے گی۔

پھر اس فرد کو جو کچھ ملے گا وہ لوگوں کا اس پر احسان نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اسلام کا مقرر کردہ حق وصول کرے گا۔!

کیوں کہ لوگوں کے پاس جو رزق ہے۔ وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ نے اپنے رزق میں مستحقین کا بھی حق رکھا ہے۔

فرد کی ذاتیت کے ظہور کی یہ آخری حدود ہیں، جو دُنیا میں کوئی نظام ممکنہ طور پر پیش کرسکتا ہے اور یہ نظامِ اسلام ہے۔!

دوسری جانب اسلام ''اجتماعی شخصیت'' کو بھی نمود دیتا ہے۔

جس طرح اسلام نے فرد کو کچھ ذمّے داریوں کا مکلّف بنایا ہے۔ اسی طرح جماعت بھی بعض امور کی مکلّف ہے۔

جماعت —— اجتماعی حیثیت میں —— اللہ کے قانون کے نفاذ کی مکلّف ہے۔

جماعت ہی خلیفہ کو منتخب کرتی ہے اور جماعت ہی سے بیعت ہوتی ہے۔ نہ کہ افراد سے —— جماعت ہی خلیفہ کی نگرانی کرتی ہے، اس کا محاسبہ کرتی ہے اور اس کو مشورے دیتی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ط (آل عمران:۱۰۴)

''تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کام کرنے کو کہا کریں، اور بُرے کاموں سے روکا کریں۔''

وَ أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص (الشوریٰ:۳۸)

''اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔''

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ (آل عمران:۱۵۹)

''اوران سے خاص خاص باتوں میں مشورے لیتے رہا کیجیے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ (البقرہ:۱۷۸)

''اے ایمان والو!تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ (البقرہ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء:۲۹)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ (النساء:۷۱)

''اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو، پھر متفرق طور پر یا مجتمع طور پر نکلو۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ:۹۰)

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بالکل الگ رہو۔''

ان تمام مخاطبات میں جماعت کے لیے قوانین دیتا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ اجتماعی انداز میں اپنی تربیت کریں اور اپنے اندر ایسے افراد کی تشکیل کریں، جو ان تمام ذمّے داریوں کو بخوبی انجام دے سکیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (آل عمران:۱۰۳)

''اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔''

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص (المائدہ:۲)

''اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔''

یہ تمام امور ایک مضبوط اور مربوط جماعتی حیثیت چاہتے ہیں، جو ان امور کے نفاذ پر قادر ہو۔

اسلام میں جماعت کی تشکیل افراد سے ہوتی ہے ـــــ مومن جماعت جس سے قرآن تخاطب کرتا ہے، اور جس کی ذمّے داریاں اوپر بیان ہوئی ہیں ـــــ مومن افراد سے وجود میں آتی ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ پر مومن ہوتا ہے اور اللہ سے اس کا رشتہ ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے افراد سے تشکیل پائی ہوئی ہیئت اجتماعی کو امتیازی تشخص دیا ہے اور اس ''اجتماعی ہیئت'' کو یہ بالادستی عطا کی ہے کہ اگر کبھی فرد کو اس کی فردیت سواء سبیل سے ہٹا دے تو اجتماعی ہیئت اس فرد میں توازن پیدا کرے۔ کیوں کہ جماعت فرد کی نگراں ہے اور اس کے اعمال کو صحیح رُخ دینے والی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جماعت مسلمہ کو یہ اقتدار عطا فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی فرد جادۂ حق سے منحرف ہو جائے تو جماعت اس کو راہِ راست پر لگا دے۔

لیکن جماعت کو اس اقتدار کے غلط استعمال سے بچانے کے لیے اس کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ہر حال اور ہر شکل میں ـــــ اسلامی معاشرے میں اللہ کے قانون کی پابند رہے گی۔ اور اللہ کا قانون انسان کے لیے ہے جس میں فرد ـــــ اور مجتمع برابر کے شریک ہیں۔

جماعت مسلمہ کی ایک ذمّہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی سرزمین، اسلامی قانون اور ارضِ اسلام میں رہنے والوں کی حفاظت کرے ـــــ اور یہ تحفظ ایک مربوط اور متناسق ہیئت اجتماعی کے طور پر ہونا چاہیے۔

اسلام میں جماعت ـــــ علمی نقطۂ نظر سے ـــــ سرمایہ کی مالک ہے۔ وہ ہی فرد کو اس میں تصرّف کا حق دیتی ہے ـــــ اور علمی نقطۂ نظر سے اگر کوئی فرد حسنِ تصرّف میں کوتاہی کرے تو جماعت ایسے فرد سے ملکیت واپس لے لیتی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا

وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِيۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَ قُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًاo (النساء:۵)

''اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے مایۂ زندگانی بنایا ہے اور ان مالوں میں سے ان کو کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو۔''

پھر جماعت مسلمہ کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ حکومت کے تعاون کی ضرورت پیش آنے سے پہلے ہی، اپنے کم زور افراد کو اپنی کفالت میں لے لے۔ کیوں کہ حکومت تو ایسے لوگوں کا آخری سہارا ہے ـــــ اور یہ اجتماعی کفالت پہلے خاندان کے دائرے میں پھر اجتماعی ہیئت میں اور پھر پوری امتِ اسلامیہ کے حدود میں ہونی چاہیے۔

اس طرح اسلام میں ہیئت اجتماعی کا ظہور رونما ہوتا ہے اور فرد و جماعت کے تشخص میں توازن پیدا ہوجاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی واقعیاتی زندگی اس قدر سہل نہیں ہے۔ جس آسانی اور سہولت کے ساتھ ہم یہ باتیں لکھ رہے ہیں ـــــ

واقعیاتی زندگی میں جو تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کبھی فرد معاشرے کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور کبھی اجتماعی ہیئت فرد کے وجود کو ختم کرنے کھڑی ہوجاتی ہے۔

معاشرے کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور کبھی اجتماعی ہیئت فرد کے وجود کو ختم کرنے کھڑی ہوجاتی ہے۔!

لیکن اس حقیقت کے ذمّے دار لوگ ہیں۔ نظام نہیں ہے!

انسانوں میں بہر حال راہِ راست سے منحرف ہونے کا فطری جذبہ بھی اسی قدر ہے، جتنا جادۂ حق پر چلنے کا ہے۔

نظریاتی اور واقعیاتی لحاظ سے ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے کہ انسانی طبعی استعداد کی بنا پر کبھی کبھی منحرف بھی ہوجائیں اور یہ کہ انحراف کسی نظام کا جز لاینجزیٰ ہو کہ لوگ اس وقت تک انحراف سے نہ بچ سکیں۔ جب تک اس نظام میں بنیادی تبدیلیاں نہ کرلیں یا جب تک اس غلط نظام کو بدل کر دوسرا نظام نہ لے آئیں۔

سرمایہ داری نظام کی طبیعت میں یہ بات شامل ہے کہ اس میں فرد معاشرے کے خلاف باغی ہوتا ہے۔ اور لوگ اس بات پر قادر نہیں ہوتے کہ وہ فرد کی بغاوت کا راستہ روک دیں۔ الّا یہ کہ وہ سرمایہ داری نظام کی بُنیادیں ہی بدل ڈالیں۔ ــــــ لیکن جب تک سرمایہ داری نظام رہے گا۔ لوگ نہ فرد کی سرکشی کو دبا سکتے ہیں اور نہ اسے راہِ راست پر لا سکتے ہیں۔

اشتراکی نظام اپنی فطرت میں فرد کے خلاف باغی ہے۔ اس خوفناک اور بھیانک نظام کے بوجھ تلے فرد کا وجود لحمہ بہ لحمہ سکڑتا رہتا ہے اور اشتراکی نظام ہر اس فرد کو کچل ڈالتا ہے، جو اس نظام کے خلاف آواز اُٹھائے یا پرولتاری آمریت کے مقدّس لیڈر کے خلاف بغاوت کرے۔

اسلامی نظام کی فطری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرد اور معاشرہ نظام کی خرابی کی بنا پر باغی نہیں ہوتے۔ ہاں جب فرد یا معاشرہ اسلامی نظام سے انحراف کریں تو طغیان پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کی تمام تر ذمّے داری لوگوں ہی پر ہے اور ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ اور رسول ؐ کی طرف لوٹائیں تاکہ انحراف دور ہو جائے اور تمام معاملات سُدھر جائیں۔!

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ (النساء:۵۹)

’’اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ؐ کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے حوالہ کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

اس موقعے پر یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ تمام امور میں قانونی اقتدار صرف اللہ اور اُس کے رسول ؐ کو حاصل ہے اور اطاعت بھی براہِ راست اللہ اور اُس کے رسول ؐ کی ہے۔

اطاعت اولی الامر اللہ اور رسول کی اطاعت سے متعلق ہے۔ اسی بنا پر ’’اطیعوا‘‘ کا فعل اللہ اور اُس کے رسول ؐ کے ساتھ لایا گیا ہے اور اولی الامر کی اطاعت کو اللہ اور رسول ؐ کی اطاعت میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ پھر مومنین کے درمیان اختلاف رونما ہونے کی شکل میں اللہ اور رسول ؐ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ اس سے علم ہوا کہ قانون سازی کا اختیار صرف اللہ اور اس کے رسول ؐ کو حاصل ہے۔ اولی الامر اس میں شریک نہیں ہیں!

اس اسلامی تصوّر کے زیر سایہ فرد اور معاشرہ دو متقارب اور متحارب قوتیں نہیں ہیں۔ بلکہ فرد اور معاشرہ میں تداخل اور تعاون ہے۔ اور یہ دونوں مقاصد افکار اور شعور میں متحد ہیں — یہی اتحاد درحقیقت انہیں کش مکش اور سرکشی سے بچاتا ہے۔

اسلام معاشرے کے افراد (مرد، عورتیں، بچے) کے ساتھ بہت ہمدردی رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی نشأۃ صالح بُنیادوں پر ہو۔ تاکہ وہ جاہلیت کے انحراف اور اس انحراف کے نتیجے میں شقاوت، بدبختی، حیرت و بے چینی اور عذابِ الیم سے بچ سکیں۔!

چناں چہ اسلام نے تقسیم کار کے اصول پر مرد کو مادّی پیداوار اور اقتصاد و سیاست کا ذمّہ دار بنایا — اور —

عورت کو پیدائش، گھریلو نگرانی اور نئی نسل کو صالح بنیادوں پر تربیت دینے کی ذمّہ داری سونپی ہے — اور —

بچوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی فطری پرورش گاہ سے رعایت اور تربیت حاصل کریں — اور خاندانی بنیادوں کو سہارا دیں۔!

لیکن یہ تقسیم کار جبری اور قطعی نہیں ہے۔ البتہ — اس تقسیم میں مرد و عورت کی فطرت اور اُن کی طبعی استعداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

عورت، حمل، ولادت اور رضاعت کے لیے فطری اور حیاتیاتی استعداد رکھتی ہے اور اُس کی نفسیاتی ترکیب نے اس میں جذبۂ عاطفیہ کو زیادہ قوی اور جلد بیدار ہونے والا بنایا ہے۔

اور یہی عورت کا اصل تشخص ہے — لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت گھریلو زندگی سے باہر اور وظیفۂ فطری کے علاوہ کوئی کام انجام دے ہی نہیں سکتی۔ پہلے باب میں آسٹریا کی خاتون ڈاکٹر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ عورت نے مرد کے تمام اعمال میں مساوات کی کوشش کی اور اس کی یہ کوشش کس طرح اس کے حیاتیاتی تشخص پر اثر انداز ہوئی ہے اور اس کے اُمومت کے وظائف کمزور پڑ گئے اور عورت، عورت باقی نہیں رہی اور نہ مرد بن سکی۔ (جو اس کی دلی تمنّا تھی) بلکہ تیسری جنس ہی بننے والی ہے، جو پریشان و بے چین و مضطرب ہے۔

یہ فطرت کی سزا ہے اور فطرت جاہلیت کی حماقتوں کے سامنے سرنگوں نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ فطرت اللہ کی صنعت ہے۔ جس نے ہر شے کو پیدا کیا اور اس کو اپنی فطرت کی طرف ہدایت فرمائی۔

جدید عورت کی تمام باتیں کھوکھلی ہیں یا جو کچھ مرد اس کو کہتا ہے وہ عورت کو اس کی طبیعت سے نکالنا ہے۔ تاکہ مرد کے لیے حصول آسان ہو اور وہ مخلوط معاشرے میں اپنے جذبات کی تکمیل کر سکے۔!

غرض یہ سب باتیں فطرت کا مقابلہ اور کھلی حماقتیں ہیں! فطرت وقت و زمانہ کی پابند نہیں کہ وقت آگے بڑھ گیا اور زمانہ ترقی کر گیا! اگر فطرت کے مقابلہ میں وقت کے پیمانے مختل ہو جائیں تو عورت ـــــ اور اس کے ساتھ مرد اور بچے بھی پراگندگی اور بدبختی کا شکار ہو جائیں۔!

عورت کی بے پردگی سے سارا معاشرہ تباہی اور شقاوت سے ہم کنار ہو گیا۔ ـــــ نہ گھر باقی رہا ـــــ نہ خاندان اور نہ گھر کا سکون!

اسلام تو جاہلیت کی حماقتوں پر چلنے سے رہا!

اسلام نہیں چاہتا کہ عورت اس طرح جاہلیت کے بگاڑ میں ختم ہو کر رہ جائے۔ بلکہ اسلام تو چاہتا ہے کہ عورت سعادت وسکون حاصل کرے۔

چناں چہ اسلام نے عورت کو فطری وظیفہ سپرد کیا ہے اور اس ضمن میں اس کو ہر ممکن کفالت اور صیانت مہیا کی ہے۔

بغیر عمل کے اسلام اس کے رزق کا ضامن ہے۔

اسلام اس کے انسانی احترام کا محافظ ہے۔

اسلام اس کے گھر اور گھر سے باہر کی کوششوں کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے۔

اسلام اس کے اخلاق کا محافظ ہے اور نہیں چاہتا کہ وہ مخلوط معاشرے میں مل کر لوگوں کے لیے فتنہ اور انسانیت کے لیے تباہی کا سبب بنے۔ جیسا کہ دل ڈیورانٹ کہتا ہے۔

مرد تمام گھریلو اخراجات کا مکلّف ہے ـــــ اور اگر عورت کے پاس کوئی سرمایہ ہو تو وہ اس کی بھی مالک ہے اور اس میں تصرّف بھی کر سکتی ہے اور یہ وہ حق ہے جو جاہلیت جدیدہ میں بہت بعد میں تسلیم کیا گیا اور ابھی تک مکمل نہیں ہے ـــــ اور یہ وہ حق ہے جس کے حصول میں مغربی عورت اپنی نسائیت، اپنی فطرت اور اپنا اخلاق بھی کھو بیٹھی ـــــ حالاں کہ اسلام نے ازخود یہ حق عورت کو عطا کر دیا۔!

اسلام کے تمام قوانین وتوجیہات عورت کے احترام انسانی کے کفیل ہیں اور حقِ ملکیت اور حقِ تصرّف بھی اس کے لیے محفوظ ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (النساء:۳۲)

''مردوں کے لیے اُن کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اُن کی کمائی کا حصہ ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (النساء:۱۹)

''اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک ہوجاؤ۔ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقیدمت کرو کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے۔ اس میں کا کوئی حصہ وصول کرلو۔''

اللہ نے انسانوں میں مساوات بھی مقرر فرمائی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ج (النحل:۹۷)

''جوشخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بشرطے کہ ہو وہ مومن۔ اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔''

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ج بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ج (آل عمران:۱۹۵)

''سو منظور کرلیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے جُز ہو۔''

عائلی زندگی میں عورت کا احترام بھی اسلام میں ملحوظ خاطر ہے:

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج (النساء:۱۹)

''اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔''

حتّٰی کہ ناگواری کے حالات میں بھی عورت کا احترام مدّ نظر ہے:

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ٥ (النساء:۱۹)

"اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔"

اس طرح اسلام فکری و عملی، اقتصادی اور اجتماعی طور پر عورت کو اپنی ذمّے داریوں سے سبک دوش ہونے کے لیے فارغ کر دیتا ہے اور اس کے فکری تشخص کو بروئے کار لاتا ہے جس کو جاہلیت جدیدہ نے مساوات کا جھگڑا کھڑا کر کے تباہ کر دیا۔

پھر بھی عورت کے حق میں یہ تقسیم عمل آخری فیصلہ کن نہیں ہے کیوں کہ گھر سے باہر کے کام عورت کے لیے ممنوع و حرام نہیں ہیں۔ لیکن اسلام اس کو صرف ضرورت کے وقت ہی مناسب خیال کرتا ہے۔ خواہ وہ انفرادی ضرورت ہو یا اجتماعی —— بغیر ضرورت اسلام عورت کے گھر سے باہر کے کاموں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔

اور اگر انسانی زندگی کی اجتماعی، اقتصادی، فکری، روحانی اور اخلاقی طور پر اس طرح تشکیل کی جائے کہ عورت زندگی کے ہر میدان میں مرد کی ساتھی ہو۔ تو یہ ایک تباہ کن جاہلی حماقت ہے جس کے نتائج عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں۔ کہ عورت جنس ثالث کی طرف منتقل ہوگی اور اس میں ہر قسم کی عقلی، عاطفی، وجدان، اخلاقی اور جنسی پراگندگی پائی جائے گی اور بچوں کی نسل جو بغیر ماؤں کے نوکروں کے ہاتھوں یا تربیت گاہوں میں پرورش پائیں گے۔ وہ بھی اسی قسم کی پراگندگی اور ابتری کا شکار ہوں گے اور ان عورتوں بچوں سے کل کا معاشرہ وجود میں آئے گا۔!

یہ کہیے کہ ہم تھوڑی سی مادّی منفعت کے لیے خود ہی انسانیت کو تباہی میں ڈال رہے ہیں۔ مادّی منفعت خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو —— وہ جوہر انسانیت کے سامنے بالکل حقیر ہے —— دُنیا کی آج کی ساری مادّی پیداوار اور کل کی الیکٹرونگ مشینوں کی فراہم کردہ مصنوعات ساری کی ساری بھی انسانیت کی قیمت نہیں بن سکتی!

ہرگز نہیں!

اسلام جاہلیت کی حماقتوں کو کبھی بھی درست نہیں کہہ سکتا!

اسلام تو مرد، عورت اور بچوں سب کو صحیح مقام دیتا ہے! اسلامی نظام میں مرد مادّی پیداوار اور سیاست و اقتصاد سے نمٹتا ہے۔ عورت، پیدائش، پرورش، تربیت اور بچوں کی نشو و نما

کے فرائض انجام دیتی ہے ـــــ اور بچے اپنی فطری پرورش گاہ میں پرورش حاصل کرتے ہیں۔ یہ مطمئن خاندان ہے۔ ـــــ جس کے بندھن عورت اپنے عاطفی جذبات سے باندھے ہوئے ہے۔!

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت بوقت ضرورت بھی مادّی پیداوار کے لیے کام نہ کرے۔ ہاں یہ کہ ایسا مشغلہ نہ بننا چاہیے، جس سے طاقتیں تباہ اور اخلاق خراب ہو۔!

پھر مرد و عورت اسلامی نظام میں پاک و نظیف اجتماعی اصولوں کے مطابق گھر میں اور گھر سے باہر ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ ملاقات حیوانی سطح پر لہو و عبث نہیں ہوتی۔ وہ مل جُل کر ایک صالح معاشرہ کے قیام کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔

بغیر کسی مجنونانہ اختلاط کے جس میں مرد و عورت اور نوجوانوں کی قوتیں تباہ اور ان کی صلاحیتیں برباد ہوں۔ اسلامی نظام میں مرد عورت مل جل کر اپنی اولاد کی اسلامی اخلاق پر پرورش کرتے ہیں۔

ذرا جاہلیت جدیدہ کی طرف نظر ڈال کر دیکھیے۔ کتنا وقت، کتنی محنت اور کتنا سرمایہ رقص گاہوں اور مختلف محفلوں پر خرچ ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں سوائے لذّتِ حیوانی اور اخلاقی فساد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔!

سارے معاشرے کے بگاڑ کی بنیاد ہی یہی ہے کہ عورت فساد کا شکار ہوگئی اور یہ فساد مردوں میں اور نوخیز نسل میں سرایت کر گیا۔!

اخلاق معاشرے کے تمام معاملات کی بنیاد ہوتا ہے۔

اسلام اخلاق کا معاملہ لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑتا کہ وہ بھی تغیر و تبدّل اور انحراف قبول کرلے۔!

اسلام میں اخلاق اللہ کا قائم کردہ ہے ـــــ اور یہ اخلاق زندگی کے کسی بھی مرحلے پر قانون سے علیحدہ نہیں ہوتا۔!

جیسے اسلام میں اخلاق اللہ کا قائم کردہ ہے ـــــ اور یہ اخلاق زندگی کے کسی بھی مرحلے پر قانون سے علیحدہ نہیں ہوتا۔!

جیسے اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُلوہیت اور حاکمیت میں منفرد سمجھا جائے۔ اسی طرح اسلام اخلاق کا سرچشمہ بھی اللہ کو قرار دیتا ہے۔

جیسے جاہلیت اللہ کی اُلوہیت اور حاکمیت کے عقیدہ سے منحرف ہوکر اضطراب میں پھنس گئی اور اس کا سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام اختلال پذیر ہوگیا۔ ــــ اسی طرح جب جاہلیت اخلاقیات میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئی تو اس میں بھی اضطراب و اختلال پیدا ہوگیا۔!

کیوں کہ ــــ جب لوگ جادۂ حق سے دُور ہوجاتے ہیں تو ان کی زندگی پر طاغوت حکمراں ہوجاتا ہے۔ اور یہی طاغوت لوگوں کے لیے اخلاقی قوانین بھی بناڈالتا ہے۔

تاریخ کی مادّی تعبیر کہتی ہے کہ اخلاق اقتصادی نظام کا ایک پرتو ہے اور اخلاق انقلاب پذیر ہے۔ جس وقت معاشرے کا اقتصادی ڈھانچہ بدلے گا لازمی طور پر نظامِ اخلاق بھی بدل جائے گا۔

یہ تعبیر اگرچہ مجموعی طور پر غلط ہے۔ لیکن اس میں جُزئی صداقت بھی ہے۔

جاہلیت میں اخلاق فی الواقع اقتصادی نظام کے تابع ہے اور جوں ہی اقتصادیات میں تبدیلی آتی ہے، فوراً اخلاق بھی بدل جاتا ہے۔ کیوں کہ جو طاغوت ایک طبقہ کے مفادات کی خاطر قانون بناتا ہے ــــ وہ اسی طبقہ کے مفادات کے لیے اخلاق بھی گڑھ لیتا ہے ــــ جاہلیت سمجھتی ہے کہ اخلاق اور اقتصادیات میں سبب اور نتیجہ کا رشتہ ہے۔ حالاں کہ ان دونوں کا ارتباط صرف اس وجہ سے ہے کہ دونوں کا تعلق ایک ہی طاغوت سے ہے۔!

اللہ کی صراطِ مستقیم میں بھی سیاست، اقتصاد، اجتماعی اور ــــ اخلاق میں ارتباط پایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں بھی سبب اور نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ارتباط صرف اس لیے ہے کہ یہاں بھی زندگی اور اخلاق دونوں کا مصدر اللہ تعالیٰ ہے۔

ہونا بھی یہی چاہیے ــــ کہ ایک ہی مصدر لوگوں کی تمام زندگی کی تشکیل کرے۔ سیاست ہو یا اقتصاد ــــ اجتماع ہو یا اخلاق ــــ جنسی علائق ہوں یا زندگی کا کوئی اور گوشہ سب کی تشکیل ایک ہی مصدر۔ سے ہونی چاہیے ــــ خواہ وہ مصدر و مرکز اللہ ہو ــــ یا ــــ طاغوت۔!

جب مغرب کی جاہلیت جدیدہ میں اخلاق کا رشتہ اپنے اصلی سرچشمے یعنی اللہ کی صراطِ مستقیم سے ٹوٹ گیا تو اخلاق بھی بگاڑ کا شکار ہوگیا۔!

اگرچہ یہ بگاڑ بہت آہستہ آہستہ رونما ہوا۔ کیوں کہ اخلاق انسانی نفس کی گہرائیوں میں

پیوست ہوتا ہے اور اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتا جب تک انسانیت شدید بحران اور اضطراب سے دوچار نہ ہوجائے ـــــ

لیکن بہر حال بگاڑ رونما ہو کر رہا۔!

پہلے سیاست اخلاق سے جدا ہوئی پھر اقتصاد کا رشتہ ٹوٹا۔ پھر جنسی علائق جدا ہوئے حتّٰی کہ سارا اخلاق نفع پرستی اور خود پسندی کا نام ہوگیا۔

تاریخ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک ہی وقت میں سارا اخلاق تباہ ہوگیا ہو ـــــ کیوں کہ انسانیت ـــــ جس میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہیں ـــــ کبھی بھی کلیتاً شر اختیار نہیں کرسکتی، بلکہ خیر کے اجزاء اس کی زندگی کے مختلف گوشوں میں بکھرے رہتے ہیں۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ شر بڑھتا رہتا ہے۔ حتّٰی کہ خیر پر غالب آجاتا ہے ـــــ اور ـــــ جب شر خیر پر غالب آجاتا ہے تو انسانی معاشرہ زوال پذیر ہوجاتا ہے۔!

اسلام اخلاق کو بھی اس کا طبعی اور مناسب مقام دیتا ہے۔ اسلام میں زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرح اخلاق کا بھی مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس عقیدے کے پیش نظر اخلاق طاغوت کے ہاتھوں میں جانے سے بچ جاتا ہے۔ کیوں کہ طاغوت اپنے وجود کو چھپانے اور انسانیت کے لیے فساد کو سہل بنانے کے لیے اخلاقی حلّت پسندی کو تطور ''ترقی'' کے نام سے پیش کرتا ہے۔

کیوں کہ اسلامی اخلاق اللہ کی جانب سے ہے۔ اس لیے نہ یہ لوگوں کی خواہشات کے مطابق بدلا جاسکتا ہے اور نہ اپنے راسخ اصولوں سے ہٹایا جاسکتا ہے نہ کسی طبقہ کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے اور نہ روز بدلنے والا فیشن بن کر رہ جاتا ہے۔

اور ـــــ چوں کہ یہ اخلاق اللہ کی جانب سے ہے اسی لیے یہ انسانی اخلاق بھی ہے۔ یہ تمام انسانوں سے انسانیت کی بنیاد پر تعامل کرتا ہے نہ قومی مصلحت مدنظر ہوتی ہے اور نہ عصبیت دینی ـــــ اور نہ انحراف کا کوئی اور رنگ ہوتا ہے، جس کا اللہ کے راستہ سے ہٹ کر مغربی اخلاق شکار رہا ہے۔

اس کا انسان سے معاملہ صرف انسانیت کی بنیاد پر ہے۔ اس میں کسی رنگ عنصر طبقہ اور اعتقاد کا فرق ملحوظ نہیں ہے۔

اس اخلاق میں صرف وہ انسان مدِ نظر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مرد وزن سے پیدا فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ

(النساء:۱)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جان دار سے پیدا کیا اور اس جان دار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔''

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ۚ ۙ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝ وَ مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۚ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ یُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۝ (النساء:۱۰۵-۱۱۳)

”بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے واقع کے موافق تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلے کریں، جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجیے اور آپ استغفار فرمائیے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جواب دہی کی بات نہ کیجیے جو کہ اپنا نقصان کرتے ہیں۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنے والا اور بڑا گناہ کرنے والا ہو۔ جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالاں کہ وہ اس وقت ان کے پاس ہے جب کہ وہ خلاف مرضی الٰہی گفتگو کے متعلق تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے۔ ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں۔ سو خدا کے روبرو قیامت کے روز کون جواب دہی کرے گا یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا یا جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے۔ پھر اللہ سے معافی چاہے تو وہ اللہ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا اور جو شخص گناہ کا کام کرتا ہے تو فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں اور جو کوئی شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے۔ سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو تو ان لوگوں میں سے گروہ نے آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو۔ اور آپ کو ذرّہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتلائیں ہیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات:۱۳)

”اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا اشریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

اسلام میں اخلاقی قواعد نا قابل تغیر رہتے ہیں خواہ اقتصادیات و سیاسیات میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ کیوں کہ اس کی بنیاد انسانوں کے درمیان انسانیت کی بنیاد پر مساوات ہے اور یہ کہ انسانوں کی حرمات کا دشمنوں سے تحفظ کیا جائے۔(۱)

اسلامی تاریخ اس اخلاق کے کئی بہتر نمونے پیش کرتی ہے، جس کو سامنے رکھ کر اسلامی اخلاق اور مغربی اخلاق کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ جس مغربی اخلاق کی بنیادیں ذاتی نفع خود پسندی اور کسی طبقہ کا مفاد یا کسی مصلحت کے حصول ہیں۔

ابتدائے اسلام میں جب یہودی اسلام کے خلاف بڑے شد و مد سے نبرد آزما تھے اور اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ عقیدہ اسلامی کو جمنے سے پہلے اکھاڑ پھینکیں۔ دھوکہ فریب اور ہر قسم کی دغا بازیاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کو شک و شبہ میں مبتلا کر رہے تھے اور مسلمان عورتوں پر تہمتیں لگا رہے تھے۔

اس ساری کش مکش کے ساتھ آلات حرب بھی استعمال کیے جا رہے تھے اور جنگ میں وعدہ سے پھر جانا، میثاق کو توڑنا اور مسلمانوں کی بے حرمتی کرنا ان کا عام شیوہ تھا۔!

اس ساری سرد و گرم جنگ کے باوجود جب ایک یہودی پر غلط تہمت لگائی جاتی ہے اور اسے سزا ملنے والی ہوتی ہے تو اسلام اس بات کو قطعاً برداشت نہیں کرتا کہ یہودیوں کی دسیسہ کاریوں کا بدلہ اس یہودی سے لیا جائے۔

بلکہ فوراً آیت نازل ہوتی ہے۔

یہ نو آیات تفصیلی بیان اور شدید و مکرر تاکید کے ساتھ نازل ہوئیں تا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس یہودی کے خلاف فیصلے سے باز رکھ سکیں، جس کے خلاف تمام قرائن موجود تھے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بری تھا اس واقعہ سے اسلام نے وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک رہنے والی ہے — اور جیسی مثال اسلام کے سوا نہیں پائی جا سکتی۔(۲)

یہ تو دینی عصبیت کا میدان تھا — اور —

---

(۱) ''انسانی زندگی میں جمود و ارتقا'' میں ''اسلام اور انسانی زندگی'' کا باب دیکھیے۔

(۲) ''انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء''

داخلی سیاسیات کے بارے میں ہمارے سامنے حضرت عمرؓ کا مؤقف آچکا ہے۔ جب آپ اعدائے اسلام کے خلاف نمٹ رہے تھے۔

اب ایک مثال خارجی سیاسیات کی بھی لیجیے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے حیرہ سے متصل بعض شہر والوں سے معاہدہ کیا اور اس میں یہ تحریر فرمایا کہ ''اگر ہم تمہاری حملہ آوری سے حفاظت کریں تو تم ہمیں جزیہ دو ورنہ نہیں۔''

جب ہرقل نے ان علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکر تیار کیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے شام کے مفتوحہ شہروں کے عمال کو تحریر کیا کہ ان شہروں سے جو جزیہ لیا گیا ہے، واپس کر دیا جائے اور آپؓ نے ان شہر والوں کو تحریر فرمایا۔ ''ہم تمہارا مال واپس کر رہے ہیں کیوں کہ اس وقت ہم تمہاری یہ شرط پوری نہیں کر سکتے کہ بیرونی حملہ کی شکل میں ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ آئندہ ہمارا معاہدہ بحالہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمادے۔''

اس طرح سیاست اخلاق میں داخل ہوتی ہے اور میکیاویلی کا بچاؤ کرنے والا کوئی نہیں رہتا ہے، جو کہتا ہے کہ سیاست کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں۔!

اقتصادیات میں تو جاہلیت جدیدہ کا یہ قطعی گمان ہے کہ اقتصاد اخلاق سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس پر جبری قوانین نافذ ہیں، جن کے بارے میں خیر و شر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ہر چیز کا پیمانہ یہ ہے کہ وہ کس جبری دور سے گزر رہی ہے۔ جب وہ جبری دور ختم ہو جائے تو ناپ تول کا پیمانہ بھی بدل جائے گا اور کل جو شے صالح اور مناسب تھی وہ آج ملعون اور غلط ہو جائے گی اور اس میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں ہے۔!

جاگیرداری اپنے دور میں صحیح ہے اور اپنے امور کا خود ہی پیمانہ ہے۔ جب جاگیرداری دور ختم ہو گیا اس کی جگہ سرمایہ داری کا دور آگیا — تو جاگیرداری مردود و ذلیل قرار پائی۔ اس لیے نہیں کہ نظامِ عدل و انصاف کے خلاف ہے بلکہ اس لیے کہ اس کا دور ختم ہو چکا — اور — سرمایہ داری درست ہے جب تک وہ اپنے طبعی دور میں موجود ہے اور جب سرمایہ داری ختم ہو جائے تو یہاں بھی میزان الٹی ہو جائے گی — اور تاریخ کا چکرّ اسی طرح چلتا رہے گا کہ اخلاق کسی شے کے ناپنے کا پیمانہ نہ ہو!

یہ سب باتیں ترقی، عروج اور بلندی کی ہیں!!

اسلام اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتا کہ لوگوں کی زندگیوں کا کوئی حصہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، جس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہ ہو۔

سود کی حرمت کی بنیاد اخلاق بھی ہے اور اقتصادی بھی۔! اقتصاد اور اخلاق میں نہ قانون نے فرق روا رکھا اور نہ عملی زندگی میں ہے۔!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ○ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ○ (البقرہ:۲۷۹-۲۸۱)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے، تو اشتہار سُن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ کہ معاف ہی کردو تو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے۔ اگر تم کو اس کے ثواب کی خبر ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی پیشی میں لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔“

اس طرح اسلام میں توجیہہ قانون کے ساتھ اور اخلاق اقتصاد اور سیاست کے ساتھ پیوست ہے۔

اللہ نے سود کو حرام قرار دیا اس لیے کہ یہ ایک اقتصادی اور اجتماعی ظلم ہے —— اور —— اس وجہ سے کہ یہ ایک اخلاقی گراوٹ ہے۔ اور دونوں وجہ سود کو حرام قرار دینے میں مساوی ہیں۔ یہ نہیں کہ سود کی حرمت ایک اخلاقی گراوٹ ہونے کی حیثیت سے کم ہو اور اقتصادی ظلم ہونے کی حیثیت سے اس کی حرمت میں اضافہ ہوجائے۔

اسلام سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف جہاد بھی کرتا ہے۔ کبھی یہ جہاد اخلاقی ہوتا ہے کہ لوگوں کو اللہ کے تقویٰ اور اس کے ثواب کی جانب متوجہ کرتا ہے اور کبھی یہ جہاد اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے ہیں ـــــ اور حکومت مسلمہ اپنے تمام سیاسی اداروں اور قضائی نظام کے ساتھ اس کے خلاف نبرد آزما ہو جاتی ہے۔

لیکن سود کے خلاف اخلاقی جہاد اس جہاد سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو قانون اور عقوبت کے ذریعہ اور پورے اقتصادی نظام کو غیر سودی بنا کر ہوتا ہے۔

یہ دونوں طریق کار ایک ہی مبدا سے پھوٹتے ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اقتصاد کو اخلاقی بنیادوں پر قائم کر کے اور اخلاق کو اقتصادی اصولوں سے مربوط کر کے اس دوگانہ اور مکمل طریقے پر اسلام کے پہلے اسلامی معاشرے نے اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد رکھی ـــــ اور انفرادی اور اجتماعی تعامل میں اخلاق پر انتہائی زور دیا!

اسلام نے اپنے اقتصادی نظام میں سود اور اجارہ داری کو حرام قرار دیا، غصب، لوٹ، چوری اور دھوکہ دہی کو حرام کیا۔ مزدور کو پوری پوری اجرت دینے کا حکم فرمایا اور حق کے غلط استعمال سے منع کیا۔

یہ سب اخلاقی اصول ہیں، جن پر اسلام کا اقتصادی نظام قائم ہے۔

اخلاق میں اللہ کی بتائی ہوئی جادۂ حق سے انحراف ہی سے مغربی اقتصاد کو جاگیرداری کے مظالم سرمایہ داری کی مصیبتیں اور اجتماعی نظام کی ہولناکیاں برداشت کرنا پڑی ہیں ـــــ اگرچہ جاہلیت کے مارے ہوئے انسانوں کو ابھی تک اپنی جاہلیت کی سرگرانی سے ہوش نہیں آیا کہ وہ یہ محسوس کر سکیں کہ اپنے اقتصادی نظام میں انھوں نے جس ظلم، زیادتی اور سرکشی کا مزا چکھا ہے۔ اس کا واحد سبب یہی ہے کہ ان کے اقتصادی نظام اخلاقی نہج سے علیحدہ ہو گیا ـــــ اس کے بجائے جاہلیت نے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اقتصاد کے اپنے جبری قوانین ہوتے ہیں، جن کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا!!

اسلام نے اپنے پہلے مثالی دور کے اقتصادی نظام میں اخلاق کا وہ اعلیٰ ترین معیار عملی زندگی میں پیش کیا ہے، جس کی تاریخ عالم نظیر لانے سے عاجز ہے جب ـــــ انصار نے مہاجرین کو اپنے مال میں راضی خوشی بغیر حکومت کے ایما کے شریک کر لیا تھا۔

جب ـــ مسلمانوں نے ـــ اسلامی معاشرے میں اجتماعی کفالت کے ٹیکس زکوٰۃ کی ادائے گی کے لیے بغیر حکومت کے دباؤ کے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ـــ جس میں ان کا مدعا صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا تھا!

جس وقت ـــ انفاق فی سبیل اللہ ـــ زکوٰۃ کی مقررہ حد سے گزر گیا اور صحابہؓ نے اپنا پورا پورا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔!

جب ـــ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو حسب سابق تلاش معاش میں نکلے ـــ مسلمانوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ خلافت کے کام اب آپ کو اس کی مہلت نہیں دیں گے۔ فرمایاؓ۔ میری معاش کا کیا ذریعہ ہوگا؟ اس پر مسلمانوں نے بیت المال سے چند درہم آپؓ کے گھر والوں کے اخراجات کے لیے بطور تنخواہ متعین کر دیئے۔

لیکن ـــ حضرت ابوبکرؓ ـــ ان درہم کو قرض لیتے رہے ـــ اور وفات سے قبل بیت المال کا یہ قرض ادا کر دیا!

جب حضرت عمرؓ کے خادم نے آپؓ کی معمولی سرکاری تنخواہ میں سے جو آپ کو بیت المال سے ملتی تھی ـــ کچھ گھی خرید لیا ـــ تو حضرت عمرؓ نے یہ گھی غریب مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا کہ جب غریبوں کو کھانے کو نہیں ہے تو عمرؓ کو کیسے حلال ہے!!

جب ـــ حضرت علیؓ نے بیت المال سے ایک بوری آٹا لیتے ہوئے اس پر مہر لگا کر فرمایا تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ ''میرے پیٹ میں کس قدر جا رہا ہے''؟! جب ـــ حضرت عمر بن عبد العزیز نے وہ زمین جو ان کو بنو مروان نے دی تھی۔ اور جو بنو امیہ نے بغیر حق لوگوں سے غصب کر رکھا تھا ـــ سب مسلمانوں کو واپس کر دیا۔

پھر اسلام اپنے بعد کے دَور میں بھی جب مسلمان بگاڑ و انحراف میں پڑ چکے تھے ـــ جاگیرداری کے راستے میں حائل ہو گیا اور جاگیرداری عالم اسلامی میں اس ہولناک غیر اخلاقی شکل میں نہیں آئی۔ جس شکل میں وہ یورپ پر مسلط تھی کیوں کہ مسلمانوں میں خواہ کتنا ہی بگاڑ کیوں نہ پیدا ہو گیا ہو لیکن ان کا اقتصادی نظام کلی طور پر اخلاق سے عاری نہیں تھا! جب کہ غیر اخلاقی جاہلی نظام نے اپنی پوری تاریخ میں کبھی ''انسانی نظامت'' کا ذائقہ بھی نہیں چکھا نہ جاگیرداری نہ سرمایہ داری اور نہ ہی اشتراکی نظام کسی میں انسانیت کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے!

ان میں سے کوئی بھی نظام ''اپنے مثالی دور'' میں بھی کوئی نمونہ پیش نہ کر سکا اشتراکی پارٹی ہر اشتراکی ملک میں اپنے لیے عام لوگوں سے کچھ مخصوص حقوق کی مالک ہے!

اشتراکی پارٹی کا کھانا پینا، لباس اور سکونت سب عام لوگوں کے معیار سے نہایت بلند ہے حتیٰ کہ اشتراکی پارٹی کے لیے ادویہ بھی صرف کثیر کے بعد باہر سے درآمد کی جاتی ہیں اور عوام روس کی دواؤں پر گزارا کرتے ہیں۔!

کیوں کہ یہ سارا نظام اقتصادیات کی اخلاقی بنیادوں پر ایمان رکھنے کے بجائے میکیاویلی جاہلیت پر ایمان رکھتا ہے جس میں حصول مقصد کے لیے ہر ذریعہ جائز ہے۔ پھر مقصد بذات خود اخلاقی پیمانہ سے نہیں ناپا جاتا۔

اسلام اللہ کے بتائے ہوئے جادۂ حق اپنے اقتصادی نظام کو اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر استوار کر کے انسانیت کو ہر قسم کے فساد، ظلم اور طاغوت کی حکمرانی سے بچاتا ہے۔ آج جاہلیت جدیدہ کے معاشرے میں جو اخلاق اور چند فضیلتیں پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر سچائی، امانت داری، اخلاص عمل اور استقامت تو یہ سب اسلامی اخلاق ہے جو یورپ نے قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں سے حاصل کیا تھا اگرچہ مسلمان اب اس اخلاق سے بیزار ہو چکے ہیں یہ بات بتا دینا ضروری ہے کہ یورپ میں اس اسلامی اخلاق کی بنیاد ذاتی نفع اور خود پسندی ہے جب کہ اسلامی اخلاق کی بنیاد ''انسانیت'' ہے!

اسلام کا سارا اخلاق انسانیت کی اعلیٰ وارفع بنیاد پر قائم ہے۔ اس میں کسی مصلحت اور عصبیت کا شائبہ نہیں ہے کیوں کہ اسلامی اخلاق فی الحقیقت ''ربانی اخلاق'' ہے، جو تمام انسانوں کے لیے مساوی ہے۔!

انسان جب اللہ کی بنائی ہوئی صراط مستقیم پر چلتے ہیں تو وہ خود بخود اسلام کے اس بلند وارفع اخلاقی معیار کو اپنا لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کی زندگی کے تمام پہلو اخلاق آشنا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی کا کوئی گوشہ اخلاق سے باہر نہیں رہتا کیوں کہ اسلام میں اخلاق کی روش عام ہے زندگی کے کسی ایک پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے!

جنس کے بارے میں گفتگو کے خاص طور پر کئی پہلو ہیں۔!

اس موضوع پر ہم اخلاقی نقطۂ نظر سے بحث نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اسلام میں اخلاق

کا مفہوم حد درجہ وسیع ہے۔ اخلاق کا وہ محدود مفہوم نہیں ہے، جو لوگ سمجھتے ہیں۔ جنسی علائق میں پاکیزگی کا نام اخلاق ہے!

اسلام کی نظر میں انسان مجسمۂ اخلاق ہے۔

انسان کے اپنے رب، اپنے نفس اور لوگوں کے ساتھ تمام روابط اسلام میں اخلاقی بنیاد پر قائم ہیں!

اخلاق صرف جنسی علائق یا معاملات کی حدود میں مقید نہیں ہے بلکہ پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ حتیٰ کہ انسان کے وہ قلبی احساسات بھی جن کو وہ دوسرے سے بیان کرنا پسند نہیں کرتا بلکہ وہ احساسات جن کو وہ اپنے دل میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتا سب کو اخلاق شامل ہے کیوں کہ:

يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰہٰ:۷)

''اللہ تعالیٰ راز اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔''

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ٥ (غافر:۱۹)

''وہ ایسا ہے کہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے، اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔''

مناسب یہ ہے کہ انسان ہر اس بات میں پاکیزگی اختیار کرے جس کو اللہ جانتا ہے۔ اس لیے اسلام میں اس مغربی اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے، جس میں فرد کا انفرادی حیثیت علیحدہ اخلاق ہوتا ہے اور جب لوگوں سے معاملہ کرتا ہے تو دوسرا منافقانہ اخلاق ہوتا ہے۔!

بہر کیف لوگوں نے طویل عرصہ سے اخلاق کا رشتہ جنسی علائق سے جوڑا ہوا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق اخلاقیاتِ جنس کا نام ہے۔!

لوگ اخلاق کے مفہوم کو تنگ کرنے کے اس لیے درپے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اخلاق اپنے وسیع معنی میں پایا ہی نہیں جاسکتا۔ اگرچہ لوگوں کے پاس جنسی علائق میں بھی اخلاق باقی نہیں رہا!

جاہلیت نے اس سلسلہ میں بھی بڑی جدوجہد کی ہے کہ وہ یہ ثابت کردے کہ جنس کا اخلاق سے کوئی تعلق ہے لوگ جنسی معاملات جس طرح جی چاہے کرتے رہیں۔ ان کے اخلاق کو کوئی خطرہ نہیں ہے!

اس سے قبل ہم جاہلی شخصیات کی آراء نقل کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ جب لوگ شہوتوں کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں تو اللہ کی سنّت ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے!

یہاں ہم اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر پیش کر رہے ہیں۔ یہ گفتگو اخلاق کے اس عمومی مفہوم کے ماتحت ہوگی، جو اسلام میں مراد ہے جو پورے اسلامی تشخص کو شامل ہے۔ اور جس کی بنا پر انسان کو دیگر مخلوقات خاص طور پر حیوان سے ممتاز کیا جاسکتا ہے۔!

اسلام فواحشات سے اس لیے منع نہیں کرتا کہ یہ محدود اخلاقی مفہوم کے خلاف ہے۔ بلکہ اس لیے کہ یہ روش انسان کو انسانیت کے بلند مقام سے گرانے والی ہے!

انسان اللہ کا خلیفہ ہے۔ جس نے اللہ کی امانت کے بارگراں کو برداشت کیا جس بارگراں کے اٹھانے سے زمین و آسمان عاجز تھے انسان کو عمارت ارض، خلافت راشدہ کا قیام، عدل وانصاف، صالح سیاست، صالح اقتصاد اور صالح معاشرے کے قیام کے فرائض سونپے گئے اور ان اعلیٰ ترین مقاصد کے لیے انسان کو جہاد کا حکم ہوا کیوں کہ بغیر جہاد کے یہ مقاصد رفیعہ حاصل نہیں ہوسکتے!

اگر انسان جنس کے گڑھے میں گر جائے تو یہ مقاصد کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر کہاں خلافتِ راشدہ اور کہاں جہاد!

پھر تو انسان وحیوان کے درمیان ہی کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور انسان باوجود کوشش کے حیوانیت سے مرتفع نہیں ہوسکتا!

اگر انسان اپنے اصلی مشن سے دست بردار ہوجائے تو کیا اخلاق اپنے وسیع تر مفہوم میں باقی رہ سکے گا!؟

کیا انسان کے پاس اخلاق باقی رہ جائے گا؟ جب انسان شہوت رانی کرتا پھرے گا اور کسی طرح اُس کی آتشِ سوزاں سرد نہ ہوگی اور اس آتش کے سرد کرنے میں انسان اپنی تمام صلاحیتیں کھو بیٹھے گا اور اپنی وہ قوت ارادی ضائع کردے گا، جو اس میں اور حیوانات میں وجہِ امتیاز ہے۔ حتیٰ کہ اس کے وہ فطری ضوابط بھی ماؤف ہوجائیں گے، جو جانوروں کو بھی حاصل ہیں۔

اسلام فواحش کو حرام قرار دے کر انسان کو مکرم بنانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ خلافت کے بلند منصب کے لائق ہوسکے۔!

اسلام فواحشات کو اس لیے حرام قرار نہیں دیتا کہ اللہ کے بندے تنگی میں پڑ جائیں یہ اللہ کا طریقۂ کار نہیں ہے!!

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج:۷۸)

''اس نے تم کو اور اُمتوں سے ممتاز فرمایا اور تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔''

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَo (المائدہ:۶)

''اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر تنگی ڈالیں، لیکن اللہ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک وصاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرمادے تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ قف وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْمًاo يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًاo (النساء:۲۷،۲۸)

''اور اللہ تعالیٰ کو تو یہ تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کم زور پیدا کیا گیا ہے۔''

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (البقرہ:۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ نے کسی جان دار کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔''

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًاo (النساء:۱۴۷)

''اور اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے۔ اگر تم سپاس گزاری کرو، اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فواحشات کو اس لیے حرام فرماتا ہے تاکہ انسانوں کو پاک وصاف کرے۔

اور انہیں انسانیت کے مقام بلند تک پہنچائے انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے مکرم بنایا اور اس کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی:

وَ لَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰهُمۡ فِي الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا۠

(الاسراء:۷۰)

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزّت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا، اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔"

پھر انسان اپنی تخلیق میں بھی منفرد ہے:

اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِيۡنٍ۝ فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ۝

(صٓ:۷۱،۷۲)

"جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹّی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنادوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔"

انسان اپنی اسی خاکی اور روحی فطری ترکیب کی بنا پر نہ تو بے لگام شہوت پرست بن سکتا ہے اور نہ ایسا جسم بن سکتا ہے جس میں روح کا کوئی نور نہ ہو۔!

اسلام کا وضع کردہ اخلاق انسان کے تمام اعمال میں اسی مرکب طبیعت کا قانون ہے۔ اسلام میں اخلاق کوئی قائم بالذّات اور انسانی تشخص سے علیٰحدہ قانون نہیں ہے یہ جو باہر سے انسان کے اوپر مسلّط کیا جائے بلکہ اسلامی اخلاق انسان کی فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔ جس کو خود انسانی طبیعت استوار کرتی ہے۔!

فرشتوں اور جانوروں کے اخلاق ـــــ اگر یہ تعبیر صحیح ہو ـــــ انسانوں کے اخلاق سے بالکلّیہ مختلف ہیں کیوں کہ ہر مخلوق کا اخلاق اسی مخلوق کے تشخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور یہی حال انسان کا بھی ہے۔!

فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہیں جن کے نہ جذبات ہیں اور نہ ارادہ۔ چناں چہ ان کا اخلاق بھی ان کے طبعی مزاج کے مطابق ہے:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (التحریم:٦)

''اللہ تعالیٰ جو ان کو حکم دیتا ہے اس میں نافرمانی نہیں کرتے۔ جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے فوراً بجالاتے ہیں۔''

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ○ (الانبیاء:۲۰)

''شب و روز پروردگار کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ تھکتے نہیں۔''

حیوانات فطری جذبات میں گھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ارادے کے مالک نہیں ہیں، اور فطری ضوابط کے علاوہ کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ اس لیے ان کا اخلاق ان دومحرکات پر لبیّک کہتا ہے اور اس میں کسی فکر اور تدبّر کی ضرورت نہیں۔!

انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کے جذبات بھی ہیں اور ضوابط بھی ـــــ جو اس کی خاکی وروحی مرکب طبعی ترکیب سے اُبھرتے ہیں[1] اور اس کا اخلاق اس کی طبیعت سے اس طرح ہم آہنگ ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے محرکات پر لبیک کہنا چاہے تو اس کی طبیعت کے فطری اور ارادی ضوابط اسے کنٹرول کرتے رہیں۔!

اس طرح انسان کے اعمال نہ تو بلا واسطہ ہو سکتے ہیں اور نہ بے مقصد رہ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اس درجہ گر سکتے ہیں کہ حیوانیت آجائے۔

چناں چہ انسانی اخلاق، تمام اعمال میں محرکات فطری کو پورا کرتا ہے۔ لیکن ان جذبات پر ضبط، اور ان کی تکمیل میں مقصد اور روحانی اشراق ہونا چاہیے۔

انسان کے لیے جنسی علائق میں اخلاق بھی زندگی کے دیگر پہلوؤں کی طرح ہے کہ انسان کے جنسی جذبہ کی تکمیل ''شہوت'' کے معیار پر نہیں۔ بلکہ ''عطف'' کے معیار پر ہے۔ جنس بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ مقصد کے لیے وسیلہ ہے۔ اور قوانین وضوابط اس کو کنٹرول کرتے ہیں تاکہ وہ فرد کی ہلاکت اور جماعت کے بگاڑ کا سبب نہ بن جائے۔

---

(۱) ''نفس انسانی کا مطالعہ'' میں ''مرکب طبیعت'' کا باب دیکھیے۔

اسی طرح زندگی کے تمام اعمال کے لیے اخلاق ہیں، جیسے کھانا، پینا، لباس، رہائش وغیرہ[1]
اس اخلاق سے انسان، انسان بنتا ہے۔ اور اس کے بغیر جانور سے بھی گیا گزرا
ہو جاتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَ
لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝ (الاعراف:۱۷۹)

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ
ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں
کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں
کھو گئے ہیں۔"

اس ہمہ گیر بنیاد پر اسلام جنسی مسائل کو بھی حل کرتا ہے اور انسان کی تربیت بھی کرتا ہے۔
اسلام نہ جنس کو گندگی کہتا ہے نہ اس سے انسانی شعور و احساس کو متنفّر کرتا ہے۔ جس
طرح ہندو دھرم اور مسیحیت وغیرہ کرتے ہیں۔ جو طہارت کے لیے انسانی جسم کو مجبور کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔

اسلام تمام فطری محرّکات اور زندگی کے ہر نشاط کو جائز کہتا ہے۔ لیکن اس پر کچھ قوانین
بھی عائد کرتا ہے اور یہ قوانین جائز حدود میں بھی موجود ہیں۔

اسلام کا یہ جائز و ناجائز کا خط فاصل ہی انسانیت کو ہلاکت سے بچانے والا ہے ——
لیکن یہ جنسی علائق کی پوری اخلاقیات نہیں ہیں —— جو انسان کے لائق ہو۔!!

جائز و ناجائز کا خط فاصل صرف جنس ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ کھانے میں بھی ہے۔
خون، مُردار، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا حرام ہے۔ لیکن باقی
اشیاء بھی علی الاطلاق جائز نہیں ہیں۔ کیوں کہ ضروری ہے کہ طعام چوری، غصب یا اسراف کا نہ ہو۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ (الاعراف:۱۶۰)

"کھاؤ وہ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو بخشی ہیں۔"

---

(۱) دراسات فی النفس الانسانیۃ "نفس انسانی کا مطالعہ" میں یہ ابواب دیکھیے: دوافع اور ضوابط۔ بلند اقدار۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج (الاعراف:۳۱)

''کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔''

اسی طرح طعام کے کچھ آداب بھی ہیں۔

''آدمی جو برتن بھرتا ہے اُس میں پیٹ سب سے بُرا برتن ہے۔ آدمی کے لیے تو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکیں۔''

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔

اس طرح طعام جس گندگی سے بلند ہو کر انسان کے مناسب زندگی کا ذریعہ بن جاتا ہے، جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہوتے ہیں۔

اسی طرح جنس میں بھی کچھ محرمات ہیں:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ (النساء:۲۳)

''تم پر حرام کی گئیں، تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا۔''

لیکن جو جنسی تعلق جائز ہے وہ بھی غیر مشروط نہیں ہے۔ بلکہ طہارت اور نظافت کو برقرار رکھنے کے لیے کئی احکام ہیں:

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ط قُلْ هُوَ اَذًى لا فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ لا وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ج فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ٥ (البقرہ:۲۲۲)

''اور لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے وہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے علیحدہ رہا کرو اور ان سے قربت نہ کیا کرو۔ جب تک وہ پاک و صاف نہ

ہو جائیں۔ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس آ جاؤ جس جگہ سے
خدا تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں
سے اور محبت رکھتے ہیں پاک وصاف رہنے والوں سے۔''

اس کے ساتھ ساتھ وہ اقوال بھی ہیں، جو حس کی شدّت کو کم کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے اس مفہوم کی کئی احادیث نقل فرمائی ہیں۔

پھر انسان کو یاد دلایا کہ جنسی علائق کا ایک خاص مقصد ہے۔

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ ص (البقرہ:۲۲۳) ''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔''

اس آیت میں نسل کُشی کی جانب اشارہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ جنسی تعلق صرف جسمانی تعلق نہیں۔ بلکہ روحانی اور وجدانی تعلق بھی ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا
اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّ رَحْمَۃً ط (الروم:۲۱)

''اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہارے جنس کی
بیبیاں بنائیں۔ تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور
ہمدردی پیدا کی۔''

انسانی توقع کے اس بلند مقام پر جنسی بے راہ روی ایک ایسا عمل بن جاتی ہے، جو انسانیت کے کسی پیمانے پر پورا نہیں اترتا۔ انسان کی کوئی بھی صفت اس عمل میں نہیں پائی جاتی۔ نہ روح کی روشنی، نہ ضبط کی قدرت، نہ مقصد کی فکر اور نہ معاشرے کی خلافت راشدہ کی حدود میں تشکیل ـــــ

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا۔ کیوں کہ یہ عمل اللہ کے خلیفہ کے لائق نہیں۔ یہ وجہ نہیں کہ اللہ بندوں پر تنگی کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال کو بھی حرام کر دیتا ہے، جو فحش کاری میں مدد پہنچائیں۔ چناں چہ اختلاط، تبرّج اور اظہار زینت سب حرام ہیں۔

اسی طرح اللہ نے بُری نظر سے دیکھنے اور بُرے الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ چہ جائے کہ عمل فاحش ـــــ!!

بس ایک صاف ستھرا طریقہ جائز ہے۔ یعنی نکاح!

میں نے دوسری کتابوں میں اس کہانی کو نقل کیا ہے[1] جو یہ کہتی ہے کہ اس قدر نظافت آج ممکن نہیں رہی۔ کیوں کہ آج کل لوگ ترقی یافتہ بیسویں صدی میں جاہلیت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ عالمِ انسان میں ممکن ہے۔ جب کہ انسان انسانیت کے مرتبہ کو حاصل کرلے۔!

اقتصادی اور اجتماعی ضروریات کے بارے میں جس قدر باتیں کہی جارہی ہیں یہ سب وہم باطل ہیں جنھیں جاہلیت بڑا کر کے بتاتی ہے۔ تاکہ لوگ شہوتوں کے بھنور میں پھنس کر اس طاغوت سے غافل ہوجائیں جو ان کی گردنیں دبوچے ہوئے ہے!

اقتصادی اور اجتماعی ضرورت کے نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اجتماعی حکومت۔ روس جو لوگوں کے کھانے پینے اور شادی بیاہ کی کفیل ہے۔ وہ بھی لوگوں کے نکاح کی فکر نہیں کرتی۔ بلکہ لوگ بغیر کسی اقتصادی مجبوری کے جانوروں کی طرح اختلاط کرتے رہتے ہیں۔!

بے شک یہ جاہلیت ہے جو لوگوں کو شہوت میں اس لیے اُلجھا دیتی ہے تاکہ لوگ طاغوت سے غافل ہوجائیں۔

اسلام جہاں جنسی انحرافات کے راستے میں رُکاوٹیں کھڑی کرتا ہے جیسے ہر فطری جذبہ منحرف ہونے سے روک قائم کرتا ہے ـــــ

ـــــ وہاں اسلام نکاح کی سہولتیں بھی مہیا کرتا ہے۔ نکاح کو آسان بناتا ہے۔ اس پر لوگوں کو اُبھارتا اور اسے اللہ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ اور عبادت قرار دیتا ہے۔!

پھر ایک ہی وقت میں راحتِ اعصاب اور راحتِ ضمیر کا بھی ضامن ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اس فطری جذبہ کو دبا کر انسان کے اعصاب کو تھکایا جائے۔ اگرچہ یہ کوشش کرتا ہے کہ معاشرہ صاف ستھرا رہے۔ تاکہ لوگوں کی قوتِ برداشت جواب نہ دے

---

(۱) ''انسان مادّیت اور اسلام کے درمیان'' کا باب ''جنسی شکل''، معرکۂ تقالید۔ جمود و ارتقاء۔

جائے— بلکہ اسلام اس کی سہولتیں فراہم کرتا ہے اور اس میں نظامت کوملحوظ رکھتا ہے تا کہ ضمیر مطمئن رہے اسی طرح اسلام سکون واستقرار کا ضامن ہے — جب کہ —

اِس سے قبل ول ڈیورانٹ کا بیان گزر چکا کہ جاہلیت جدیدہ میں انسانیت کس طرح اپنا نفسیاتی، عصبی اور روحانی اطمینان کھوچکی ہے۔

اسلام عائلی استقرار کی ضمانت دیتا ہے — جب کہ — گزر چکا کہ جب جنس کا اخلاقی بندھن ٹوٹ گیا توکس طرح عائلی نظام کی بنیادیں ہل گئیں اور مردوعورت پراگندہ ہوگئے۔

اسلام بچوں کے لیے ضامن ہے کہ وہ پیار ومحبت کی فضا میں پرورش پائیں— اور انحراف و پراگندگی سے بچ جائیں۔

اسلام جس وقت انسان کوانسانیت کے بلند اور ارفع مقام پر لاتا ہے — اسی وقت اس کی تمام ضروریات وحاجات کی تکمیل کے لیے بھی حل بتاتا ہے —

آرٹ وفن کوبھی اللہ کی بتائی جادۂ حق کے مطابق ہونا چاہیے۔

میں نے اپنی کتاب ''اسلامی فن کا طریق کار'' میں ان لوگوں کی تفصیلی تردید کی ہے۔ جومُنہ بنا کراور ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں کہ فن کا اللہ کی ہدایت سے کیا تعلق۔؟!

ہم پہلے بتا چکے کہ ہم اسلامی طرزِ زندگی کی تفاصیل نہیں پیش کرنا چاہتے۔ بلکہ ہر باب میں رہ نمائی کے لیے چند کلیدی اصول پیش کرنا چاہتے ہیں۔

جس طرح ہم نے گزشتہ صفحات میں سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق، اور جنسی تعلقات کے بارے میں گفتگو کی ہے۔اسی طرح ہم یہاں فن کے بارے میں اسلام کے رویۂ پر روشنی ڈالیں گے۔

فن نشاط بشری ہے۔جس کوانسان اپنی زندگی میں قائم کرتا ہے۔اگر انسان کی ساری دل چسپیاں — سیاست، اقتصاد، اجتماع اور اخلاق اللہ کی ہدایت میں داخل ہوسکتا ہے — اور— اللہ کی ہدایت انسانی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو بلند کر کے انسانیت کے بلند وارفع مقام تک لاسکتی ہے۔تو وہ فن بھی اللہ کی ہدایت کے سایے تلے پروان چڑھ کرانسانیت کے بلند مقام تک آسکتا ہے۔

کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ اگرفن اللہ کی ہدایت کے زیر سایہ۔آ گیا توفن دینی وعظ اور

منبری خطبہ بن جائے گا ـــــ اور انسانیت کی جو تصویر یہ فن پیش کرے گا وہ بڑی پاکیزہ اور صاف سُتھری ہوگی۔

کبھی نہیں ـــــ یہ کہنا جاہلی ذہن کی سادگیٔ فکر ہے۔

فن کا اسلامی طریقۂ کار فن کو اتنی ہی وسعت عطا کرتا ہے ـــــ جتنی وسعت ـــــ اسلام زندگی کے ہر گوشے میں انسان کو دیتا ہے۔

اسلامی طریقۂ کار میں تمام وجود، فن کی جولان گاہ ہے ـــــ اللہ ـــــ کائنات اور انسان سب اسلامی فن کے میدان ہیں۔! یہ تمام پہلو زاویۂ اِسلامی کی گرفت میں آتے ہیں۔ کیوں کہ فن اپنی تمام مختلف شکلوں میں انسان کی اس کوشش کا نام ہے کہ وہ اپنے احساسات میں القاء ہونے والے حقائق وجود کی عکاسی خوب صورت اور موثّر انداز میں کرے۔

انسان کا ـــــ اللہ، کائنات، زندگی، اپنے نفس اور دوسروں سے تعلق ـــــ فن کی جولان گاہ ہے خواہ فن اسلامی منہج کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

جس وقت فن اسلامی طریقۂ کار اختیار کرے گا اس وقت صرف یہ تبدیلی ہوگی کہ انسان کے جملہ تعلقات کو اسلامی نقطۂ نظر اور اسلامی شعور سے دیکھا جائے گا۔

یہ بالکل بدیہی امر ہے ـــــ کہ مسلمان جن احساسات وشعور کی ترجمانی کرے گا وہ قطعاً ان احساسات سے مختلف ہوں گے۔ جو ایک غیر مسلم کے ہوں گے۔

ایک مسلمان کے شعور و احساسات یہ ہوتے ہیں کہ وہ اللہ سے محبت کائنات سے مشارکت، زندگی کے مقاصد کو مدّنظر رکھتے ہوئے زندگی سے محبت اور یہ کہ زندگی دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور انسانوں سے محبت و کش مکش کا تعلق!

وَ لَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ

(البقرہ:۲۵۱)

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعض سے دفع کرتے رہا کرتے تو سرزمین تمام تر فساد سے پُر ہو جاتی۔''

یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ ۚ

(الانشقاق:۶)

''اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کام میں کوشش کر رہا ہے۔ پھر اس سے جا ملے گا۔''

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍؕ (البلد:۴)

''ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے۔''

اسلام یہ نہیں کہتا کہ دُنیا مثالی جنت ہے۔ نہ یہ کہتا ہے کہ انسان کے قدموں کے نیچے نعمتیں بکھری پڑی ہیں۔ بلکہ اسلام کہتا ہے کہ زندگی محنت و مشقت اور کش مکش کا نام ہے۔!

بلحاظ انسان بھی اسلام واقعیت پسندانہ انداز اختیار کرتا ہے۔ وہ انسان سے یہ نہیں کہتا کہ تو فرشتہ ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہے — اور نہ یہ کہتا ہے کہ دُنیا میں سب ہی لوگ صاحبِ عزم ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہتا ہے۔

وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًاo (النساء:۲۸)

''انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔''

اور کہتا ہے۔ ''ہر ابنِ آدم خطا کار ہے۔''

اسلامی طریقۂ کار کو اپنانے والا فن زندگی اور انسان کی غلط تصویر کشی نہیں کرے گا۔ نہ کوئی خیالی شکل بنائے گا اور نہ کوئی چمک دار مثالی صورت دے گا —

فن کا اسلامی طریقہ بھی انسان کی کش مکش، اس کی زندگی کی مشکلات، خیر و شر کے درمیان کشاکش اور ارتقاع و ہبوط کی عکاّسی کرے گا۔!

سوال یہ ہے کہ پھر اسلامی فن — اور جاہلی فن میں کیا فرق ہے۔؟

کئی فرق ہیں —

پہلا یہ ہے — کہ اسلامی فن کی واقعیت اور جاہلی فنون کی واقعیت میں فرق ہے — جاہلی واقعیت کا سر چشمہ انسان کی حیوانی تعبیر ہے۔ جب کہ اسلامی فن کا انسانی تعبیر ہے انسانی تعبیر۔ ترقی و تنزّل، خیر و شر اور خاکی و روحانی تمام پہلوؤں کو حاوی ہے۔

دوسرا فرق مرکزی توجّہ کا ہے۔

اسلامی فن جو تصویر انسانی زندگی بنائے گا۔ اس میں روشن اور تاریک دونوں رُخ ہوں گے — لیکن مرکز توجّہ کون سا رُخ ہوگا!؟

فنونِ جاہلیت ـــــ جو انسان کی حیوانی تعبیر سے مستضاد ہیں۔ تاریک پہلو کو مرکز توجہ بناتے ہیں ـــــ گویا تاریک پہلو انسان کی زندگی پر محیط ہے۔!

تاریک پہلو سے ہم کوئی محدود اخلاقی رُخ مراد نہیں لے رہے ہیں۔ بلکہ تمام امور کو اسلامی نقطۂ نظر سے بیان کر رہے ہیں ـــــ

جب ـــــ انسان کی یہ تصویر بنائی جاتی ہے کہ وہ ضرورت کے سامنے مجبور ہے۔ نہ بلند ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے ـــــ یہ انسان کا تاریک پہلو ہے!

جب ـــــ یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان مادّی جبریتوں کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ان کی غلامی سے آزاد ہونے کی کوئی سبیل نہیں اور ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں ـــــ یہ بھی انسان کا تاریک پہلو ہے۔!

رہ گئے دوسرے انحرافات ان سے بھی اسلامی فن بری ہے!

مسلمان کے احساسات میں اللہ اور انسان کی کش مکش کا کوئی عکس نہیں ہے۔ اس لیے اسلامی فن اس کش مکش کا عکاّس نہیں ہوگا۔ اگر کسی انسان کے نفس میں یہ تصوّر ہو ـــــ تو اسلامی فن اس کو انحراف کی شکل میں پیش کرے گا!

اسلامی فن میں غیر اللہ ـــــ کو الٰہ تسلیم کرنا بھی نہیں ہے۔

فطرت بے شک خوب صورت، محبوب اور بدیع صورتوں والی ہے ـــــ اور انسانی حس اس پر تعجب کرتی ہے ـــــ لیکن فطرت کو الٰہ نہیں بنایا جائے گا۔ جیسے رومانوی تحریک نے بنالیا ـــــ جو کلیسا کے الٰہ سے بھاگ کر کسی نئے الٰہ کی تلاش میں تھی۔ تاکہ رجال دین سے نجات ملے۔

اگرچہ انسان کو عظیم صلاحیتیں حاصل ہیں لیکن انسان الٰہ نہیں ہے۔

انسان کو یہ تمام نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ اور انسان پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شکر نہ کرے، بلکہ کفرانِ نعمت کرے تو اسلامی فن اسے انحراف اور بگاڑ کی شکل میں پیش کرے گا۔!

تاریخ کی مادّی جبریت بھی الٰہ نہیں ہے۔ جیسا کہ جاہلی واشتراکی ادب وفن نے انسان کو مادّی جبریت کے سامنے ذلیل وحقیر بنا کر رکھ دیا ہے۔!

اس کے برعکس اسلامی فن کا میدان بہت زیادہ وسیع ہے اور زندگی کا کوئی معاملہ اسلامی فن کے دائرے سے خارج نہیں ہے۔!

بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسلامی فن کا میدان تمام فنون سے وسیع تر ہے کیوں کہ اس میں اللہ، کائنات، زندگی، انسان اور ان تمام کے درمیان روابط و تعلق مدِّنظر ہیں!

لیکن —— اسلامی فن —— متوازن، نظیف اور اعلیٰ ہے اور اس اعلیٰ ترین مقام پر ہے جو مقام اللہ کے خلیفہ کا ہوسکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس واقعیت سے بھی غافل نہیں ہے کہ انسان زندگی میں خلافتِ راشدہ سے منحرف ہے اور انسان میں فطری ضعف بھی ہے۔

جب —— یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان زندگی میں حیران و سرگرداں۔ اس کے سامنے زندگی کے کوئی معنی ہیں اور نہ مقصد۔ اور نہ اس کے ضمیر کو قرار حاصل ہے۔ اور نہ اسے روشنی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے ——تو یہ انسان کا تاریک پہلو ہے۔!

اور—— جب —— یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان شہوتوں کے غلیظ جوہڑ میں غوطے لگا رہا ہے اور ناک تک ڈوبا ہوا ہے —— اور—— اس گندگی سے باہر آنے کی کوئی صورت نہیں ——تو یہ انسان کا تاریک پہلو ہے۔

بے شک یہ تاریک پہلو انسانی زندگی میں موجود ہے۔ لیکن انسان کے تشخص، اس کی حقیقت، طاقت اور مقاصد کو مدّنظر رکھتے ہوئے یہ پہلو ہمیشہ انسان پر مسلّط نہیں رہتا —— اور نہ یہ انسان کی اصل ہے کہ انسان ہمیشہ اسی حال میں رہے!

اسلامی طریقۂ کار کے زیرِ سایہ ہم وہی واقعیت سامنے لائیں گے جو واقعیت ہم دیکھتے ہیں۔ اللہ کی ہدایت کی روشنی میں جو ہمیں انسان کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ ہماری واقعیت اس ادراک سے مستفاد ہے ہم اس واقعیت پر اس طرح روشنی ڈالیں گے کہ تاریک پہلو ہمارا مرکز توجہ نہیں ہوگا!

تاریک پہلو انحراف کی واقعیت ہے۔ انسان کی واقعیت نہیں ہے۔ انسانی کمزوری کا وقفہ ہے۔ اس کے بعد انسان پھر بلند ہو جائے گا! یا یہ کہیے کہ ——

یہ انسانی کمزوری کا ایسا وقفہ ہے، جو اعجاب و تقدیر کے بجائے افسوس و تاسّف القاء کرتا ہے۔

يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ○ (یٰسٓ:۳۰)

''افسوس بندوں کے حال پر جو رسول ان کے پاس آیا۔ اس کا وہ مذاق ہی اُڑاتے رہے۔''

انسانی کم زوری وضعف۔ بطولت (ہیروازم) نہیں ہے۔ جیسا کہ جاہلیت جدیدہ کے فنون بتلاتے ہیں۔

یہیں راستے علیٰحدہ علیٰحدہ ہوجاتے ہیں —

اسی طرح اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم تمام انسانی زندگی کو محیط ہے۔ یہ سیاست، اقتصاد، اجتماع، اخلاق، علائق جنسی اور فن۔ غرض زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہے۔

انسان کی نشاط اور دل چسپی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، جو اللہ کی ہدایت سے باہر ہو — اور اللہ کی ہدایت ہی — وہ واحد طریقۂ زندگی اور اسلوب حیات ہے، جو ہر قسم کے نقص، قصور اور بگاڑ سے پاک ہے!

— اللہ کی ہدایت اور اُس کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کے علاوہ ہر راہ جاہلیت کی راہ ہے — اور ہر جاہلیت اپنے دامن میں شر، فساد، شقاوت اور عذاب الیم لیے ہوئے ہے۔

حیاتِ انسانی میں اعتدال آ ہی نہیں سکتا۔ جب تک لوگ اللہ کی طرف رجوع نہ ہوں۔ اس پر ایمان نہ لے آئیں اور اس کے قانون کو عملاً اپنی زندگی میں نافذ نہ کرلیں۔!

وَ لَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَ لٰكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ○ (الاعراف:۹۶)

''اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انھوں نے تو جھٹلایا۔ لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انھیں پکڑلیا، جو وہ سمیٹ رہے تھے۔''

اب لوگوں کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں۔

یا ـــ تو ایمان لائیں ـــ اور اللہ سے ڈریں ـــ تا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دے۔

یا ـــ تکذیب کریں ـــ اور اللہ تعالیٰ انھیں ان کے اعمال کی سزا میں پکڑ لے!

مندرجہ بالا حقیقت کے عیاں اور روشن ہونے کے باوجود اور ان تمام حقائق کے باوجود ہم نے گزشتہ فصلوں میں بیان کیے ہیں ـــ جاہلیت ـــ بدستور تاریکیوں میں بھٹکتی رہے گی۔ اور کبھی بھی جاہلیت کو یہ موقع میسّر نہ آسکے گا کہ وہ تاریکیوں سے نکل کر تمام امور کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے اور دیکھے کہ اس کے ہاتھوں دُنیا میں کس قدر فساد اور تباہی برپا ہو چکی ہے اور جاہلیت کی ماری ہوئی انسانیت کس طرح مؤثر اور سریع علاج کے لیے تڑپ رہی ہے۔!

بلکہ صورتِ حال اس سے بھی زیادہ بدترین ہے۔

اور وہ یہ کہ ـــ اسلام ـــ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم ـــ نہ صرف یہ کہ لوگوں کی زندگی سے کلّیتاً خارج ہے۔ بلکہ یہ کہ جاہلیت کے مارے ہوئے انسان اسلام کو ناپسند بھی کرتے ہیں۔!

اِسلام کیوں ناپسند ہے؟!

اسلام —— مکمل جادۂ حق اور ہر کجی اور انحراف سے بری ہے۔

یہ وہ نظام ہے جو ہر انسان کو پیش آنے والے ہر ہر مسئلہ کا ٹھیک حل پیش کرتا ہے اور ہر مشکل کو حق و انصاف سے حل کرتا ہے۔

یہ وہ اسلوبِ حیات ہے —— جو نفسِ انسانی کی تمام منتشر صلاحیتوں کو یکجا کر کے ایک مقصدِ عظیم کے حصول میں لگا دیتا ہے۔ اس طرح نہ انسان کی صلاحیتیں مختلف مقاصد میں بٹتی ہیں اور نہ اس کی دل چسپی متعدد امور میں تقسیم ہوتی ہے۔

یہ وہ طرزِ زندگی ہے، جو انسانیت کو شقاوت و عذاب اور حیرت و اضطراب سے نجات دلاتا ہے۔!

کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ لوگ اِس طرزِ زندگی کو ناپسند کرتے ہیں —— اور جتنا ان کو اس کی طرف بُلایا جاتا ہے اسی قدر وہ دور بھاگتے ہیں۔

جی نہیں! اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ بالکل طبعی امر ہے! کیوں کہ —— تاریخ کے ہر دَور میں جاہلیتیں اسلام کو ناپسند کرتی رہی ہیں اور اس لیے ناپسند کرتی رہی ہیں —— کہ اسلام —— اسلام ہے!

جس قدر جاہلیت سرکش اور اللہ سے دور ہوگی۔ اسی قدر وہ اللہ کی نازل کردہ راہِ حق سے متنفّر ہوگی۔!

جب —— جاہلیت جدیدہ —— تاریخ کی تمام جاہلیتوں میں سب سے زیادہ سرکش ہے —— تو یہ طبعی امر ہے کہ اس کی اسلام سے نفرت بھی تمام جاہلیتوں سے زیادہ ہوگی۔!

جاہلیت اسلام سے اس لیے نفرت نہیں کرتی کہ جاہلیت اپنے دل میں —— اسلام کا حق اور بھلائی محسوس نہیں کرتی —— یا—— جاہلیت یہ سمجھتی ہے کہ جس باطل زندگی کو وہ گزار رہی ہے۔ وہ اسلام سے زیادہ درست اور صحیح ہے۔!

نہیں —— بلکہ جاہلیت اسلام کو یہ جانتے بوجھتے ناپسند کرتی ہے کہ اس میں حق بھی ہے اور خیر بھی —— اور اسلام زندگی کے بگڑے ہوئے معاملات کو سنوار سکتا ہے۔

جاہلیت اسلام سے اس لیے متنفّر ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ زندگی میں بگاڑ رہے اور تمام معاملات اسی بگاڑ اور کجی کے ساتھ چلتے رہیں ان میں استقامت نہ آنے پائے۔

جاہلیت اسلام سے اس لیے متنفرّ ہے کہ وہ جاہلیت ہے اور یہ اسلام ہے۔

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى

(حٰمٓ سجدہ:۱۷)

''رہے ثمود تو ان کے سامنے ہم نے راہِ راست پیش کی۔ مگر انھوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔''

یہ مثال جاہلیت کا ہمیشہ کا موقف ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍo قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo (الاعراف:۵۹،۶۰)

''ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا اے قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا۔ ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔''

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَo قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ (الاعراف:۶۵،۶۶)

''اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اور اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ جواب میں کہا ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں۔''

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط...قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ٥ (الاعراف:۷۳-۷۶)

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے...ان بڑائی کے مدعیوں نے کہا۔ جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔''

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ٥ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ٥ وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ج اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ٥

(الاعراف:۸۰،۸۲)

''اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے بڑے پاک باز بنتے ہیں۔''

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط...قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ط (الاعراف:۸۵-۸۸)

''اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہ نمائی آ گئی ہے... اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملّت میں واپس آنا ہوگا۔''

یہ ایک ہی کہانی ہے جو تمام تاریخ میں دُہرائی جاتی رہی۔ جاہلیت کا ایک ہی معاملہ ہے جو ہمیشہ اسلام کے ساتھ رہا ہے۔

فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حٰمٓ السجدہ:۱۷)

''ان کے سامنے ہم نے راہ راست پیش کی مگر انہوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔''

کوئی تعجب نہیں اگر جاہلیت جدیدہ اسلام سے نفرت کرتی ہے۔ کیوں کہ تاریخ میں جاہلیت کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ جاہلیت اسلام سے نفرت کرتی ہے اور کسی صورت میں اس کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اور ہر اس شخص سے بھی نفرت کرتی ہے جو اسلام کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسلام کی طرف بلانے والوں کو آزادیٔ رائے اور آزادیِ اعتقاد! کے اصول کے ماتحت زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دیتی:

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ط

(الاعراف:۸۵-۸۸)

''اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی رہ نمائی آ گئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور زندگی کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو۔ اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دُنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے اس سے کہا کہ اے شعیب تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملّت میں واپس آنا ہوگا۔

کبھی نہیں۔ جاہلیت کے متوالے ان صلح جو داعیوں کو بھی زندہ رہنے کا حق نہیں دیں گے جو کہتے ہیں:

فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا ج وَ ھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ○

(الاعراف:۸۷)

''انتظار کرو حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ وہ ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

جاہلیت کا یہ موقف اتفاقیہ نہیں ہے۔ بلکہ اس موقف کے کئی اسباب ہیں:

جب پہلے پہل اللہ کے قانون اور عقیدے سے انحراف شروع ہوتا ہے تو بڑی معمولی

شکل میں ہوتا ہے اور مومنین سے پوشیدہ رکھ کر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس وقت مؤمنین ہی غالب قوت ہوتے ہیں اور اللہ کا دین نافذ ہوتا ہے۔

اور کبھی انحراف 'بری نیت' سے ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ منافقین اسلام میں داخل ہوکر عقیدہ کی عمارت ڈھانے کے لیے موقعہ کے منتظر رہتے ہیں۔

لیکن ابتدا میں یہ انحراف بڑا معمولی ہوتا ہے اور پوشیدہ رہتا ہے۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے انحراف بڑھتا جاتا ہے —— اور لوگوں کے دلوں میں عقیدہ سے انحراف کو خوشنما بنا بنا کر پیش کرتا ہے اور صراط مستقیم نے نور کو دُھندلا کر اور صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے قلوب کو افسردہ کر کے انہیں ایسا بنا دیتا ہے کہ پھر ان کی نگاہیں نور دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں۔

اسی وقت زمین میں فساد پھیلنا شروع ہوجاتا ہے اور ''طاغوت'' سر اُٹھانے لگتا ہے۔

پھر اللہ کے دین سے دوری بڑھتی رہتی ہے اور لوگوں میں بگاڑ بڑھتا رہتا ہے۔

حتّٰی کہ لوگوں کی زندگیوں میں اللہ کا قانون نافذ العمل نہیں رہتا۔ —— اور طاغوت کی حکمرانی شروع ہوجاتی ہے۔

اس وقت جاہلیت کسی ایسے شخص کی پکار نہیں سنتی جو اس کو اللہ کی طرف بُلائے۔ بلکہ ہر داعی کی دشمن ہوجاتی ہے۔ بلکہ جاہلیت داعیانِ حق کے خلاف شدید ترین جنگ برپا کر دیتی ہے اور جوں جوں 'داعی' حق کی طرف بُلاتے جائیں گے اتنا ہی جاہلیت ان کے خلاف جنگ میں شدّت بڑھتی جائے گی۔ حتّٰی آں کہ یا تو ان داعیانِ حق کو سرزمینِ وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے گا یا اُن کا خون بہایا جائے گا۔!

جب یہاں تک نوبت پہنچ جائے تو لوگ کسی سادگی اور ناواقفیت کی بنا پر اسلام کے دشمن نہیں ہوتے —— بلکہ اس دشمنی کا حقیقی سبب یہ ہوتا ہے کہ جاہلیت کو خطرہ ہوتا ہے —— کہ اگر اسلام آ گیا تو جاہلیت، اس کی مصالح شہوتیں اور انحرافات سب مٹ جائیں گے —— کیوں کہ جاہلیت کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جادۂ حق سے کس قدر منحرف ہوگئی ہے۔ اور ہوائے نفس کی حکمرانی اور شہوتِ نفس کی غلامی کس درجہ بڑھ گئی ہے —— اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر اسلامی نظام برپا ہوجائے تو اسے کس قدر مصالح اور منافع سے دست بردار ہونا پڑے گا۔!

اس لیے جاہلیت اسلام سے متنفّر ہے اور اسلام کے خلاف اس کا موقف معاندانہ اور

جنگ جو یانہ ہے۔ اس مؤقف میں متکبرین اور کم زور سب برابر ہیں۔ کیوں کہ ان سب کی جاہلیت کے ساتھ کچھ منافع، کچھ مصالح اور شہوتیں وابستہ ہیں ـــــ اور یہ لوگ نہیں چاہتے کہ اسلام کو اپنا کر یہ اپنے منافع سے دست بردار ہو جائیں کیوں کہ اسلام تمام مصالح فاسد، منافع منحرفہ اور شہوتوں کی راہ میں قائم کر دیتا ہے۔!

اس بیان سے بہ خوبی یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جاہلیتِ جدیدہ اسلام کی کیوں دشمن ہے؟!

جاہلیت جدیدہ کا مؤقف اسلام کے بالمقابل دشمنی اور عداوت ہے ـــــ مشرق ومغرب میں ہر جگہ ـــــ بلکہ ان ممالک میں بھی جو اپنے آپ کو ''اسلامی ممالک'' کہتے ہیں! جاہلیت کا موقف یکساں ہی ہے۔

یورپ وامریکہ میں جاہلیت کا یہ موقف بالکل واضح ہے۔

یورپ تو دین کو ناپسند کرتا ہے ـــــ اور عقیدہ سے ـــــ اور عقیدہ کے واقعیاتی زندگی پر چھا جانے سے متنفّر ہے ـــــ اور خاص طور پر اسلام تو بہت زیادہ ناپسند ہے ـــــ اسلام کے خلاف تو ایسی خوفناک جنگ برپا کی ہوئی ہے جس کا تصوّر بھی مشکل ہے!

مطلقاً مذہب سے نفرت کے اسباب تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

کانسٹنٹائن نے پوری رومی سلطنت میں مسیحی مذہب کو لازمی قرار دے دیا تھا ـــــ دین مسیحی میں کچھ بت پرستانہ خیالات بھی داخل کر دیئے گئے تا کہ بُت پرستوں کو دین مسیحی اپنانا آسان ہو[1] جب یہ ملغوبہ لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گیا تو اسرار دین کا کلیسا دعوے دار بن بیٹھا اور لوگوں کو کہا کہ وہ ان اسرار کو بلا سمجھے تسلیم کر لیں ـــــ اور اللہ تک پہنچنے کے لیے کلیسا کا وسیلہ ضروری قرار پایا۔

پھر اس ذریعہ سے کلیسا اپنے اقتدار کو وسیع کرتا رہا ـــــ

لوگوں پر تاوان لگائے گئے۔ اور ـــــ

ان کو خلافِ فطرت رہبانیت کی دعوت دی گئی!

اور کچھ وقت بعد ـــــ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبادت وطہارت کے مراکز کلیسا میں اللہ کے ''مقدّس بندے'' بھیانک جرائم میں ملوّث ہیں۔!

---

(۱) دیکھیے صفحہ ۳۲ وریبر کا بیان۔

پھر ''مغفرت ناموں'' کا کھیل کھیلا گیا، جس سے لوگوں کے دلوں سے مذہب کا رہا سہا احترام بھی ختم ہو گیا۔!

پھر جب کلیسا علم کے مخالف ہوا۔ اور سائنس دانوں کو آسمانی حکم پر چلایا گیا تو یورپ میں قیامت برپا ہو گئی۔!

یہ ہے وہ طریقِ کار جس نے یورپ میں مذہب و سائنس کو علیٰحدہ علیٰحدہ اور مذہب و زندگی کے راستے جُدا جُدا کر دیئے۔

یورپ کلیسا کے مذہب سے متنفّر ہو کر آہستہ آہستہ مذہب ہی سے کنارہ کش ہوتا چلا گیا۔

جب اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم سے حاصل کردہ روشنی پر ''تحریک احیاء'' شروع ہوئی تو وہ کلّیتاً مذہب دشمن بنیادوں پر قائم ہوئی۔

یورپ کے پاس کلیسا دشمنی کا تو کوئی عذر ہو سکتا ہے — لیکن مذہب دشمنی کے لیے کیا عذر ہے۔؟

غرض یورپ کلیسا اور کلیسا کے مذہب سے بھی متنفّر ہو گیا اور اسلام سے بھی اُس کا کفر بڑھ گیا۔ جب کہ اسلام ہی نے اسے تہذیب آشنا بنایا اور علم دے کر تاریکیوں سے روشنی میں لایا۔(۱)

اگر یورپ کے پاس کلیسا دشمنی کے لیے کوئی عذر موجود ہے تو اس بات کا کیا عذر ہے کہ روح صلیبی نے اسے اسلام کے بالمقابل لا کھڑا کیا۔ جب کہ یورپ بہ خوبی واقف تھا کہ اسلام ہر قسم کی خیر اور اس کی تہذیب کا مصدر ہے۔!

یہودیت — نے جب سے اللہ سے اپنے میثاق کو توڑا اور اس کی ہدایت کو ٹھکرایا تھا اسی وقت سے ہر نئی دعوت کے خلاف گھات لگائے بیٹھی تھی۔

چناں چہ —

جب یورپ کی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد کلیسا دشمنی پر رکھی گئی۔ یہودیت نے فوراً بھانپ لیا کہ وقت آ گیا ہے کہ مسیحیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ پس یہودیت نے مذہب دشمنی کی کھائی کو مزید وسیع کرنا شروع کر دیا — اور —

جب ڈارون اپنے نظریات کے ساتھ کلیسا کے مقابلہ پر آ گیا۔ عالمی یہودیت بھی

---

(۱) دیکھئے صفحہ ۳۶،۳۵ پر بریولٹ مصنف "Making of Humanity" کا بیان

اپنے تین علماء ـــــ مارکس، فرائڈ اور ڈرکایم ـــــ کو لے کر مذہب کی بنیادیں ہلانے کے لیے میدانِ کارزار میں کود پڑی[۱] اور مسیحیت کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کے اخلاقی بگاڑ کو رواج دیا۔ اور قوموں اور افراد کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی عالمی یہودیت مشرق و مغرب کی سیاست پر مسلّط ہوتی گئی ـــــ چناں چہ بیک وقت سرمایہ داری اور اشتراکیت پر یہودیت کا غلبہ ہو گیا۔!!

پھر صلیبی اور صیہونی مشترک عداوت اپنی پوری تن دہی اور سختی کے ساتھ عالمِ اسلام کی طرف متوجّہ ہو گئی۔

چناں چہ صلیبی یورپ نے ـــــ یہودیوں کے سرمایہ کے بل بوتے پر دنیائے اسلام کو اپنے استعمار کا شکار بنا لیا اور اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کیے مشنریاں قائم کیں مسلمانوں کے سامنے اسلام کو شکلیں بگاڑ کر پیش کیا۔ اخلاق کو برباد اور بالآخر ایک ایسی نسل تیار کی جو اسلام سے متنفّر اور مغرب کی ذہنی غلام تھی۔ اسی نسل کو اسلامی ملکوں کا اقتدار سونپ دیا گیا اور انہوں نے بھی اسلام کو ختم کرنا شروع کر دیا[۲]

یہاں پر اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلامی دنیا کے خلاف صلیبی صیہونی سازش نے کس قدر مکر و فریب سے کام لیا ہے۔ ہاں صرف ہم عصر مستشرق ولفرڈ کانتول اسمتھ کی کتاب ''موجودہ دور میں اسلام'' Islam in Modern History کے صفحہ ۱۰۴ اور ۱۱۳ کی طرف توجہ دلاتے ہیں، جہاں مصنف نے تحریر کیا ہے:

> ''مغرب اپنی تمام تر جنگی، فکری، علمی اور اقتصادی طاقتیں اسلام کے خلاف استعمال کر رہا ہے اور وہ عالمِ اسلام کے قلب میں اسرائیل کو ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے ماتحت وجود میں لایا ہے۔''

یہ شہادت یورپ کی اسلام کے خلاف عداوت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ عالمِ اسلام میں اسلام دشمنی کسی قدر یورپ سے مختلف پیمانے پر ہے۔ لیکن آخر کار اِس کا سرا ابھی یورپ ہی سے ملتا ہے جیسا کہ ہر جاہلیت دوسری جاہلیت سے تعاون کرتی ہے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی کونے

---

(۱) ''جمود و ارتقاء'' میں تین یہودیوں کا باب دیکھیے۔

(۲) دیکھئے کتاب ''کیا ہم مسلمان ہیں۔'' باب ''مقامی اسباب۔''

میں پائی جاتی ہو۔ اگرچہ نشانیاں اور علامتیں علیٰحدہ علیٰحدہ ہوتی ہیں جن سے ایک جاہلیت دوسری سے ممتاز ہوتی ہے۔

آج اسلامی دُنیا میں اسلام اتنا ہی غریب و اجنبی ہے، جس قدر وہ جزیرہ نمائے عرب کی جاہلیت میں اپنے ابتدائی دور میں تھا!

بلکہ آج کے جاہلی اسلام سے زیادہ متنفّر ہیں۔!

ہم عالمِ اسلام کے مختلف گروہوں کے بارے میں بیان کریں گے کہ وہ کیوں اسلام کو ناپسند کرتے ہیں۔

آج عالمِ اسلام میں بسنے والے لوگوں کی اسلام دشمنی مختلف گروہ اور متنوع اقسام میں بٹی ہوئی ہے۔

''عالمِ اسلامی'' کی کوئی بھی سرکش طاقت — خواہ یہ طاقت اسلام کے خلاف کھلّم کھلّا جنگ کر رہی ہو — یا بظاہر رویّہ مفاہمانہ ہو اور اندرون خانہ اسلام دشمن ہو — ان میں سے کوئی بھی سرکش اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور اس کا ایک سادہ سا سبب ہے اور وہ یہ کہ اسلام انسانیت کا رشتہ اللہ سے جوڑتا ہے۔ جب کہ دوسری طاقتیں اللہ کے سوا کسی اور سے تعلق قائم کرتی ہیں۔

تاریخ کی ہر سرکش طاقت اسلام کے بالمقابل اسی طرح شکست کھاتی رہی ہے۔ خواہ اس کی جنگ اسلام کے عقیدہ کے ساتھ ہو یا اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ ہو۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ عالم اسلام کی یہ سرکش طاقتیں بذاتِ خود قائم نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو صلیبی استعمار اور یہودی سازش نے سہارا دیا ہوا ہے تا کہ اس طرح وہ اسلام کا خاتمہ اور مسلمانوں کو تباہ کرسکیں۔!

عالمِ اسلام میں ایک طبقہ ''دانشوروں'' کا ہے، جو صلیبی اور صیہونی مکر و فریب کا شکار اور اسلام کا اصل دشمن ہے کیوں کہ ان دانشوروں کو سامراج نے اپنی خاص نگرانی اور توجّہ کے ساتھ اپنی ان تعلیم گاہوں میں تیار کیا ہے۔ جن کا مقصد مسلمانوں میں ایک ایسی نسل تیار کرنا ہے جن کو حقیقتِ اسلام سے ذرا بھی مس نہ ہو اور اس کے بہ جائے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کردیئے جائیں۔!

مسلمانوں کی اس نسل کو یہ تعلیم دی گئی کہ اسلام پسماندگی، تنزّل اور رجعیت ہے۔ ترقی اور تہذیب کا راستہ صرف یہی ہے کہ مذہب سے دامن چھڑایا جائے۔ زندگی کی تگ و دَو میں مذہب کو ذرا دور ہی سے رکھا جائے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں، سیاست، اقتصاد، اجتماع پر اس کے اثر انداز ہونے کے مواقع کو بالکل ختم کر دیا جائے اور زندگی کی ہر تعبیر و مفہوم اسلام کے بجائے اس کا صلیبی اور صیہونی مفہوم اپنایا جائے۔

اس نسل کو یہ تلقین کی گئی کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے اور طاقت اور تہذیب اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب مذہب کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔!

اپنی کند ذہنی اور بے وقوفی کی بنا پر دانشور جاہلیت جدیدہ کے مسموم چشموں سے سیراب ہوتے رہے۔ حتّٰی کہ ان کے نفع و نقصان کی فطری حِس بھی ختم ہوگئی اور یہ شعور بھی باقی نہیں رہا کہ صرف علم کا حصول جو بلا شبہہ ایک تمدّنی ضرورت ہے —— اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے منحرف افکار کا اپنا لینا دو علٰیحدہ علٰیحدہ شے ہیں۔ اور یہ فکری انحراف ہی ہے جو عالمِ اسلام کو گھُن کی طرح کھا کر ختم کر رہا ہے اور دھیرے دھیرے اسے تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔

اپنی کُند ذہنی اور بیوقوفی کی بنا پر یہ دانشور نہ صرف اسلام دشمن ہو گئے۔ بلکہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے تمام صلیبی اور صیہونی ہتھیار لے کر نکل آئے۔

لکھنے والے فنکار، افسانہ نویس، ریڈیو، سنیما اور ٹیلی ویژن کے آرٹسٹ تمام اسلام کے دشمن ہیں اور اسے ناپسند کرتے ہیں۔

ان کی ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ جو تجارت یہ کر رہے ہیں وہ تمام کی تمام اخلاق کی بربادی، بے حیائی کی اشاعت اور مرد و زن کے اختلاط کے گڑھ ہیں —— یہ بات ان آرٹسٹوں کو بھی معلوم ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تجارت حرام ہے اور اگر اسلام آ گیا تو ظاہر ہے کہ وہ اِس گندگی کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ یہ تجارت اتنی ہی گندی اور نجس ہے جتنی عصمت فروشی،! یہ لوگ اِن باتوں کو بہ خوبی سمجھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ صرف جاہلیت ہی اس گندگی کو برداشت کر سکتی ہے۔ اور اس طرح ان کی منافع خوری اور لذّت پرستی کے مواقع مہیّا کر سکتی ہے۔ لیکن اسلام اپنی نظافت اور بلند اخلاق کی بنا پر نہ وہ ان لوگوں کو برداشت کر سکتا ہے نہ ان کی

نفع اندوزی کی کوئی ضمانت دے سکتا ہے — بس اسی لیے یہ طبقہ اسلام کو ناپسند کرتا ہے۔!

رہ گئی جوان نسل جس کے سامنے بے حیائیوں کے دروازے چوپٹ کُھلے پڑے ہیں اور ان کی تمام زندگی کا ماحصل، ایک رقیق نغمہ، ایک فحش افسانہ، ایک عریاں رقص اور — ایک جنسی تلذّذ کا لمحہ — بن گیا ہے — ظاہر ہے انھیں بھی اسلام ناپسند ہے۔!

یہ اسلام کو اس لیے ناپسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ خوب اچھی جانتے ہیں کہ ان کی تمام بے راہ روی اور شہوت رانی مذہب سے دور رہ کر ہی ہوسکتی ہے — کیوں کہ اللہ کا دین پاکیزہ ہے۔ وہ اس گندگی کو نہیں برداشت کرسکتا اور یہ طبقہ چاہتا ہے کہ اس گندگی میں پڑا رہے۔ اور ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے... کہ اس بدکاری سے گزشتہ اقوام کس انجام کو پہنچیں — اور آج بعض قومیں کس انجام سے دو چار ہیں۔ انھیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ کیوں کہ دُنیا کی تخریب پسند قومیں ان کے اخلاق کی بربادی اور ان کے دین وایمان کی تباہی کا ایک بڑا پروگرام اپنے سامنے رکھتی ہیں۔ اور اس پروگرام کی منظوری صلیبی اور صیہونی دُنیا سے مل چکی ہے۔ اور اب یہ نوجوان نسل شہوت رانی اور لذّت پرستی میں اتنی منہمک ہوچکی ہے کہ وہ اب صحیح زندگی کی طرف نہیں آسکتے۔ چناں چہ یہ بھی اسلام کو ناپسند کرتے ہیں!

عالمِ اسلام میں ''آزادیٔ نسواں'' ایک اہم مسئلہ رہا ہے جس کے لیے صلیبی سامراج اور صیہونی سازش نے پوری ایک صدی تک جدوجہد کی ہے۔!

''عالمِ اسلام پر حملہ[1] (La Conquete Du Monde Musulman) نامی کتاب —

یہ کتاب دراصل آج سے پچاس سال قبل کا ''مجلّہ عالم اسلامی'' کا ایک خاص شمارہ ہے — یہ مجلّہ فرانس سے نکلتا ہے جس کا مقصد اسلامی دنیا میں مشنری کام کا جائزہ لینا ہے — اس کتاب کے صفحہ ۴۸ پر تحریر ہے کہ:

''مشنری کوششوں کے دو مقاصد ہیں۔ ایک نوجوانوں کو عیسائی بنانا اور دوسرے تمام مسلمانوں میں مسیحی افکار کی اشاعت۔''

اسی کتاب کے صفحہ ۴۷ پر ہے

''مشنری اگر اپنی تحریکات کے آثار کم زور دیکھیں تو اس سے ناامید نہ ہوں۔ کیوں کہ

---

(۱) اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے۔ عربی میں ترجمہ جناب مساعد یافی اور محبّ الدین خطیب نے کیا۔

یہ بات بالکل سامنے آ چکی ہے کہ مسلمانوں کو مغربی علوم اور آزادیِ نسواں کی چاٹ پڑ چکی ہے۔''

صفحہ ۸۸ اور ۸۹ پر لکھنؤ اور قاہرہ کی مشنری کانفرنسوں کے طے کردہ لائحہ عمل ہیں۔

لکھنؤ کانفرنس جو ۱۹۱۱ء میں ہوئی اس میں یہ دونکاتی لائحہ عمل منظور ہوا ـــــ

(۱) موجودہ حالات کا مطالعہ

(۲) تعلیم نسواں اور مشنریوں کی تعلیم کے لیے کوشش

قاہرہ کانفرنس (۱۹۰۶ء) نے جو پروگرام منظور کیا۔ اس کا ایک نکتہ درج ہے:

(۳) مسلم خواتین میں اجتماعی اور نفسیاتی ارتقاء ـــــ

یہ طریقہ کار تھا جو مسلم خواتین کی آزادی کے لیے مشنری کانفرنسوں میں طے پایا! اور صلیبی مشنریوں نے اس مقصد کے لیے انتھک کوششیں کیں۔

ایک امریکی یہودی مور برجر (Morroe Berger) اپنی کتاب ''آج کی عربی دُنیا''(۱) میں کہتا ہے۔ (قریب کے زمانے میں، عالم عربی کے بارے میں شائع ہونے والی کتابوں میں یہ کتاب بڑی اہم ہے(۲)

''تعلیم یافتہ مسلمان عورت مذہبی تعلیمات سے بہت دور ہے اور معاشرے کو بے دین بنانے میں حد درجہ مفید ہے۔''!؟

جو مقصد اس یہودی مصنف نے بتایا ہے اس کے لیے ظاہر ہے کہ مشنری بہت زیادہ کوشش کریں گے۔ کیوں کہ اگر عورت مسلمان رہ جائے خواہ جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بہر حال معاشرے کو بے دین بنانے کی مہم میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہوگی۔ عورت ہی تو بچے کی پرورش کرتی ہے، اور مسلمان عورت خواہ جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ دورانِ تربیت بچوں میں اسلام کے ایسے بیج بو دیتی ہے کہ خواہ او، بگاڑ کے عوامل کتنے ہی مؤثر کیوں نہ ہوں۔ اور لوگوں کی بربادیِ دین و ایمان کے کتنے ہی منظّم پروگرام کیوں نہ ہوں۔ مسلمانوں میں پھر بھی اسلام کا کوئی نہ کوئی شائبہ باقی رہ جاتا ہے اور خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں پکا سچّا مسلمان بن جائے اور اِس خطرے کو راستے سے ہٹانا صلیبی سامراج اور یہودی سازش کے لیے ضروری ہے!!

---

(۱) یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔

(۲) "The Arab world Today"

اس لیے انھوں نے سوچا کہ مسلمان عورت کے دل سے اسلامی عقیدہ مٹنا چاہیے اور عورتوں کی ایسی کھیپ تیار ہونی چاہیے جو اسلام سے قطعاً ناواقف ہو! طریقہ اس کا بھی وہ ہی ہے جو پہلے مردوں پر آزمایا جاچکا ہے یعنی تعلیم!

غرض صلیبی سامراج اور صیہونی سازش نے ــــ ترکی، مصر، ہندستان، انڈونیشیا اور افریقہ میں آزادیٔ نسواں کی تحریکیں شروع کردیں اور سرکاری اور مشنری اسکولوں میں خواتین کی وہ نسل تیار ہوئی جو نہ صرف اسلام سے دور تھی بلکہ متنفّر بھی تھی۔!

یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلام جس نے مرد و عورت پر یکساں حصولِ علم قرار دیا ہے۔ اگر کسی وقت نافذ العمل ہو تو وہ خواتین کی تعلیم میں رکاوٹ نہیں بنے گا، لیکن وہ یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ مرد و زن کو ایسی تعلیم دی جائے جو اسلام ہی سے متنفّر کردے۔

صلیبی سامراج اور یہودی سازش کا تعلیم نسواں کا مدّعا یہ نہیں تھا کہ خواتین تعلیم حاصل کریں اور مسلمان رہیں۔ بلکہ مدّعا یہ تھا کہ خواتین تعلیم حاصل کریں اور اسلام سے آزاد ہوجائیں۔!

تعلیم نسواں کے مبارک قدم کے بعد دوسرا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ عالمِ اسلام میں کچھ اس قسم کا اجتماعی، فکری اور اخلاقی حالات پیدا کیے گئے کہ عورت بے پردہ ہوجائے تاکہ بگاڑ مکمل ہوسکے۔!

غرض ایک بگڑی ہوئی نسل تیار کی گئی، جن کے بگاڑ میں لکھنے والے، فن کار، افسانہ نویس، صحافی، سنیما اور ریڈیو والوں نے پورا پورا کردار ادا کیا ــــ ساتھ ہی زندگی کے مختلف مرحلوں پر اس بگاڑ کو مکمّل کرنے کے لیے اختلاط کے مواقع مہیّا کیے گئے۔!

عالمِ اسلام کی موجودہ نسل صلیبی سامراج اور یہودی سازش کا اصل سرمایہ ہے۔ کیوں کہ یہی نسل اسلامی کے خاتمہ کے لیے فیصلہ کن وار کرنے والی ہے۔ اور خاص طور پر موجودہ عالمِ اسلام کی ''خاتون''، جس کے بارے میں یہودی مصنف کہتا ہے:

''معاشرہ کو بے دین بنانے میں عورت زیادہ مؤثّر کردار ادا کرسکتی ہے۔''

اور یہ بات صحیح بھی ہے کیوں کہ آج کی ''تعلیم یافتہ حریت پسند خاتون'' اپنے بچوں

کے دل میں اسلام کے بیج نہیں بوئے گی۔ کیوں کہ اس عقیدہ پر وہ خود ایمان نہیں رکھتی اور اسلام سے وہ متنفّر ہے۔

اب صلیبی سامراج اور صیہونی سازش دو صدیوں کی مسلسل جدو جہد سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ کیوں کہ اب عورت تعلیم یافتہ اور حریت پسند ہونے کی بنا پر مسلمان بچے ہی نہیں پیدا کرے گی!

پھر بھی عورت پر گرفت مضبوط ہے اور اس کے دل میں اسلام دشمنی کے جذبات اُبھارنے کا کام منظّم طریقے پر جاری ہے۔!

اس مقصد کے لیے ''حریت پسند خاتون'' کو حصولِ حقوق کی اُلجھن میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور یہ اُلجھن اُس وقت تک دور نہیں ہوسکتی جب تک اسلامی قوانین کا خاتمہ نہ کر دیا جائے یا اس سے بھی خطرناک مہم کہ اسلام کے مفہوم و معنی کو بدل دیا جائے۔!

جمہور مسلمان اِسلام سے عقیدتاً تو بیزار نہیں ہیں لیکن عملی زندگی میں اس کا نفاذ بھی نہیں چاہتے! —

جمہور کا عقیدہ بس اس مصرف کا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا۔ اس کے علاوہ دیگر پابندیاں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسی طرح بے قید زندگی گزارتے رہیں، فحش فلمیں بھی دیکھتے رہیں، ٹیلی ویژن پر عریاں رقص بھی دیکھتے رہیں اور گندے گانے بھی سُنتے رہیں —

خوب آزادی کے ساتھ جھوٹ بھی بولتے رہیں اور غیبت بھی کرتے رہیں اور تجسُّس بھی کرتے رہیں بغیر حلال و حرام کی پرواہ کیے ہوئے!

بہت سے عوام الناس راہ چلتی عورتوں کی فتنہ سامانی سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔

بہت سی خواتین بھی مردوں کو مائل کرنا چاہتی ہیں اور خوب بناؤ سنگار کر کے باہر نکلتی ہیں۔

ان سب عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر نیت بُری نہ ہو تو ان تمام کاموں میں کوئی قباحت نہیں ہے —

بس عام مسلمانوں کے نزدیک اسلام کی اتنی سی حقیقت ہے کہ وقتاً فوقتاً نماز روزہ کر لیا

جائے۔ رہ گیا یہ تصوّر کہ اسلام پوری زندگی میں جاری وساری رہے اور ہر چھوٹی یا بڑی بات میں اسلام سے رہ نمائی لی جائے اور اسلام کو عملاً زندگیوں میں نافذ کیا جائے۔ سو اس کا عوام کے ذہنوں میں کوئی دُھندلا سا خاکہ بھی نہیں ہے۔!

جمہور مسلمان اگر چہ دانشوروں اور مسلم قوم کے دوسرے طبقات کی طرح اسلام سے نفرت تو نہیں کرتے۔ مگر حقیقتاً وہ بھی اسلام کو ناپسند کرتے ہیں!

اوپر مسلمانوں کے تمام طبقات کا جائزہ لیا گیا کہ ان کا اسلام کے بارے میں کیا موقف ہے۔ مجموعی طور پر تمام طبقات کی مصالح، نفع اندوزیاں اور خواہشاتِ نفس انھیں اسلام کے ناپسند کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اس ناپسندیدگی میں کم زور و طاقت ور سب برابر کے شریک ہیں کیوں کہ ہر ایک کے ساتھ اس کی اپنی مصالح ہیں ـــــ

غرض جو جاہلیت پوری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہ ہی جاہلیت پوری طرح اسلامی دُنیا پر بھی چھائی ہوئی ہے۔!

اب مسلمان کہاں باقی ہیں۔!

عالمِ اسلام میں خال خال ایسے افراد بکھرے ہوئے اور پراگندہ طور پر موجود ہیں، جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام ہی دینِ حق ہے اور اسلام ہی راہِ نجات اور پوری انسانیت کی بیماریوں کا علاج ہے۔

انھیں یہ بھی بہ خوبی معلوم ہے کہ اسلام کا راستہ کانٹوں سے پُر ہے۔ اس کے حصول کے راستہ میں خون کی ندیاں حائل ہیں ـــــ اس کے باوجود بھی وہ اِس پُرخار وادی میں گُھس چکے ہیں اور اس کارِ خیر کا بدلہ صرف اللہ سے چاہتے ہیں۔

لیکن ـــــ یہ بکھرے ہوئے پراگندہ افراد موجودہ نسلِ انسانی میں کوئی انقلاب نہیں برپا کر سکتے ـــــ کیوں کہ ان کے مقابل نہایت بدترین دشمن حد درجہ منظّم طریقے پر موجود ہیں۔ وہ اِن سب افراد کو ختم کر دیں گے اور اسلامی معاشرے کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا!

انسانیت اللہ کے دین کا رُخ نہیں موڑ سکتی!

جو نام نہاد مسلمان آج موجود ہیں اور جو درحقیقت اسلام سے متنفّر ہیں اور اس کو عملی

زندگی سے دور رکھنا چاہتے ہیں ــــ یہ کوئی اسلام کے ٹھیکہ دار نہیں کہ ان کی تباہی اسلام کی تباہی سمجھی جائے۔!

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ط وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ط وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا o وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ط وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا o اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا o (النساء:۱۳۱-۱۳۳)

"اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم ناسپاسی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجت مند نہیں ہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں۔ اور اللہ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں۔ اگر ان کو منظور ہو تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔"

جی ہاں!

اللہ تعالیٰ کی سنت کا تقاضا ہے کہ ایک نئی نسل اُبھرے گی جو اللہ کی طرف لوٹ آئے گی۔!

اِنسان کی اللہ کی طرف واپسی

جاہلیت جدیدہ ـــــ اور اس کے طاغوتوں کا گمان یہ ہے کہ اس نے اللہ کے دین کا خاتمہ کر دیا ہے۔

درحقیقت جاہلیت جدیدہ اپنے اس گمان میں حق بجانب ہے! کیوں کہ جو شخص دُنیا کے نقشے پر اُچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتا ہے۔ اس کو یہ صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ ہر جگہ اور مقام پر جاہلیت کے پھریرے اُڑ رہے ہیں اور اسلام کا جھنڈا ہر جگہ سرنگوں ہے۔

لیکن ـــــ انسانیت اللہ کے دین پر حکمراں نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُوْنَ٥

(یوسف:۲۱)

''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے کہ جاہلیت اسلام سے نبرد آزما ہوئی ہو۔ بلکہ اسلام کے بالمقابل جاہلیت کا موقف ہمیشہ ہی دشمنی اور عداوت کا رہا ہے۔

بہرکیف انسانیت اللہ کے دین پر حاکم نہیں ہے ـــــ بلکہ اللہ ہی کا حکم نافذ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جاہلیت کے فریب اور دھوکوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جس طرح اُس کا جی چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور دین کی دعوت کو پھولنے کے مواقع فراہم کرتا ہے!

اللہ تعالیٰ جاہلیتوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے ـــــ یا ـــــ ان کو اسلام کی ہدایت دے دیتا ہے۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمۡ
مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝ قَالَ
الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِہٖۤ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝ قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ
بِیۡ ضَلٰلَۃٌ وَّ لٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ اُبَلِّغُکُمۡ
رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنۡصَحُ لَکُمۡ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝
اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ
لِیُنۡذِرَکُمۡ وَ لِتَتَّقُوۡا وَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَنۡجَیۡنٰہُ
وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ فِی الۡفُلۡکِ وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ
کَانُوۡا قَوۡمًا عَمِیۡنَ ۝٪ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاہُمۡ ہُوۡدًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ
اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ قَالَ الۡمَلَاُ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖۤ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیۡ سَفَاہَۃٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّکَ
مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ سَفَاہَۃٌ وَّ لٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ
مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ اُبَلِّغُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنَا لَکُمۡ نَاصِحٌ
اَمِیۡنٌ ۝ اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ
مِّنۡکُمۡ لِیُنۡذِرَکُمۡ ؕ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ
نُوۡحٍ وَّ زَادَکُمۡ فِی الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَۃً ۚ فَاذۡکُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰہِ لَعَلَّکُمۡ
تُفۡلِحُوۡنَ ۝ قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰہَ وَحۡدَہٗ وَ نَذَرَ مَا کَانَ یَعۡبُدُ
اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ۝ قَالَ قَدۡ
وَقَعَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ رِجۡسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِیۡ فِیۡۤ
اَسۡمَآءٍ سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ
سُلۡطٰنٍ ؕ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَکُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ۝ فَاَنۡجَیۡنٰہُ

وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا
وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَ تْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ
وَلاَ تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ
جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ ۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ
مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ
اللّٰهِ وَلاَ تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ قَالَ الْمَلاُ الَّذِیْنَ
اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ
مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا
تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا
فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لاَّ تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝
وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ
اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ۝
فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اِلاَّ امْرَاَتَهٗ ۖ ز كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ۝ وَ اَمْطَرْنَا
عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ وَ اِلٰی

مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًاط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗط قَدْ جَآءَ تْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلاَ تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ ھُمْ وَلاَ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلاَحِھَاط ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَo وَلاَ تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَ تَبْغُوْنَھَا عِوَجًاج وَاذْکُرُوْآ اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلاً فَکَثَّرَکُمْ ص وَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَo وَ اِنْ کَانَ طَآئِفَۃٌ مِّنْکُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَ طَآئِفَۃٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَاج وَ ھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَo قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاط قَالَ اَوَ لَوْ کُنَّا کَارِھِیْنَo قف قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَاط وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَآ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَاط وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًاط عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَاط رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَo وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ o فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ o ج لا صلے الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَاج اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا ھُمُ الْخٰسِرِیْنَo فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَکُمْج فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَo ع وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ

اَخَذۡنَآ اَھۡلَھَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ ٥ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّ قَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذۡنٰـھُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ھُمۡ لاَ یَشۡعُرُوۡنَ ٥ وَ لَوۡ اَنَّ اَھۡلَ الۡقُرٰیٓ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡ لَفَتَحۡنَا عَلَیۡھِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَ لٰکِنۡ کَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰـھُمۡ بِمَا یَکۡسِبُوۡنَ٥ اَفَاَمِنَ اَھۡلُ الۡقُرٰیٓ اَنۡ یَّاۡتِیَھُمۡ بَاۡسُنَا بَیَاتًا وَّ ھُمۡ نَآئِمُوۡنَ٥ؕ اَوَ اَمِنَ اَھۡلُ الۡقُرٰیٓ اَنۡ یَّاۡتِیَھُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًی وَّ ھُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ٥ اَفَاَمِنُوۡا مَکۡرَ اللّٰہِ ۚ فَلاَ یَاۡمَنُ مَکۡرَ اللّٰہِ اِلاَّ الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ٥ؑ

(الاعراف:۵۹-۹۹)

’’ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا، اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔ نوحؑ نے کہا۔ اے برادرانِ قوم! میں کسی گمراہی میں نہیں پڑا ہوں بلکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔ تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے آدمی کے ذریعے سے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی تاکہ تمہیں خبردار کرے اور تم غلط روی سے بچ جاؤ اور تم پر رحم کیا جائے۔ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا۔ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈبو دیا، جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے تھے اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے۔ جواب میں کہا ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے

ہو۔اس نے کہا۔اے برادران قوم میں بے عقلی میں مبتلا نہیں۔ بلکہ میں رب العالمین
کا رسول ہوں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس
پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی
قوم کے ایک آدمی کے ذریعے سے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی تا کہ تمہیں خبر دار
کرے۔بھول نہ جاؤ کہ تمہارے رب نے نوح کی قوم کے بعد تم کو اس کا جانشین بنایا
اور تمہیں خوب تنومند کیا۔پس اللہ کی قدرت کے کرشموں کو یاد رکھو۔امید ہے کہ فلاح
پاؤ گے انہوں نے جواب دیا کہ تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی
عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔
اچھا تو لے آوہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچا ہے۔ اس نے کہا
تمہارے رب کی پھٹکار تم پر پڑ گئی اور اس کا غضب ٹوٹ پڑا۔کیا تم مجھ سے ان ناموں
پر جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں اور جن کے لیے اللہ
نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے، اچھا تو تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار
کرتا ہوں۔آخر کار ہم نے اپنی مہربانی سے ہود اور اُس کے ساتھیوں کو بچا لیا۔اور ان
لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے تھے۔ اور ایمان لانے والے نہ
تھے۔اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔اُس نے کہا اے برادران
قوم! اللہ کی بندگی کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔تمہارے پاس تمہارے
رب کی کھلی دلیل آگئی ہے۔یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے۔
لہٰذا اسے چھوڑ دو کہ چرتی پھرے۔اس کو کسی بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا۔ورنہ
ایک دردناک عذاب تمہیں آلے گا۔ یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد
تمہیں ان کا جانشین بنایا اور تم کو زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اس کے ہموار
میدانوں میں عالی شان محل بناتے اور اس کے پہاڑوں کے مکانات کی شکل میں
تراشتے ہو۔پس اُس کی قدرت کے کرشموں سے غافل اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔
اس کی قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے کم زور طبقہ کے اُن لوگوں سے
جو ایمان لے آئے تھے کہا کہ واقعی تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے۔انھوں
نے جواب دیا بے شک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے اسے ہم مانتے ہیں۔
ان کی بڑائی کے مدعیوں نے کہا۔جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔پھر

اُنھوں نے اس اونٹنی کو مارڈالا اور پورے تمرّد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کرگزرے اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آؤ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔ آخر کار ایک دہلا دینے والی آفت نے انہیں آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے اور صالح یہ کہتا ہوا ان کی بستیوں سے نکل گیا کہ اے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنچادیا اور میں نے تیری بہت خیر خواہی کی مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں۔ اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ پھر یاد کرو جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ تم وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مَردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے بڑے پاک باز بنتے ہیں۔ یہ آخر کار ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ بچا کر نکال دیا اور اس قوم پر برسائی ایک بارش۔ پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُس نے کہا اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہ نمائی آ گئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور زندگی کے ہر راستے پر رہزن بن کر نہ بیٹھ جاؤ کہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے اور ایمان لانے والوں کو خدا کے راستے سے روکنے لگو اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ یاد کرو کہ وہ زمانہ جب کہ تم تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں بہت کر دیا اور آنکھیں کھول کر دیکھو کہ دنیا میں مفسدوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ اگر تم میں سے ایک گروہ اس کی تعلیم پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں ایمان لاتے ہیں اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو صبر کے ساتھ دیکھتے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھے اس سے کہا۔ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں۔

اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم لوگوں کو ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا۔ شعیب نے جواب دیا کیا ہمیں زبردستی پھرایا جائے گا خواہ راضی نہ ہوں۔ ہم اللہ پر جھوٹ گڑھنے والے ہوں گے اگر تمہاری ملت پر پلٹ آئیں۔ جب اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے۔ ہمارے لیے تو اس کی طرف پلٹنا اب کسی طرح ممکن نہیں۔ الّا یہ کہ خدا ہمارا رب ہی ایسا چاہے ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ اسی پر ہم نے اعتماد کرلیا۔ اے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک فیصلہ کردے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کرچکے تھے۔ آپس میں کہا اگر تم نے شعیب کی پیروی قبول کرلی تو برباد ہوجاؤ گے۔ مگر ہوا یہ کہ ایک دہلا دینے والی آفت نے ان کو آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی اُن گھروں میں بسے ہی نہ تھے اور شعیب یہ کہہ کر ان کی بستیوں سے نکل گئے کہ اے برادرانِ قوم! میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور تمہاری خیرخواہی کا حق ادا کردیا۔ اب میں اس قوم پر کیوں افسوس کروں جو قبولِ حق سے انکار کرتی ہے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو۔ اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی پر اُتر آئیں۔ پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوش حالی میں بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے اسلاف پر بھی اچھے اور بُرے دن آتے ہی رہے ہیں۔ آخرکار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور اُنہیں خبر تک نہ ہوئی۔ اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے تو جھٹلایا۔ لہٰذا ہم نے اس بُری کمائی کے حساب میں اُنہیں پکڑلیا۔ وہ جو سمیٹ رہے تھے۔ پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بےخوف ہوگئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی۔ جب کہ وہ سوتے پڑے ہوں یا انہیں اطمینان ہوگیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا۔ جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بےخوف ہیں۔ حالاں کہ اللہ کی چال سے وہی قوم بےخوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔''

اللہ کا انسانیت سے ہمیشہ یہی معاملہ رہا ہے۔!

لاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ج (النور:۵۷)

''کافروں کے بارے میں یہ نہ سمجھو کہ وہ زمین میں بھاگ کر ہمیں ہرا دیں گے۔''

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لاَ یَعْلَمُوْنَo

(یوسف:۲۱)

''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

جاہلیت خواہ کتنی ہی سرکش کیوں نہ ہو اللہ کو عاجز نہیں بنا سکتی۔ اللہ کی سنت زمین میں نافذ ہو کر رہتی ہے اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ پہلے وہ لوگوں کو سختی اور مصائب میں ڈال کر آزماتا ہے۔شاید کہ وہ اللہ سے ڈر کر اس کی طرف آجائیں۔ اگر لوگ نہیں ڈرتے تو اللہ تعالیٰ بُرائی کو اچھائی سے بدل دیتے ہیں اور لوگوں کو بے پناہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کو بھول جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد بھی تنگی اور آسائش دونوں حالتوں میں رہے ہیں، ہم بھی اُنھیں کی طرح کبھی تنگی میں ہوتے ہیں اور کبھی آسائش میں۔ جب لوگوں کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُنھیں اچانک آلیتا ہے۔اور اُنھیں معلوم بھی نہیں ہوتا۔!

آج ہم محسوس کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسانیت میں تبدیلی کا ہو چکا ہے —— یا —— تو—— جاہلیت کے مارے ہوئے کافروں کی تباہی —— یا—— پھر ان کو ہدایت دی جانے والی —— یا —— انسانیت میں سے کوئی نوخیز نسل دینِ الٰہی کو لے کر اُٹھنے والی ہے۔

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لاَ یَعْلَمُوْنَo

(یوسف:۲۱)

''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

اب پھر اگر ہم دُنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں۔تو اب دُنیا اس طرح جاہلیت میں ڈوبی ہوئی معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ پہلی نظر میں معلوم ہوتی تھی۔اب کچھ دور نور کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔

اور ـــــ اسی نور کی روشنی میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں! کہ دورِ جاہلیت کے افق پر ایک نور کی کرن پھوٹ رہی ہے۔ کسی بھی شخص کو اللہ نے غیب کا علم نہیں دیا ہے لیکن ہم اللہ کی ناقابل تبدیل سنت معلوم کر سکتے ہیں اور اب اللہ کی سنت پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

اللہ کی طرف ہدایت ـــــ یا ـــــ تباہی ـــــ ہلاکت۔!

کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت نہیں کہ پوری انسانیت ہی تباہ ہو جائے۔ اس لیے اللہ کی طرف ہدایت یقینی ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ انسانیت اللہ کی ہدایت کو اپنا لے گی اور اس خوش آیند مستقبل کی بشارتیں جاہلیت کی تاریکی میں چمکتی ہوئی صاف نظر آرہی ہیں۔!

آج جاہلیت کے زیرِ سایہ انسانیت ایک بھیانک بدقسمتی اور بدبختی سے دوچار ہے۔

لوگ عذاب الیم میں مبتلا ہیں۔

قتل و بے چینی لوگوں کے اعصاب کو معطّل کیے دے رہی ہے۔

سیاست، اقتصاد، اجتماع اخلاق اور جنسی تعلقات کا بھیانک بگاڑ انسانیت پر مظالم ڈھا رہا ہے۔!

یہ سب علامات ہیں اس بات کی کہ انسانیت اللہ کی طرف لوٹنے والی ہے۔ انسانیت کی یہ بدبختی اس کی قوت برداشت سے زیادہ ـــــ اور یہ عذابِ الیم انسانیت کو کچلنے والا ہے۔

جاہلیت چوں کہ اللہ کی دشمن ہے اس لیے وہ شقاوتوں اور بدبختیوں کو برداشت کر رہی ہے ـــــ یا ـــــ اس لیے برداشت کر رہی ہے کہ اس کے منافع کی تکمیل اسی راستے سے ہو سکتی ہے۔!

کچھ بھی ہو ـــــ ہلاکت و تدبیر انسانیت کی گہرائیوں تک اُتر چکی ہے۔ اور انسانیت تباہی کے غار میں گرنے والی ہے۔

اللہ کی دشمن موجودہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔ اور آئندہ نسل اللہ کے دین کو لے کر اُٹھے گی اور اس کو عملاً نافذ کرے گی۔! موجودہ نسل کے انکار کی وجہ سائنس اور علم ہے!

شیطانوں نے لوگوں کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ سائنس اور علم ایمان باللہ کے منافی ہے اور علم نے قرون وسطیٰ کے ''خدا'' وغیرہ کی خرافات کا قصہ پاک کر دیا ہے۔!

گو یا ترقی علم بھی شیطانوں کے ہاتھ میں ایک زبردست ہتھیار ہوگئی کہ جوں جوں علم ترقی کرتا جاتا ہے۔ لوگ اللہ سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن سائنس داں جو پہلے لوگوں کو کفر کی طرف لے گئے تھے اب خود اللہ کی طرف آرہے ہیں۔

یہاں ہم سائنس دانوں کے کچھ بیانات نقل کریں گے۔ جو پہلے بھی کر چکے ہیں۔!

ماہر طبعیات وریاضیات سر جیمس جینز کہتے ہیں۔

''قدیم سائنس ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ طبیعت صرف ایک راستے پر گامزن ہے۔ جو اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ علّت و معلول کا ایک لا متناہی سلسلہ جاری ہے۔ اگر ''ا'' وقوع پذیر ہوتا ہے تو ''ب'' ضرور رونما ہوتی ہے۔

لیکن جدید سائنس کہتی ہے کہ ''ا'' کے بعد ''ب'' بھی آسکتی ہے۔ اور ''ج'' اور ''د'' بھی!

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''ب'' کے وقوع پذیر ہوجانے کے امکانات ''ج'' سے زیادہ ہیں اور ''ج'' کے رونما ہونے کے امکان ''د'' سے زیادہ۔ بلکہ ''ب'' ''ج'' اور ''د'' کے وقوع پذیر ہونے کے امکانات کی تجدید بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ جدید سائنس صرف احتمالات کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور کچھ لازمی طور پر وقوع پذیر ہونا چاہیے اسے اقدار پر چھوڑ دیتی ہے۔''

جامعہ فرینکفرٹ کے نباتیات وحیاتیات کے استاد ارنست چارلس رسل کہتے ہیں:

''اس بارے میں کہ جمادات سے زندگی کس طرح ظہور پذیر ہوئی۔ کئی نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ حیات پروتوجین سے پیدا ہوئی ہے یا فروس سے پیدا ہوئی ہے یا پروتین کے بعض بڑے بڑے اجزاء کے آپس میں مل جانے سے پیدا ہوئی۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان نظریات نے جمادات سے زندگی کی تشکیل کا درمیانی خلا پُر کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمادات سے زندگی کے صدور کے بارے میں تمام نظریات غلط ہیں۔ کوئی بھی شخص جو اللہ کے وجود کا منکر ہو۔ اس قول کی کوئی دلیل نہیں رکھتا کہ اتفاقیہ چند اجزا کے آپس میں مل جانے کی بنا پر

زندگی وجود پذیر ہوئی ہو اور پھر اس نے وہ شکل اختیار کر لی جو ہم زندہ خلیوں میں دیکھتے ہیں۔ ہر شخص کو کھلی آزادی ہے کہ وہ زندگی کے وجود پذیر ہونے کی اس توجیہہ کو درست مان لے لیکن اس توجیہہ پر ایمان لانے کے بعد انسان اس سے کہیں زیادہ الجھنوں میں مبتلا ہو جائے گا جتنا کہ وہ اللہ پر اعتقاد رکھ کر ہو سکتا ہے۔ جس نے اشیاء کو حسنِ تدبیر سے پیدا کیا ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ ہر زندہ خلیہ میں اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ زمین پر موجود کروڑ ہا خلیے اللہ کے وجود کی گواہی دے رہے ہیں۔ اسی لیے میں تو اللہ پر نہایت پکا سچا ایمان رکھتا ہوں۔''

ولیم ایرنج کہتے ہیں۔ (جامعہ ایوی سے ڈاکٹر۔ ماہر نباتیات مشگین یونیورسٹی میں طبیعیات کے پروفیسر)

''علوم سائنس ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ لا متناہی اور غیر معمولی چھوٹے چھوٹے نقطے کس طرح پیدا ہوئے اور کس طرح یہ زندگی کی تشکیل کے لیے آپس میں مل جاتے ہیں۔ میں نے حیاتیات کے مطالعہ میں کافی وقت گزارا ہے اور حیاتیات، زندگی کے مطالعہ کے لیے بہت بڑی جولان گاہ ہے اور اللہ کی مخلوقات کا مطالعہ کے لیے بہت بڑی جولان گاہ ہے اور اللہ کی مخلوقات کا مطالعہ انتہائی دل چسپ ہے۔ ذرا سڑک کے کنارے اُگے ہوئے برسیم ہی کو دیکھ لیجیے۔ انسان کے بتائے ہوئے تمام آلات اور مشینیں بھی اس حقیر سے پودے کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ یہ ایک زندہ مشین ہے جو شب و روز مصروفِ عمل ہے اور ہزاروں کیمیائی اور طبعی حالات سے گزر رہی ہے —— اور یہ تمام عمل پروٹو پلازم (Proto Plasm) کے ماتحت ہو رہا ہے۔ وہ مادہ جو تمام کائنات کی ترکیب میں شامل ہے۔

یہ زندہ اور پیچیدہ مشین آخر کس طرح پیدا ہو گئی؟ ظاہر ہے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف اس پودے کو پیدا ہی نہیں کیا۔ بلکہ اسے زندگی بھی بخشی اور اسے اپنے وجود کی حفاظت کا سلیقہ دیا کہ وہ اپنے تمام خواص اور ممیّزات کے ساتھ ہر آنے والے زمانے میں اپنے وجود کو برقرار رکھے اور اپنے آپ کو دوسرے نباتات سے ممتاز رکھ سکے ——

زندگی کی کثرت کا مطالعہ زیادہ دل چسپ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے۔"

یہاں ہم نے بطور مثال چند اقتباسات نقل کردیئے ہیں اور یہ سارے اقتباسات صرف ایک کتاب سے لیے گئے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان ویقین سے پُر ہے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر تصوّرات پر جاہلیت کی پرچھائیں صاف معلوم ہوتی ہے۔

غرض یہ ہیں سائنس دانوں کی شہادات ــــ یہ ہی سائنس داں پہلے انسانیت کو کفر کی طرف لے گئے مگر اب خود اللہ کے وجود کے قائل ہورہے ہیں۔

موجودہ دَور کے مختلف نظام ہائے زندگی کی تباہی بھی انسانیت کو اللہ کی طرف لے جانے والی ہے۔

سرمایہ داری نظام دنیا کے اکثر حصے میں پامال ہو چکا ہے۔ اگرچہ امریکہ میں ابھی تک موجود ہے، لیکن وہاں بھی دم توڑ رہا ہے ــــ سرمایہ داری کے زوال کا سبب تاریخ کی مادّی اور اقتصادی جبریت نہیں ــــ بلکہ اللہ کی سنت ہے ــــ اور اللہ کی سنت یہ ہے کہ اس نظام کی برائیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں اس لیے اب اسے ختم ہوجانا چاہیے۔ رہ گئی اشتراکیت جو جاہلیت کی نئی پیداوار ہے، وہ بھی زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی۔!

مارچ ۱۹۶۴ء میں خروشچیف کے قول کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یہ مارکسیت دینیت سے انکار ہے۔[(۱)]

یہ اشتراکیت سے کسی دوسرے نظام کی طرف انحراف ہے۔

سرمایہ داری اور اشتراکیت یہی دو نظام جاہلیت جدیدہ میں نافذ العمل ہیں۔ اگر یہ بطورِ فکر اور بطورِ نظام فیل ہوگئے ــــ خواہ ان کی سیاسی طاقت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو تو کسی نئے نظام کو اِس خلا کو پُر کرنا چاہیے۔ سیاسی قوت کو مدِّ نظر نہیں رکھا جاسکتا۔ بلکہ اس "فکر" کو دیکھا جاتا ہے، جو سیاسی قوت پر حاکم اور کارزارِ حیات میں اسے کامیابی سے ہم کنار کرتی ہے۔

ان دونوں نظام کے خاتمہ کے بعد نیا نظام اسلام ہی ہوسکتا ہے۔

---

(۱) بعد میں آنے والے انقلاب سے بھی خروشچیف کی سیاست میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

کیوں کہ اب دُنیا میں ایسا کوئی نظام باقی نہیں ہے جس کا انسانیت تجربہ کرے —— اور جو سرمایہ داری اور اشتراکیت کی طرح انتہا پسند ہونے کے بجائے معتدل ہو۔ یہ اعتدال کی راہ صرف اسلام ہے اور اس کے ماننے والے مسلمان ہیں۔

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ (الحج:۷۸)

’’اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلے بھی اور اس میں بھی تا کہ تمہارے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔‘‘

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ:۱۴۳)

’’اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تا کہ مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول گواہ ہوں۔‘‘

یہ بشارتیں اور دلائل ہیں اس بات کی کہ انسانیت اللہ کی طرف رجوع کرنے والی ہے۔! مندرجہ بالا نشانیوں کے علاوہ انسانیت کی اللہ کی طرف واپسی پر ایک تاریخی دلیل بھی ہے۔

امریکہ جو جاہلیت جدیدہ کا مرکز ہے، جس نے ایشیا اور افریقہ میں اسلام ختم کرنے کی بے پناہ کوششیں کی ہیں اور اسلام کے خاتمہ کے لیے اپنے تمام تر وسائل کام میں لایا ہے۔ اور صلیبی مکر اور یہودی سازش بھی اسلام کے خاتمہ کے لیے متحد ہو گئے —— اسی امریکہ —— اور جاہلیت کے گڑھ میں ایک زندہ و متحرک اسلامی تحریک بیدار ہو رہی ہے۔ جو اسلامی تحریک بیدار ہو رہی ہے وہ جو اسلامی نظام کے قیام کی خواہاں ہے۔ یہ جاہلیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تمسخر اور جاہلیت کا استہزا ہے کہ صلیبی فریب اور یہودی سازش نے عالمِ اسلام میں اسلام کے خلاف جنگ برپا رکھی۔ اور تحریکِ اسلامی کو کچل ڈالا اور یہ سمجھنے لگے کہ ہم نے اسلام کو اس کے تقلیدی وطن میں کچل ڈالا ہے۔ اور اب اسلام میں دم نہیں رہا کہ وہ کسی وقت جاہلیت کے مقابلہ پر آ سکے —— تو

جاہلیت کے متوالے شاداں و فرحاں اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے اور اپنی کامیابیوں پر خوشی سے ہاتھ ملنے لگے۔

لیکن اچانک خود ان کے گھر میں ایسی مصیبت آئی کہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کس طرح چھٹکارا پائیں۔

مسلمانوں کو ہر قسم کی تکلیفیں، قید و بند کی صعوبتیں دی گئیں اور مسلمانوں کو اس ماحول میں جکڑنے کی پوری پوری کوششیں کیں جو انہوں نے مسلم ممالک میں پیدا کیے تھے۔ لیکن اب خود ان کے ملک میں اسلام کی آواز سُنائی دی جا رہی ہے۔ یہ ہے اللہ کا مذاق جاہلیت کے ساتھ۔!

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۠ (آل عمران: ۵۴)

''اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی۔ اور اللہ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں۔''

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۠

(الاعراف: ۹۹)

''کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں۔ حالاں کہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔''

مندرجہ بالا بیان سے آپ یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔!

جاہلیت کے متوالے اس خیال میں ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو زمین سے ختم کر دیا ہے۔

اور اُنہوں نے دین کا تصوّر بھی ناممکن بنا دیا ہے۔ لیکن اِنسان اللہ کے دین پر حکمراں نہیں ہو سکتے۔

جو لوگ جاہلیت کے گڑھے میں زندگی گزار رہے ہوں اور جاہلیت کے تمام زہر پی چکے ہوں۔ وہ اچانک مسلمان ہو جائیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے انسانیت کو ہدایت پر لانے کی ایک مثال ہے۔

مستقبل کا انسان یقیناً اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

اور یہ امر اللہ کے لیے بالکل آسان ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنے راستے کی طرف ہدایت عطا فرمائے۔ جیسا کہ ہم اخبار و رسائل میں اس قسم کی خبریں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کی طرف آ رہے ہیں۔

جاہلیت کے ہر قسم کے مکر کے باوجود یہ کام اللہ پر بالکل آسان ہے۔

جاہلیت کے مکر و فریب اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔!

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَo

(یوسف:۲۱)

''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

عالمِ اسلام میں بسنے والے نام نہاد مسلمان اللہ کے سامنے اپنے گناہوں کا پچھتاوا لادے ہوئے پیش ہوں گے۔!

دین کے بارے میں تعاون، صالح معاشرے کے قیام کے لیے عملی جدوجہد نہ کرنا، جاہلیت کی اتّباع کرنا۔ زندگی کا جاہلی مفہوم اختیار کرنا اور دین کے بارے میں جاہلیت کے پہنائے ہوئے معانی کو اختیار کرنا، امت مسلمہ کے ایسے عظیم گناہ ہیں کہ وہ اللہ کے عذاب سے کسی صورت نہیں بچ سکتے۔!

مستقبل میں مسلمانوں کے ان گناہوں کے پچھتاوے کا بوجھ اور بھی بڑھ جائے گا۔ جب انسانیت تو اللہ کے راستے کو اپنا رہی ہوگی اور عالمِ اسلام کا نام نہاد مسلمان۔ اسی طرح ذلّت و جہالت کا شکار ہوگا! جی ہاں! اسلام برپا ہوگا اور مسلمان اسی طرح ذلّت و مسکنت، جہالت اور کمزوری کا شکار ہوں گے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ط وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًاo

(النساء:۱۳۳)

''اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں مٹا کر تمہاری جگہ ایک نئی قوم لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔''

یہ نام نہاد مسلمان مستقبل میں عار و شرمندگی کا شکار ہوں گے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دوسری اقوام اللہ کے دین کو قائم کرنے اُٹھ رہی ہیں۔ اور یہ بدستور ذلّت و مسکنت کا شکار ہیں۔

اب خواہ یہ مسلمان جماعت خوابِ غفلت سے بیدار ہو یا یہ غفلت موت کی غفلت سے بدل جائے۔!

خواہ دین کے مقابل قوّتیں دین کا مقابلہ چھوڑ دیں یا مقابلہ زیادہ سخت اور کٹھن ہو جائے!

انسان اللہ کی طرف لوٹ کر رہے گا! مستقبل کا انسان پکاّ سچاّ مومن ہوگا۔

جتنا آج کفر پھیلا ہوا ہے۔ جس قدر عذاب الیم میں آج کی انسانیت مبتلا ہے اور جس قدر طاغوتی تاریکیاں ساری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں اسی قدر مستقبل اللہ کے نور سے روشن ہو جائے گا اور اس نور کی کرنیں، جاہلیت کی تاریکیوں میں سے پھوٹنی شروع ہو چکی ہیں! یقیناً کل اللہ کا دین روشن ہونے والا ہے۔

خواہ ہم اپنی مختصر سی عمر میں اللہ کے دین کو پھیلتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ہمارے بعد آنے والی نسل اللہ کے نور کی ٹھنڈک میں آ جائے۔ یہ یقینی ہے کہ:

انسانیت اللہ کی طرف لوٹنے والی ہے۔

اور پھر انسانیت کا اللہ پر ایمان بہت پختہ اور مکمل ہوگا۔!

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (الصّف:۸)

''اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا اگر چہ کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔''